مسئلہ فلسطین پر جستجو گروپ میں پیش کی گئی مستند اور غیر جانبدار تحاریر کا مجموعہ بمع سوالات و جوابات

مسئلہ فلسطین

ماضی، حال اور مستقبل

تحریر: وہارا امبا کر

مرتب: خالد محمود آزاد

پیشکش: جستجو (فیس بک گروپ)

WEBSITE: http://justju.pk
FB PAGE: https://www.facebook.com/ilmkijustju/
FB GROUP: https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/
TELEGRAM: https://t.me/jusjtu
YOUTUBE: https://m.youtube.com/channel/UCnmsjJFH4pLck4VK9OVk0bw#menu
TWITTER: https://twitter.com/PkJustju/status/1235097536253300736?s=19

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	ابتدائیہ	2	18	چوتھی جنگ	121
2	فریقین	6	19	لبنان پر حملہ	125
3	نیشنلزم	17	20	پہلی لبنان جنگ	129
4	جاگیردار	25	21	لبنان جنگ کے بعد	135
5	عثمانی	31	22	انتفاضہ اول	139
6	نیا نقشہ	40	23	اوسلو معاہدے	145
7	اسرائیلی اور یہودی	49	24	امن میں ناکامی	149
8	فلسطینی کون ہیں؟	59	25	حل طلب مسائل (1)	154
9	علاقہ	68	26	حل طلب مسائل (2) سرحدیں	159
10	صیہونی	73	27	انتفاضہ الاقصیٰ	166
11	اقوامِ متحدہ	78	28	دیوار	169
12	النکبۃ	83	29	حماس	173
13	مہاجرین	88	30	ناکہ بندی	176
14	دوسری جنگ	90	31	راکٹ	180
15	تیسری جنگ	100	32	دو ریاستی حل	186
16	تیسری جنگ کے بعد	111	33	ایک ریاستی حل	192
17	فلسطینی تحریکیں	117	34	اختتام	

ابتدائیہ

اسرائیل فلسطین تنازعہ نہ ہی سب سے تباہ کن ہے اور نہ ہی سب سے زیادہ عدم استحکام پیدا کرنے والا۔ سیریا کی جنگ میں چند برسوں میں اس سے زیادہ لوگ ہلاک ہوئے ہیں جتنے فلسطین تنازعے میں دہائیوں میں۔ لیکن یہ دنیا کا طویل ترین اور مشکل ترین تنازعہ ہے۔ اور یہ حل ہونے کے قریب نہیں۔

نہ صرف یہ مشکل ترین ہے بلکہ کوئی اور تنازعہ نہیں جو دنیا کی اس قدر توجہ حاصل کرتا ہے۔ وہ لوگ بھی جو اس تنازعے سے بہت دور ہیں، ان کی بھی۔ دنیا بھر میں پارلیمان میں، عالمی تنظیموں میں، کالجوں میں اس پر بحث ہوتی ہے۔

اگرچہ اس میں لوگوں کی دلچسپی تو بہت ہے لیکن اس تنازعے سے واقفیت کم ہے۔ اس کی ایک وجہ اس سے وابستہ جذبات ہیں۔ اس کی پیچیدگی کو سمجھے بغیر صرف سادہ اور سطحی معلومات نعرہ بازی کے لئے تو کافی ہوتی ہے لیکن ایسا نکتہ نظر تنازعے کی باریکیاں نظر سے اوجھل کر دیتا ہے اور اس کو سمجھنا ناممکن بنا دیتا ہے۔ اگرچہ کہ ایسا ممکن نہیں کہ ہم اس تنازعے کو مکمل طور پر معروضی انداز میں سوچ سکیں۔ کیونکہ ہم سب اپنا ذاتی پس منظر اور ذہنی جھکاؤ رکھتے ہیں۔ لیکن اس سیریز میں ہم ایک کوشش کر دیکھیں گے کہ اپنے تعصبات اور جذبات کو کچھ دیر کے لئے الگ کر سکیں۔ اگر یہ آپ کی دلچسپی کا ٹاپک ہے تو ایسا کرنا زیادہ مشکل ہو گا لیکن زیادہ ضروری بھی۔

ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس تنازعے کے بارے میں لوگ اپنی انفارمیشن میڈیا سے لیتے ہیں۔ ایسا ضروری نہیں کہ میڈیا biased ہو (اگرچہ ہو سکتا ہے) لیکن بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میڈیا کوریج ہمیشہ سطحی نظارہ دکھاتی ہے اور اس روز کے دلچسپ واقعے سے زیادہ گہرائی میں نہیں جاتی۔ تناظر اور پس منظر جو اس کی طویل تاریخ کی وجہ ہے، میڈیا کے شور وغل کا حصہ نہیں بنتا۔ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر لوگ تنازعے کی گہری سمجھ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ مسئلے کی طوالت کی وجہ سے آسان نہیں لگتا۔

اس سیریز میں اہم حقائق اور تنازعے کے بڑے معاملات کے بارے میں معلومات ہو گی۔ اگر آپ اس وقت اس سب کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تو بھی امید ہے کہ آپ کو یہ سیریز پڑھنے میں دشواری نہیں ہو گی۔

تنازعہ کیا ہے؟ اس کا حل اتنا مشکل کیوں ہے؟ اور وہ حل جو آپ کو کسی نے بتایا تھا، کام کیوں نہیں کرے گا؟ امید ہے کہ اس سیریز میں ان کے کچھ جوابات مل سکیں گے۔ اس سیریز میں اس تنازعے کے تمام پہلو اور واقعات نہیں۔ (ان کے لئے بہت سی اچھی کتابیں مل جائیں گی)۔ چیدہ چیدہ اہم واقعات کا ذکر ہے۔

فلسطینی اور اسرائیلی بیانیہ مختلف ہیں، الفاظ اور اصطلاحات بھی مختلف ہیں۔ جہاں پر متنازعہ اصطلاحات ہیں، وہاں پر اس سیریز میں

فلسطینی اصطلاح استعمال کی گئی ہے (مثال کے طور پر جودیا اور سماریا نہیں بلکہ مغربی کنارہ کہا گیا ہے)۔ مختلف نکتہ نظر کا ذکر ہے لیکن الزام دینے سے حتی الامکان اجتناب کیا گیا ہے۔ یہ عصرِ حاضر کی ایک بڑی ٹریجڈی کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔

اسرائیل فلسطین تنازعے میں ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ یہ صدیوں سے جاری ہے۔ یا اس کا تعلق قدیم مذہبی جھگڑوں سے ہے۔ یہاں تک کہ مذہب مخالف لوگ اس تنازعے کو مذاہب کو نفرتوں کا ذمہ دار ٹھہرانے کی مثال کے طور پر دکھاتے ہیں۔ تاریخ اور حقائق کو ایسے نکتہ نظر سے اتفاق نہیں۔

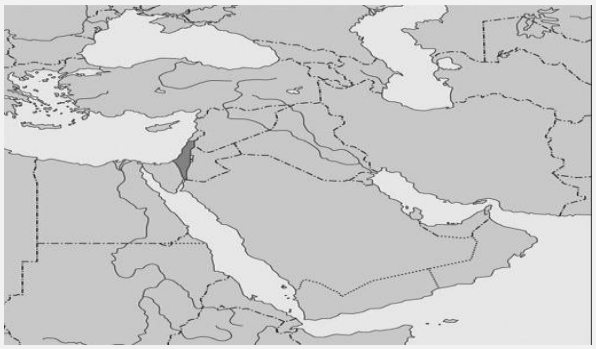

ہاں، اس تنازعے میں مذہب کا پہلو اپنی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن یہاں پر اسلام اور یہودیت کے درمیان تھیولوجیکل فرق کے بارے میں جھگڑا نہیں۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق کے بارے میں کوئی تنازعہ نہیں۔ نہ ہی اس پر کہ روزہ رمضان میں رکھا جائے یا یوم کپور پر۔ لیکن یہ تنازعہ زیادہ سنجیدہ ہے۔ اس کا تعلق ایک ہی زمین پر دعوے سے ہے۔ بلکہ نہیں، یہ اس سے بھی زیادہ سنجیدہ ہے۔ یہ شناخت کے بارے میں ہے۔ اس کا آغاز انیسویں صدی میں ہوتا ہے۔ اس سیریز میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مواد ہے۔

The Israeli – Palestinian Conflict: What you need to know: Dov Waxman

The Hundred Years' War on Palestine: Rashid Alkhalidi

The Israel – Palistine Conflict: A History: James. L Gelvin

سوالات و جوابات

AtiqUrRehman

سر اس موضوع پر ایڈورڈ سعید کی کتاب فلسطین کا سوال کیسی ہے ؟ کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ مسئلہ فلسطین سے متعلق وہ سب سے اہم کتاب ہے؟

WaharaUmbakar

ایڈورڈ سعید پی ایل او کی نمائندگی بھی کرتے رہے تھے اور اس تنازعے سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی کتاب فلسطینیوں کی نظر سے مسئلے کو دکھاتی ہے۔ خاص طور پر فلسطینی مزاحمتی تحریک کا ذکر خاصی تفصیل سے ہے۔

یہ بہت عمدہ کتاب ہے۔ چونکہ یہ 1979 میں لکھی گئی، اس لئے ظاہر ہے کہ اس کے بعد والے واقعات کا ذکر نہیں۔

AtiqUrRehman

سر کیا یہ سچ ہے کہ ایڈورڈ سعید کی کتاب کو بک سٹالز سے اٹھایا گیا؟ تاکہ وہ لوگوں تک نہ پہنچے ؟

WaharaUmbakar

کونسے ملک کے بک سٹالز سے ؟

ان کی کتابوں پر 1995 میں فلسطینی اتھارٹی نے پابندی لگائی تھی کیونکہ وہ حکومت پر تنقید کرتے تھے۔ لیکن جب باراک کے پیشکردہ امن معاہدے کو یاسر عرفات نے مسترد کیا تو ایڈورڈ نے یاسر کے اس قدم کی بہت تعریف کی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ 2000 میں ان کی کتابوں سے پابندی اٹھالی گئی۔

FaryalOsmanKhan

آپ اس تنازعے پر تفصیلی بتائیں گے کہ یہ کیوں ہوا ہم سمجھنے کی کوشش کریں گے

لیکن یہ بھی سمجھائیے گا کہ سوشل میڈیا پر بعض دفعہ وڈیوز آتی ہیں اسرائیلی فوجیوں کی جس میں وہ معصوم بچوں کے ساتھ سخت درندگی سے پیش آتے۔ مطلب آخر ننھے بچوں سے کیا مسئلہ ہے انہیں ؟

اگر دشمنی میں کرتے ہیں تب بھی اتنی سنگدلی؟

WaharaUmbakar

ایسی ویڈیوز زیادہ وائرل ہوتی ہیں جو جذبات کو چھیڑتی ہیں۔ اور ایسا صرف اسی تنازعے کے ساتھ نہیں۔ کسی بھی تنازعے کے بارے میں ایسا شئیر ہونے والا مواد سب سے زیادہ ملے گا۔ (کچھ ٹھیک، کچھ غلط)

یہ بات تو درست ہے کہ اسرائیلی قبضہ brutal رہا ہے۔ امید ہے کہ سلسلے میں تنازعے کے بارے میں کچھ پس منظر مل سکے گا۔

SaleemJamali

سر میرا خیال ہے یہاں پر ہلاکتوں سے زیادہ احتجاج مقدس مقام اور اسرائیل کا فلسطینی زمینوں پر قبضے پر کیا جاتا ہے۔۔۔

فلسطین میں ہلاکتوں کو نہیں بلکہ قبضے کو سنجیدہ لیا گیا ہے۔

ہلاکتوں نے فلسطینی یا اس کی حمایت کرنے والوں کو ہمیشہ اسرائیل کی قبضے پر احتجاج کرنے کا جواز فراہم کیا ہے۔

WaharaUmbakar

جی۔ سنجیدہ چیز قبضہ ہی ہے۔ قبضے کی وجہ سے احتجاج ہوتے ہیں اور معاملہ بڑھنے کی صورت میں نتیجہ ہلاکتوں کی صورت میں نکلتا ہے۔

Moeen Bari

Shukariya Sir , Es Informative Series K Leye . Sir ! Manay Centuries Old Tanaza Ko Aap 19th Century Say Kyun Shuru Kar Rahay Hain ?

WaharaUmbakar

یہ تنازعہ صدیوں پرانا نہیں ہے۔ اٹھارہویں صدی میں یہاں پر کوئی تنازعہ نہیں تھا۔

Syed Shahid Hussain Pasha

highly grateful ! thanks for your dedication and time for constant content. is there is also topics on economic ? like how we common person examine his country 's economy inflation by tools and parameters.

WaharaUmbakar

نہیں، اکانومی پر نہیں ہے۔ میری رائے ہے کہ عام آدمی ملکی اکانومی کی باریکیوں کو نہیں سمجھتا۔

NaeemGul

یہ مسئلہ مذاکرات سے کبھی بھی حل نہیں ہوگا فلسطینیوں کا خون یونہی بہتا رہے گا آخر فیصلہ ہوگا تو جنگ سے ہی ہوگا اور یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے لُد میں دفن ہوجائے گا۔

WaharaUmbakar

"یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے لُد میں دفن ہوجائے گا۔"

جس نجومی نے آپ کو مستقبل کے یہ راز بتا دئے ہیں، کیا اس کا فون نمبر دے دیں گے ؟ میں نے اس سے پوچھنا ہے کہ میرے گھر کے آگے سڑک کی مرمت کب تک ہوجائے گی

فریقین

کسی بھی تنازعے کو سمجھنے کے لئے پہلا کام اس میں موجود فریقین کو ٹھیک سمجھ لینا ہے۔ جب اسرائیل فلسطین مسئلے کی بات آتی ہے تو یہ اتنا واضح نہیں جتنا نظر آتا ہے۔ اس پر اتفاق نہیں کہ یہاں فریقین کون ہیں۔ کیا یہ تنازعہ اسرائیل اور فلسطین کے مابین ہے؟ یا پھر یہ اسرائیل اور عرب کا ہے؟ یا پھر یہ اسرائیل اور مسلم دنیا کا ہے؟

کیا اسرائیل مشرقِ وسطیٰ میں دشمنوں کے درمیان گھری ہوئی ننھی سی ریاست ہے؟ بائیس ممالک اور تیس کروڑ عربوں کے درمیان جس کو اپنی حفاظت کے لئے مدد کی ضرورت ہے؟ اسرائیل اور اس کے حامیوں کا اس بارے میں یہ نکتہ نظر ہے۔

یا پھر کیا یہ ایک بڑی طاقتور اسرائیلی ریاست کا کمزور فلسطینیوں کے ساتھ تنازعہ ہے؟ فلسطین اور اس کے حامیوں کا اس بارے میں یہ نکتہ نظر ہے۔ خاص طور پر حالیہ دہائیوں میں۔

کون ٹھیک ہے؟ کسی حد تک دونوں میں کچھ وزن ہے لیکن یہ دو الگ تنازعات ہیں۔ ان میں کچھ مشترک تو ہے لیکن ان کو کنفیوز کیا جاتا ہے اور عام طور پر جان بوجھ کر۔

اس سیریز کا زیادہ تر موضوع اسرائیل فلسطین تنازعہ ہے جو بڑا اور دیرپا مسئلہ ہے۔ اس کا آغاز تقریباً ایک صدی پہلے کا ہے۔ یہ دو گروہوں کے درمیان نیشلسٹ تحریک کا تنازعہ ہے۔ جب صیہونی اپنی ریاست 1948 میں بنانے میں کامیاب ہوئے تو ایک طرف اسرائیل کی ریاست بن گئی جبکہ دوسری طرف فلسطینی تھے جو بغیر ریاست کے رہ گئے۔ یہ صورتحال ابھی تک برقرار ہے۔ فلسطینی اپنی قومی شناخت، حقِ خود ارادیت، وسائل، زمین کے بارے میں لڑ رہے ہیں۔ تنازعے کا علاقہ 1948 کے فلسطین کے مقابلے میں چھوٹا ہے۔ اس میں مغربی کنارہ، مشرقی یروشلم اور غزہ کی پٹی ہے۔ یہ علاقے اسرائیل نے 1967 میں ہونے والی چھ روزہ جنگ میں حاصل کئے تھے۔

دوسرا تنازعہ اسرائیل اور عربوں کے درمیان ہے۔ یہ الگ لیکن منسلک ہے۔ یہ ریاستوں کے درمیان ہے اور اسرائیل کے قیام کے فوری بعد شروع ہوا۔ تین دہائیوں تک اس کی وجہ سے فلسطین کا تنازعہ پس منظر میں رہا۔ کئی برسوں تک عرب ریاستوں نے اسرائیل کے وجود کے حق سے انکار کیا۔ ان کا موقف اس کو ختم کر دینے کا تھا۔

اس کی ایک وجہ تو فلسطینیوں سے یکجہتی تھی۔ دوسرا عرب نیشنلزم کی آئیڈیالوجی تھی۔ پین عرب ازم (تمام عرب ایک ہیں) ایک وقت میں مقبول رہا تھا۔

عرب ممالک کے اقدامات میں ان کی اپنے مفادات کی ترجیح رہی ہے۔ اور ہر ریاست کی اس بارے میں اپنی پالیسی رہی ہے۔ کچھ کی جارحانہ، کچھ کی مفاہمانہ۔ تمام عرب ریاستوں نے فلسطینی کاز کی سپورٹ کی ہے۔ دہائیوں تک اسرائیل کا بائیکاٹ رکھا ہے۔ کچھ نے جنگ بھی لڑی ہے۔ اس میں اس کے ہمسائے مصر، سیریا اور اردن تھے۔ جبکہ کچھ نے فوجیوں کی ٹوکن سپورٹ دی ہے جس میں لبنان، عراق، الجیریا، مراکش، یمن اور سعودی عرب تھے۔

عرب ریاستوں کی طرف سے فلسطین کی سفارتی اور مالیاتی مدد کی جاتی رہی ہے۔ سب سے زیادہ امداد سعودی عرب کی طرف سے کی جاتی ہے جو سالانہ اربوں ڈالر کی ہے۔ اس کی ایک وجہ سعودی عرب کی عرب اور اسلامی دنیا کی قیادت کی خواہش ہے۔

سعودی عرب کا اسرائیل کے بارے میں رویہ رفتہ رفتہ تبدیل ہوتا گیا ہے۔ ابتدا میں ریاست کے وجود کو مسترد کر دینے سے 2002 میں خود تجویز کردہ امن پلان (Arab peace initiative) تک اس کا موقف خاص تبدیل ہو چکا ہے۔ (اسی پلان کی عرب لیگ اور اسلامی ممالک کی تنظیم نے حمایت کی)۔ اس میں عرب اسرائیل تنازعے کے خاتمے اور اسرائیل سے تعلقات کی مکمل بحالی کے لئے شرائط رکھی گئی تھیں جن میں مقبوضہ علاقوں سے اسرائیلی انخلا، فلسطینی ریاست کا قیام اور مہاجرین کے مسئلے کا منصفانہ حل شامل تھے۔ اس کے مطابق اگر اسرائیل لبنان، سیریا اور فلسطین سے زمین کا تنازعہ حل کر لیتا ہے تو عرب دنیا سے دوستانہ روابط قائم کیے جا سکیں گے۔ اسرائیل نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا لیکن یہ ابھی بھی میز پر ہے۔

نہ صرف سعودی عرب نے امن کی پیشکش کی بلکہ حالیہ برسوں میں اس سے روابط بڑھائے ہیں (اگرچہ تسلیم نہیں کیا)۔ اس کی وجہ ان دونوں کا ایک اور مشترک دشمن ہے جو ایران ہے۔ یہ دکھاتا ہے کہ موجودہ مشرقِ وسطیٰ کی سیاست صرف عرب اسرائیل تنازعے تک محدود نہیں۔ اس کی کئی جہتیں ہیں 1970 کی دہائی کے بعد سے عرب اسرائیل تنازعے کی شدت میں کمی آتی گئی ہے۔

مصر نے اسرائیل سے امن 1979 میں جبکہ اردن نے 1994 میں قائم کر لیا۔ اب صرف لبنان اور سیریا وہ ممالک ہیں جن سے سرکاری طور پر جنگ جاری ہے۔ کچھ ریاستوں نے باقاعدہ تعلقات قائم کر لئے ہیں۔

اگرچہ عرب دنیا میں تعلقات نارمل ہو رہے ہیں لیکن عرب عوامی جذبات فلسطین کی مضبوط حمایت میں ہیں۔

دوسری طرف، ایران اور اسرائیل کے تعلقات خراب ہوتے گئے ہیں۔ کسی وقت میں یہ دونوں ممالک اتحادی تھے لیکن 1979 کے انقلابِ ایران کے بعد ایران کے سرکاری موقف میں فلسطین کاز مرکزی ستون ہے۔ یہ موقف مقامی آبادی کی حمایت کے لئے بھی مفید ہے اور ایران کو اسلامی دنیا میں اپنا اثر وسیع کرنے کا موقع بھی دیتا ہے۔

ایران حزب اللہ اور حماس کی مدد پیسے اور ہتھیاروں کی صورت میں کرتا رہا ہے۔ ایران سیریا میں بشارالاسد کی حکومت کا بھی سخت حامی

رہا ہے۔ سیریا کی خانہ جنگی میں ایران نے بھرپور حصہ ڈالا ہے۔ بشارالاسد کا دفاع کرنے میں ایران اور روس تھے جن کی مدد کے بغیر یہ حکومت برقرار نہ رہتی۔

حزب اللہ، حماس اور سیریا کی یہ مثلث اس وقت اسرائیل کے لئے بڑی تشویش ہے۔

یہ مسلسل تبدیل ہوتی صف بندی بتاتی ہے کہ صف بندی جامد نہیں، وقت کے ساتھ تبدیل ہوتی رہی ہے۔ مسلمان ممالک اس میں فلسطین کاز کے ساتھ ہیں، لیکن حقیقت یہ بھی ہے کہ کسی کا اس مسئلے میں براہِ راست stake نہیں۔ اسرائیل کے ہمسائے، مصر اور اردن، اسرائیل کے ساتھ سرحدی معاملات کا تنازعہ طے کر چکے ہیں۔ ہر ملک کے اپنی ترجیحات ہیں۔ اور یہ اس بات کی اہمیت بتاتی ہے کہ اسے ان کی نگاہ سے دیکھا جائے جو اس میں براہِ راست سٹیک ہولڈر ہیں۔

نوٹ: ساتھ تصویر میں نیلے گہرے سبز رنگ میں وہ ممالک ہیں جن کی اسرائیل سے کم از کم تین جنگیں ہوئی ہیں۔ یہ مصر، سیریا اور عراق ہیں۔ ہلکے سبز میں وہ ممالک جن کی کم از کم ایک جنگ ہوئی ہے۔ اس میں لبنان اور اردن ہیں۔

سوالات و جوابات

HusnainAli

کیا سعودی عرب اب بھی فلسطینیوں کی مالی مدد کر رہا ہے؟ کیا پین ارب ازم اور پین اسلام ازم دن بدن کمزور ہو رہے ہیں؟

WaharaUmbakar

جی، بالکل کر رہا ہے۔ فلسطینی علاقوں میں انفراسٹرکچر کی تعمیر، مہاجرین کی سپورٹ اور فلسطینی اتھارٹی کی مالیاتی مدد وغیرہ میں سب سے بڑا حصہ سعودی عرب کا ہوتا ہے۔

پین عرب ازم اور پین اسلام ازم مقابلے پر تھے۔ ایک وقت میں یہ مصر بمقابلہ سعودی عرب کا معاملہ تھا۔ پین عرب ازم کے بڑے سپورٹر جمال عبدالناصر تھے جبکہ پین اسلام ازم کے شاہ فیصل۔ پین عرب ازم سیکولر آئیڈیولوجی تھی۔ اسرائیل سے عسکری شکستوں کے نتیجے میں بڑی حد تک ختم ہو گئی۔ پین اسلام ازم اس سے زیادہ دیر تک رہا۔

ZeeshanAhmad

sir if you have time and write about pan Islamism I would be highly thankful to you.... Write about their origin, countries which support I means a brief introduction of it. Thanks

WaharaUmbakar

مندرجہ ذیل آرٹیکل میں پین اسلام ازم کی وجہ اور شروعات کا مختصر سا ذکر ہے

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1937507446351855/

MasoodAliThahim

سر کیا اسامہ بن لادن ایک حقیقت تھا یا افسانہ 9/11 اور دوسرے انتھا پسند حملے سچ ہیں یا جھوٹ۔۔اس پر آپکا کوئی آرٹیکل ھو تو ممنون رہونگا۔

WaharaUmbakar

اس پر پوری سیریز تھی جس کی اکثر اقساط فیس بک نے ہٹا دیں، بلاگ میں موجود ہیں۔اگر گوگل پر "خرطوم سے جلال آباد" پر سرچ کریں تو میرے بلاگ میں اس پر ایک قسط مل جائے گی۔

(اس میں جھوٹ ہونے کا تو کوئی مطلب ہی نہیں۔یہ تاریخی واقعات اور تاریخی کردار ہیں)

قدرت سہیلی

اور اب؟؟کیا پین عرب ازم اور پین اسلام ازم دونوں ختم ہو گئے ہیں؟؟

WaharaUmbakar

پان عرب ازم تو بہت پہلے ختم ہو گیا تھا۔(مصر اور سیریا نے آپس میں ملکر ریاست بنانے کا تجربہ کیا تھا جو بہت جلد ناکام ہو گیا)۔پان اسلام ازم (الوحدۃ الاسلامیہ) کسی وقت میں مقبول رہا تھا۔اس کے آخری بڑے سپورٹرز میں روح اللہ خمینی تھے جن کی نظر میں تمام اسلامی امہ کو اکٹھا ہو جانا چاہیے تاہم اس کی قیادت شیعہ تھیوکریسی کرے۔لیکن اب ایسا تصور کہیں پر بھی نہیں۔

قدرت سہیلی

شکریہ سر، لیکن اتحاد ملت اسلامیہ کا نعرہ ہمارے ملک میں تو ابھی بھی مقبول ہے۔کیا ایسا پریکٹکلی ممکن ہے کہ مسلمہ امہ کبھی متحد ہو جائے؟

WaharaUmbakar

ایسا نعرہ عام لوگوں میں تو مقبول ہو سکتا ہے لیکن کبھی بھی سنجیدہ پالیسی کے طور پر نہیں سنا ہو گا۔

پاکستان کے چار ہمسائے ہیں۔ان میں سے دو ممالک وہ ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔تیسرا ملک وہ ہے جو مسلمانوں کی تعداد

کے حساب سے انڈونیشیا کے بعد دنیا کا دوسرا سب سے بڑا ملک ہے۔

پاکستان کے ان تینوں ہمسائیوں سے تعلقات مشکلات کا شکار رہے ہیں۔اور بہترین تعلقات چوتھے ہمسائے سے ہیں۔

اس وقت سیریا، یمن، لیبیا میں مختلف مسلمان ممالک کی بڑی خونی پراکسی وارز جاری ہیں۔

نہیں، اتحاد تو بالکل بھی ممکن نظر نہیں آتا۔

AnjumGillani

فلسطینی اتھارٹی سے کیا مراد ہے.....؟؟؟ مطلب فلسطینی علاقوں کے انتظام و انصرام کا طریقہ کیا ہے.....کیا وہاں بھی حکومتی عہدے بیوروکریسی اور انٹلی جنس نیٹ ورک موجود ہیں.....کیا وہ بھی کوہی ریاستی ماڈل ہے.....؟؟؟؟

WaharaUmbakar

فلسطینی اتھارٹی کو فلسطینی شہری علاقوں پر سیکورٹی اور سول اختیارات ہیں۔ دیہی علاقوں پر سول اختیارات ہیں (یعنی پولیسنگ کا اختیار اسرائیل کے پاس ہے) جبکہ اسرائیلی بستیوں پر اختیار نہیں۔

موجودہ چیئرمین محمود عباس ہیں تاہم اس کا کنٹرول مغربی کنارے تک محدود ہے۔غزہ پر حماس کا کنٹرول ہے۔

WãqãrAhmãd

سر آپ نے اسرائیل فلسطین تنازعہ کی ابتداء 1948 سے کی، کیا اس تنازعے کا ابتدائی مرحلہ 1948 ہی ہے؟

WaharaUmbakar

اس سے پہلے سے ہے اور اس کی تاریخ کا ذکر آئندہ اقساط میں ہو گا۔اس قسط میں تو صرف فریقین سے تعارف تھا۔

SaleemJamali

سر حماس کب وجود پزیر ہوئی؟ اس پر کچھ بتائیں

WaharaUmbakar

یہ 1987 میں قائم ہوئی تھی۔اس کا ذکر سلسلے میں بعد میں آئے گا۔

ArshidCh

سر حزب اللہ اور حماس میں کیا فرق ہے۔

WaharaUmbakar

حزب اللہ لبنان میں ہے اور شیعہ تنظیم ہے۔حماس فلسطین میں ہے اور سنی تنظیم ہے۔

MehranBlouch

سر ایران سیریا میں بشار الاسد کا حامی کیوں رہا ہے اور دوسرا سوال سعودی عرب اب اسرائیل کے لئے جو تھوڑا جھکاؤ رکھتا ہے اسکی وجہ ایران دشمنی تو نہیں ؟

WaharaUmbakar

ایران کی بشار الاسد کا ساتھ دینے کی ایک وجہ تو شیعہ سنی تقسیم ہے۔

سعودی عرب میں شاہ سلمان فلسطین کاز کے بڑے سپورٹر رہے ہیں۔ 2002 میں انہوں نے ہی ایک سرخ لکیر کھینچی تھی کہ اسرائیل سے تعلقات فلسطینیوں کو الگ کر کے بہتر نہیں ہو سکتے۔ تاہم شاہ سلمان اب بوڑھے ہیں اور امورِ حکومت سے باہر ہیں۔ اگلی جنریشن اس مسئلے سے ایسی جذباتی وابستگی نہیں رکھتی۔ سعودی عرب کے لئے بڑا سر درد ایران ہے۔ اور سخت اینٹی اسرائیل پوزیشن میں لچک کی یہ وجہ ہے۔

قدرت سہیلی

شکریہ سر۔۔ سر اکثر کہا جاتا ہے کہ اسرائیل امریکہ سمیت ساری دنیا کو کنٹرول کر رہا ہے۔ اس میں کیا تھوڑی بہت سچائی ہے

وسیم شاہ

کم سچائی ہے اصل سچائی یہ ہے۔ الومیناٹی اور فری میسن یہ یہودی ہیں جو امریکہ میں واقع ہے وہی کنٹرول کرتے ہیں وہی اسرائیل کو بھی چلاتے ہیں

WaharaUmbakar

آپ کی انفارمیشن درست نہیں ہے۔

وسیم شاہ

ہمارا گروپ ہے جہاں یہودیوں کی سرگرمیوں کے حوالے سے پوسٹیں ہوتی رہتی ہے۔

WaharaUmbakar

مجھے آپ کی بات پر یقین ہے اور ایسے کئی گروپس ہوں گے۔ مجھے اس پر بھی یقین ہے کہ آپ ایسی انفارمیشن پر اعتبار کر گئے ہوں گے۔ صرف یہ کہ جو سٹیٹمنٹ آپ نے لکھی، وہ درست نہیں۔

وسیم شاہ

ان فلسطینیوں نے اپنے زمینیں یہودیوں کو بیچ کر غلطی کی

WaharaUmbakar

کونسے فلسطینیوں نے اپنی زمینیں بیچی تھیں؟

وسیم شاہ

یہ عرب لکھاریوں کا دعویٰ ہے ان زمینیں کی قیمت بہت زیادہ لگائی گئی تو فلسطینیوں نے اپنے زمین فروخت کی۔۔

WaharaUmbakar

آپ کی یہ بات تو درست ہے کہ جیوش فنڈز نے یہاں کے کچھ بڑے جاگیرداروں سے زمینیں خریدی تھیں۔
یہ بزنس ٹرانزیکشن تھی۔ ایک فرد کے پاس زمین ہے۔ خریدار نے اس کی اچھی قیمت لگائی ہے۔ سودا قانون کے مطابق ہے۔ وہ اسے کیوں فروخت نہیں کرے گا؟
اس کے علاوہ زیادہ تر جاگیردار بیروت اور دمشق میں رہائش پذیر تھے۔ آج کے فلسطین میں نہ ہی وہ ہیں اور نہ ہی ان کی اولاد۔

SaleemJamali

سر نقشہ میں اسرائیل اور فلسطین کا ایریا نیلے رنگ میں یا جو نیلے رنگ کہ گرد ایک سبز رنگ کا نقشہ ہے وہ فلسطین ہے؟

WaharaUmbakar

جی۔ نیلے رنگ کے اندر جو سبز علاقہ ہے، وہ فلسطین ہے۔ اس میں چھوٹا سا حصہ سمندر کے کنارے مصر کی سرحد کے پاس نظر آ رہا ہو گا، یہ غزہ ہے۔ جبکہ دوسرا حصہ اردن کی سرحد کے پاس۔ یہ مغربی کنارہ ہے۔

SaleemJamali

یہ نقشہ 1948 کا ہے یا بعد میں اسرائیل کہ کنٹرول میں آئے فلسطینی علاقے

WaharaUmbakar

یہ سرحدوں کا موجودہ نقشہ ہے۔

ShafiqAhmad

فلسطین کا اڑتالیس کا نقشہ لگا سکتے ہیں؟

WaharaUmbakar

ساتھ لگے نقشے میں نیلے میں وہ حصہ ہے جو پلان کے مطابق اسرائیل کا حصہ ہونا تھا۔ سرخ میں وہ ہے جس پر 1949 کی جنگ بندی کے بعد باؤنڈری بنی۔ (یروشلم کو الگ رنگ سے دکھایا گیا ہے کیونکہ اس نے نہ ہی فلسطین کے پاس جانا تھا اور نہ ہی اسرائیل کے پاس)

WaqarKanwal

کیا اسرائیل و فلسطین اور القدس و ہیکل پر رسہ کشی یا کنعان کی قدیم زمین اور یروشلم پر مسلمانوں اور یہودیوں کا دعویٰ تہذیبوں کے تصادم کا ایک ممکنہ ٹریگر ہو سکتا ہے؟

WaharaUmbakar

ایسا کوئی امکان تو نہیں لگتا۔اس تنازعے کی جو شدت 1970 اور 1980 کی دہائی میں تھی، وہ تو بہت حد تک ختم ہو چکی ہے۔

WaqarKanwal

سر جیسے استنبول کی حالیہ فتح کا جشن ترکی میں منایا گیا اور یورپ نے قدیم رومن ایمپائر کا حصہ ہونے پر انہدام کا دکھ منایا اور ترکوں کو وحشی اجڈ قرار دیا تو کیا مستقبل میں ہاجیہ صوفیہ و یروشلم تہذیبوں کے تصادم کے فالٹ لائنز نہیں بن سکتے
کیونکہ دو مختلف تہذیبیں اسے اون کرتی ہیں

WaharaUmbakar

کسی علاقے میں درجن بھر انتہا پسند افراد بھی ہوں تو صرف چٹپٹی ہیڈلائنز بن کر توجہ حاصل کرتے ہیں، اس لئے خبر بنتے ہیں۔اس سے زیادہ نہیں۔ہاجیہ صوفیہ پر کسی قسم کا تنازعہ نہیں ہے۔
البتہ، یروشلم، مغربی کنارے اور غزہ پر ایک بڑا غیر حل شدہ تنازعہ ہے جو دہائیوں پرانا ہے۔اس تنازعے کا تعلق تہذیبوں سے نہیں ہے۔

AsadAli

Sir iran or saudi arabia q aik dusry se nafrt krty?
Or hmaas chun'ky sunni tanzeem hy to Phir iran uski hamayt q krta?

WaharaUmbakar

کسی وقت میں یہ دونوں ممالک دوست ہوا کرتے تھے۔جب 1973 میں امریکہ کے خلاف تیل کا ہتھیار استعمال کیا گیا تھا تو اس میں سعودی عرب اور ایران اتحادی تھے۔
پھر ایران میں 1979 میں انقلاب آیا جبکہ اسی سال سعودی عرب نے حرم شریف پر قبضے کے واقعہ کے بعد پالیسی تبدیل کی۔اس سال دونوں ممالک میں قدامت پسند گروہوں کے پاس پاور آگئی اور یہ ایک دوسرے سے بہت قدیم عرصے سے اختلاف رکھتے تھے۔
سعودی عرب اور ایران تعلقات اچانک خراب نہیں ہوئے۔ابتدا میں طویل اور خونی ایران عراق جنگ ہوتی رہی۔اس کی وجہ سے ایران کا ایک کاونٹر ویٹ موجود تھا۔خلیج جنگ کے بعد یہ ختم ہو گیا۔اور تنازعہ براہِ راست آ گیا۔

تاہم، حالات میں سب سے زیادہ ابتری دس سال سے ہے اور اس کی وجہ عرب بہار کے نتیجے میں کئی ممالک کا غیر مستحکم ہونا تھا۔ اور اس میں سعودی عرب اور ایران کے پسندیدہ گروپ الگ الگ تھے اور ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ خاص طور پر سیریا اور یمن میں۔ اور کسی حد تک لبنان میں۔ یہ جاری خونی جنگ اپنی پراکسیز کے ذریعے ہے۔

حماس اور ایران میں مشترک قدر مشترک دشمن ہے۔

SadoonKhan

کیا دنیا بھر سے یہودیوں کا اکٹھا ہو کر عرب کے ایک ٹکڑے پر ریاست قائم کرنا کوئی جائز عمل تھا؟

وہ کسی غیر آباد جزیرے کا انتخاب بھی تو کر سکتے تھے؟

WaharaUmbakar

دنیا بھر سے یہودی یہاں اکٹھے کیوں اور کیسے ہوئے؟ اس پر آئندہ کی اقساط میں۔۔۔

کیا کوئی اور متبادل جگہ تھی؟ ایک اور جگہ کینیا میں تھی۔ صیہونی تحریک کے بانی ہرزل نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ اس کی تفصیل بھی آئندہ کی اقساط میں۔۔۔

AbdulRaufKhan

قرآن مجید کے مطابق موسی علیہ السلام نے یہودیوں کو مصر سے لا کر فلسطین میں آباد کیا تھا جہاں اسرائیل کے بعد میں آنے والے انبیاء کا نزول بھی ہوتا رہا اور یہودیوں کی مقدس عبادت گاہ ہیکل سلیمانی (حضرت سلیمان کے ہاتھوں بنائی گئی) بھی یروشلم میں واقعہ ہے۔۔ تو اس سب کو مد نظر رکھتے ہوئے یہودیوں کی یہاں آباد کاری کی کیا حیثیت ہے؟

WaharaUmbakar

فلسطین کے مسئلے کا حضرت موسٰی کے دور سے کوئی تعلق نہیں۔

SabaAijaz

Sir Wahara Umbakar Can you kindly explain the difference between Jewish, Judaism and Zionism?

WaharaUmbakar

اسرائیلی، یہودی، صیہونی، فلسطینی کی اصطلاحات پر تفصیل سے بات انشاء اللہ آئندہ والی اقساط میں. (ان میں تھوڑی سی پیچیدگی ہے۔)

WaqarKanwal

سر کیا ارجنٹائن بھی زیر غور تھا

WaharaUmbakar

ارجنٹینیا بھی زیرِ غور تھا۔لیکن برٹش حکومت کی طرف سے باقاعدہ پیشکش کینیا میں ماو اسکارپمنٹ کے مقام پر زمین کی ہوئی تھی۔اور چھٹی صیہونی کانگریس میں اسے تحریک کے بانی ہرزل نے کانگریس ممبران کے آگے پیش کیا گیا۔

Zakir Ullah

Bae ap ne baitulmuqaddas ki sarzameen islam aor muslim ummah se 1 alag masala pesh kea hai.jo sarasar ghalat hai.agr yahodio ki yaha rehnai ka haq ta ya hai. tu pir hazrat umar.r.a ne yahodio ko waha sr keo nekala.halanki sahaba ne jetne ilaqai fatah je ti tu oss ki bashandai kabi nehai nekalai hai.sewae jews ki.istarah salahuddin ayubi ne Palestine ko keo fatah karna itna azeem samajta ta iss ki ahmiyat makkah aor madina jaisa hai

WaharaUmbakar

اس پوسٹ کی انفارمیشن فلسطینی نکتہ نظر سے پیش کی گئی ہے۔اور یہ پرانی تاریخ پر نہیں، حالیہ مسئلے کے بارے میں ہے۔اگر لکھے ہوئے مواد میں کہیں پر کوئی غلطی ہے تو نشاندہی کر دیجئے۔

WajidRaza

سر کیا عرب اسرائیل جنگ میں پاکستان کی شمولیت عسکری یا کسی بھی اور حوالے سے رہی ہے کہ نہیں؟

WaharaUmbakar

پاکستانی کی طرف سے ان پائلٹوں نے 1967 اور 1973 کی جنگ میں حصہ لیا تھا جو اس وقت عرب افواج کی تربیت کے لئے تعینات تھے۔ان میں سیف الاعظم نے شہرت پائی۔ان کی مختصر کہانی:

سیف الاعظم کا تعلق بنگال سے تھا اور 1965 کی جنگ میں انڈیا کا ایک طیارہ مار گرایا تھا۔(اس پر انہیں ستارہ جرات ملا تھا)۔1967 کی عرب اسرائیل جنگ میں انہوں نے ایک مشن اردن فضائیہ کی طرف سے کیا جس میں ایک اسرائیلی طیارہ گرایا۔اردن فضائیہ کے ناکارہ ہو جانے کے بعد اگلے روز انہوں نے عراق فضائیہ کی طرف سے مشن کیا جس میں انہوں نے دو اسرائیلی طیارے گرائے۔اس پر انہیں اردن اور عراق کی طرف سے جرات کے ایوارڈ ملے۔(امریکہ کی طرف سے انہیں بعد میں دنیا کے بیس بہترین پائلٹس کا ایوارڈ دیا گیا)

تین ممالک کی فضائیہ کی طرف سے دو ممالک کے طیارے گرانے والے سیف الاسلام کو پانچ ممالک سے اعزازات ملے۔

بعد میں بنگلہ دیش کی سیاست میں حصہ لیا اور پارلیمنٹ کے ممبر بنے۔ان کا انتقال پچھلے سال جون میں سی ایم ایچ ڈھاکہ میں ہوا ہے۔

UsamaZubair

شاید یہی وجہ تھی کہ ایم ایم عالم کو 71 کی جنگ میں حصہ نہیں لینے دیا کیونکہ سیف الاعظم بنگلہ تحریک سے جڑ گئے ہوں گے۔۔۔

WaharaUmbakar

بنگلہ دیش کی آزادی کی جنگ پاکستان آرمی اور بنگلہ دیش آرمی کے درمیان لڑی گئی تھی۔

بنگلہ دیش آرمی میں بہت سے افسران تھے جنہوں نے 1965 میں حصہ لیا تھا۔ بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان کرنے والے ضیاء الرحمان کو کھیم کرن محاذ پر غیر معمولی جرات دکھانے پر ہلالِ جرات ملا تھا۔ مکتی باہنی کے چیف کمانڈر (جو بنگلہ دیش کی آزادی کے بعد بنگلہ دیش آرمی کے کمانڈر انچیف بنے) کرنل عثمانی، یحیٰی خان اور ٹکا خان کے ساتھ جی ایچ کیو میں تھے۔

ShafiqAhmad

پانچواں ملک کون سا ہے ایوارڈ دینے والا؟

WaharaUmbakar

پاکستان، بنگلہ دیش، اردن، عراق، امریکہ

AyyanShakeelFiroz

سر کیا اسرائیل یورشلم پر تنہا گرفت رکھنا چاہتا ہے۔ یا وہ آزاد یورشلم پہ اتفاق رکھتا ہے۔

WaharaUmbakar

اسرائیل میں مختلف جماعتوں کے اس حوالے سے مختلف موقف ہیں۔ لیکود پارٹی (جس سے موجودہ وزیرِاعظم کا تعلق ہے) تمام شہر کو اسرائیل کا حصہ کہتی ہے۔

AkramSandhu

سر اس معاملے میں مذہبی الہامی کتابوں میں موجود پیشین گوئیوں کو اس مسئلہ کے تناظر میں نے دیکھا جا سکتا ہے

WaharaUmbakar

نہیں۔

AzharNazir

تھوڑا اگر کبھی تحریر فرمادیں کہ اسرائیل کو پاکستان کے نیوکلیئر ڈیٹرنس سے زیادہ تکلیف ہے یا انڈیا و امریکہ کو توعین نوازش

WaharaUmbakar

انڈیا کو۔

نیشنلزم

اسرائیل کی آبادی نوے لاکھ کے قریب ہے جبکہ فلسطین کی پچاس لاکھ کے قریب۔ اسرائیل اور اس کے ہمسائیوں کی جنگوں میں اب تک ڈیڑھ لاکھ ہلاکتیں ہو چکی ہیں۔ یہ بہت ہی افسوسناک ہیں لیکن دنیا میں ہونے والی بڑی جنگوں کے مقابلے میں یہ اتنی بڑی تعداد نہیں۔
ایران اور عراق کی جنگ میں ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد پانچ سے دس لاکھ کے بیچ تھی۔ سیریا اور یمن کی خانہ جنگی کے نتیجے میں دس سال میں یہ تعداد ساڑھے چھ لاکھ کے قریب ہے۔ بوسنیا میں یہ ڈھائی لاکھ تھی جبکہ روانڈا کے قتلِ عام میں پانچ سے آٹھ لاکھ۔
تاہم اپنی سیاسی اہمیت کے حوالے سے پچھلے ستر برسوں میں یہ تنازعہ دنیا میں صفِ اول پر رہا ہے اور اس کی جڑیں اس سے زیادہ پرانی ہیں۔ سوال یہ رہا ہے کہ فلسطین کے علاقے کا کنٹرول کس کے پاس رہے گا۔ یہ جدوجہد دو نیشنلسٹ تحریکوں کو آمنے سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔
نیشلسٹ بیانیے میں اپنی مرضی کی تاریخ اہم ہوتی ہے۔ اور اسرائیل کا قومی بیانیہ اس حوالے سے خاصی "دلچسپ غلطیاں" رکھتا ہے۔ آرکیولوجی کو اسرائیل کی قومی کھیل کہا جاتا ہے جس سے یہ بیانیہ ترتیب دینے میں مدد لی جاتی ہے۔
فلسطین میں بھی بے بنیاد تاریخ کی کمی نہیں۔ رعنان کہتے ہیں کہ "قومی یادوں میں غم اور دکھ فتوحات سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ آپ پر ذمہ داری عائد کرتے ہیں اور مشترک جدوجہد کا تقاضا کرتے ہیں"۔ دونوں طرف سے انتہاپسند اس مسئلے کو چار ہزار سال پہلے لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ غلط ہے۔ اس کی تاریخ انیسویں صدی کے آخر میں شروع ہوتی ہے۔ (اس سے پہلے یہاں پر کوئی تنازعہ نہیں تھا)۔
انیسویں صدی سے قبل دنیا میں سیاسی تنظیم کا طریقہ یا تو چھوٹی سائز کی ریاست تھی (شہری ریاست یا جاگیر) یا بڑے سائز کی سلطنت۔ سلطنت آج کے سیاسی نظام سے خاصا مختلف طریقہ تھا اور ان کی تین بڑی خاصیتیں تھیں۔
اول تو یہ کہ سلطنت شہریوں کی روزمرہ زندگی میں مداخلت نہیں کرتی تھی۔ شہریوں سے دو تقاضے ہوتے تھے۔ وہ بغاوت نہیں کریں گے اور ٹیکس دیتے رہیں گے۔ اس ٹیکس سے افواج، بیوروکریسی اور شاہی شان و شوکت فنڈ ہوتی تھی۔ سلطنت کی سرحد وہ تھی جہاں سے وہ ٹیکس یا خراج اکٹھا کر سکتی تھی۔
دوسرا یہ کہ ان ریاستوں پر اشرافیہ کی گورننس ہوتی تھی۔ یہ اشرافیہ عوام سے الگ زبان، الگ نسل اور الگ مذہب کی بھی ہو سکتی تھی مثلاً، عثمانی سلطنت میں ترکی بولنے والی مسلمان اشرافیہ نے عرب، یونان، آرمینیا جیسے علاقوں پر حکومت کی۔ عوام میں عرب، سلاو،

کرد شامل تھے۔ کرسچن، یہودی، سنی اور غیر سنی مسلمان شامل تھے۔

تیسرا یہ کہ سلطنتیں کسی طرح کی مشترک قومی شناخت بنانے کی کوشش نہیں کرتی تھیں۔ ایک زبان یا ایک کلچرل معیار یا ایک تعلیمی نظام بنانے میں دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔ کیوں؟ اس کی ایک عملی وجہ تھی۔ جدید مواصلاتی نظام، ٹرانسپورٹ، عسکری ٹیکنالوجی سے پہلے مرکزی کنٹرول کمزور تھا۔ استنبول میں سلطان کا انحصار صرف بغداد یا دمشق وغیرہ کے مقامی لیڈر پر ہوتا تھا۔ اس سے آگے عوام پر زیادہ نہیں۔ وفاداری سلطان یا امیر سے ہوتی تھی۔ شخص یا خاندان سے وفاداری کے بجائے ریاست سے وفاداری کی جدت بعد میں ہونے والی سوشل ایجاد ہے جو معاشرے کو منظم کرنے کے بہت مفید ثابت ہوئی، اور اس سے جدید ریاست کا تصور نکلا۔

(آج کی دنیا میں شخص، خاندان، پارٹی، ادارے وغیرہ کی حمایت تو کی جاتی ہے لیکن اطاعت اور وفاداری کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ یہ سلطنتوں کے جانے کے بعد، اقدار کی تبدیلی کی وجہ سے ہے)۔

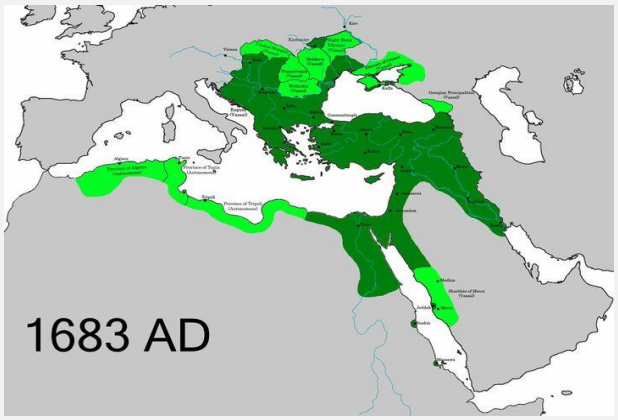

اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ آبادی کے لئے ڈسپلن، یکساں قانون، پولیس، تعلیمی نظام، مستقل آرمی، قومی معاشی پلاننگ جیسی جدتوں کے آنے کے ساتھ معاشروں میں بنیادی تبدیلیاں آنے لگیں۔

ان میں سے ایک معاشروں کی شناخت کی یکجائی کی تھی۔ اس سے ہونے والا نتیجہ نیشنلزم کا کلچر ابھرنے کا تھا۔ یعنی وہ حالات پیدا ہوئے جن میں نیشنلزم آ سکتا تھا۔ لیکن کسی خاص نیشنلزم کے لئے کوئی قومی بیانیہ درکار ہے۔ اور ایسے لوگ درکار ہیں جو اس کی تخلیق کریں۔ نیشنلزم نیشن بناتا ہے، نہ کہ اس کا برعکس ہوتا ہے۔

نیشنلزم یورپ سے نکلا اور کالونیل دور میں باقی دنیا تک پھیلا۔ کئی سلطنتوں تک یہ نیا ماڈل پہنچا، جن میں عثمانیہ سلطنت، آسٹرین سلطنت اور روسی سلطنت بھی تھیں۔

جہاں پر ایک طرف اس نے بڑی سلطنتوں کو منظم کرنا آسان کر دیا، وہاں پر دوسری طرف اس کی وجہ سے سلطنت کا اپنا تصور کمزور پڑنے لگا۔ "اگر وفاداری ریاست سے ہے، نہ کہ امیرِ ریاست سے تو امیر تبدیل بھی ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ تبدیل ہو سکتا ہے تو یہ ہماری مرضی کا بھی آ سکتا ہے؟"۔

نیشنلزم کا یہ وہ "خطرناک تصور" تھا جس نے صدیوں سے قائم سیاسی تصورات الٹا دئے۔ یکے بعد دیگرے سلطنتیں کمزور پڑ کر گرنے لگیں، ملک بننے لگے۔ آسٹرین سلطنت ٹوٹ کر دس ملکوں میں بٹ گئی۔

سوالات و جوابات

NishatGurmani

,OnPalestine بھی ایک اچھی کتاب ہے ہم کوشش کرینگے اس کتاب اور اس پر دی گئ رائے پر لکھیں۔

WaharaUmbakar

یہ بھی اچھی کتاب ہے، اگرچہ تاریخی سے زیادہ opinionated ہے۔

AzharNazir

مسلمانوں کا قبلہء اول سے جذباتی لگاو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وصلعم کا وہاں سے معراج پر جانا اور صیہونیوں کا اسکو ترتیب وار انداز میں گرا کر وہاں دوبارہ ہیکل سلیمانی کی تعمیر کی کوششیں ہر مسلمان کو روحانی گزند اور اسکے نتیجے میں ھونے والا world wide reaction بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر ڈالتا ھے. پھر یہ کہ پاکستان سرکاری سطح پر عربوں و اسرائیلیوں کو باور کروانے کی کوشش میں لگا رھتا ھے کہ نیوکلیئر ڈیٹرنس لوکال ھے اور انڈیا specific ھے مگر موساد و سسرائیلیوں کی تیاریاں اس سارے پروگرام کو تہہ تیغ کرنے کی بر سر عام آہی جاتی ھیں تو میں خود اکثر یہ سوچتا ھوں کہ اسرائیل کو اس dettrence سے اصل اور اندرونی تکالیف کیا کیا ھیں ؟؟

WaharaUmbakar

ایسا کہہ لیں کہ پاکستانی خود کو اس سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں جتنا کہ وہ ہیں۔ اور یہ بالکل نارمل بات ہے کیونکہ ہم دنیا کو اپنی نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ پاکستان ہم سب کو بہت عزیز ہے اور اپنے خطے کا اہم ملک ہے۔ جہاں تک اسرائیل فلسطین کے معاملے کا تعلق ہے تو ہم سب اس سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔ عملی طور پر اس سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ (یہ علاقہ بہت دور ہے)۔

AzharNazir

میرا کچھ ذاتی سا experience ھے کہ پاکستان کے بار بار باور کروانے کا باوجود کچھ اسرائیل کے لوگوں کو پڑھایا یا سکھلایا جاتا ھے پاکستان کا نیوکلیئر پروگرام ساری دنیا کیلیئے خطرہ ھے، کہوٹہ شر پسندی کا مرکز ھے اور osirak کی طرح اسرائیل کا اسکو تباہ کر دینا بنیادی حق بھی خواہ انڈیا کے تعاون سے ھی کیوں نہ ھو. اور حملہ مقبوضہ کشمیر کی طرف سے ھی کیوں نہ ھو. کہوٹہ کی لوکیشن و activities بارے میری اتنی info نہیں تھی جتنی اسرائیلی کی حالانکہ 3 سال کی compulsory service کی تھی IDF گراونڈ فورسز کی مگر یا پھر مجھ سے جھوٹ بول گیا شاید سروس IAF کی ھو؟؟

WaharaUmbakar: جی، آپ سے جھوٹ بولا گیا ہے۔

AzharNazir

That means KRL is a threat to IAF and a viable target too. Pilots are being trained .

WaharaUmbakar

پاکستان کے نیوکلئیر ہتھیار کہوٹہ لیبارٹری میں نہیں ہیں۔اس پر حملہ کرنے کا کسی کا کوئی منصوبہ نہیں کیونکہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔

AzharNazir

Capping or roll back efforts??

WaharaUmbakar

پاکستان نے بڑے مشکل حالات میں نیوکلئیر ہتھیار حاصل کئے ہیں۔اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ اس کو یکطرفہ رول بیک کیا جائے۔

AzharNazir

بات یہ چل رھی ھے کہ پاکستان کے انڈیاSpecific deterrent سے اسرئیل کو کیا خطرہ ھے پاکستان کے باور کروانے کے باوجود کہ یہ انڈیا سپیسیفک ھےIAF pilots. صرف اھداف اور اشارے کے منتظر ھیں پاکستان کے اندر.
کیونکہ عراق والے تجربے سے کافی شہہ پکڑ گئے ھیں

WaharaUmbakar

"صرف اھداف اور اشارے کے منتظر ھیں پاکستان کے اندر. کیونکہ عراق والے تجربے سے کافی شہہ پکڑ گئے ھیں"
جب اگلی بار کوئی اس قسم کی "انفارمیشن" دے تو اس سے پوچھ لیجئے گا کہ اس نے یہ کیسے حاصل کی۔
(جھوٹ سے محفوظ رہنا اور اس کو آگے نہ پھیلانا ہماری ذمہ داری ہے)
اسرائیل نے عراقی نیوکلئیر ری ایکٹر پر 1981 میں حملہ کیا تھا۔(عراق اور اسرائیل کی آپس میں تین جنگیں ہو چکی ہیں)۔انڈیا نے بھی اسی دور میں کی بنیاد پر پلان کیا تھا۔(ایسے درجنوں پلان بنائے جاتے ہیں)۔
جب تک کسی نے نیوکلئیر ہتھیار ڈویلپ نہیں کئے، تب تک نیوکلئیر فیسلٹی کو نقصان پہنچا کر پروگرام کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔اس کے بعد نہیں۔ پاکستان عراق نہیں ہے۔اس کے پاس سینکڑوں نیوکلئیر ہتھیار ہیں۔اور نہ ہتھیار کہوٹہ میں نہیں ہیں۔نہ ہی ایک جگہ پر ہیں اور نہ ہی سارے زمین پر ہیں۔اگر کسی نے بتایا ہے کہ طیارے بمباری کے لئے کھڑے ہیں تو یہ چالیس سال پہلے کہا ہوتا تو ٹھیک۔آج کے لئے نہیں۔ بہرحال، اس ٹاپک کا سیریز سے دور دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔اب اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

SamiaBano

آسٹریا کی سلطنت سے کونسے ملک وجود میں آئے

WaharaUmbakar

اس سے جو ریاستیں بنی تھیں، وہ جرمن آسٹریا، ہنگری، چیکوسلواکیہ، پولینڈ، سرب، سلوانیا، کروشیا، بکووینا، ٹرانسلوینا اور باناٹ تھیں۔

SaleemJamali

سر کیا نقشے میں سبز اور ہلکے سبز رنگ عثمانیہ سلطنت کی حدود بیان کرتی ہیں؟

WaharaUmbakar

جی۔ گہرے سبز رنگ میں وہ علاقہ ہے جہاں براہِ راست حکومت تھی جبکہ ہلکے سبز رنگ میں وہ جہاں پر باجگزار ریاستیں تھیں

SaleemJamali

کالونیل دور کونسا تھا؟ اور آسٹرین سلطنت کی وہ دس ممالک کونسے ہیں؟

WaharaUmbakar

کالونیل ازم وسیع اصطلاح ہے جس کو کئی طرح کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ قدیم ہے۔ لیکن عام طور پر اس سے مراد مغربی کالونیل دور لیا جاتا ہے جب یورپیوں نے بڑے پیمانے پر ایسا کرنا شروع کیا۔ یہ پندرہویں صدی سے لے کر بیسویں صدی کے وسط تک رہا۔ آسٹرین سلطنت سے نکلنے والی ریاستیں جرمن آسٹریا، ہنگری، چیکوسلواکیہ، پولینڈ، سرب، سلوانیا، کروشیا، بکووینا، ٹرانسلوینا اور باناٹ تھیں۔

SaleemJamali

اِن دس ریاستوں میں آسٹرین سلطنت کا دارالحکومت کونسا رہا؟ جیسا کہ عثمانیہ سلطنت کا دارالحکومت ترکی ریاست تھی

WaharaUmbakar

عثمانیہ سلطنت کا دارالحکومت ترکی نہیں تھا۔ ترکی نام کی ریاست جنگِ عظیم اول کے بعد وجود میں آئی۔ عثمانیہ سلطنت کا دارالحکومت استنبول تھا۔ آسٹرین سلطنت کا دارالحکومت ویانا تھا۔

SaleemJamali

ویانا اس وقت کس ریاست کا حصہ ہے

WaharaUmbakar

ویانا اس وقت آسٹریا کا شہر ہے۔

گیانچند میگھواڑ

Sir could you please elaborate the difference between nationalism and patriotism? And which one is better?

WaharaUmbakar

پیٹریاٹ اسے کہتے ہیں جو اپنے ملک سے محبت یا وفاداری دکھائے۔

نیشلسٹ کا مطلب اپنے قومی مفاد کو باقیوں کے قومی مفاد سے الگ رکھ کر دیکھنے کو کہا جاتا ہے۔

گیانچند میگھواڑ

اگر ہمیں کسی چیز سے دل سے محبت اور وفاداری ہے تو یہ لازم نہیں بنتا کہ ہم اس کے مفاد کے لئے کام کریں ؟

WaharaUmbakar

لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔اگر لوگوں کو اپنے گروہ سے لگاؤ نہ رہے تو گروہ ختم ہو جاتے ہیں۔اس وجہ سے حب الوطنی اور نیشنلزم کو دنیا بھر میں اچھی صفت سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ جو لوگ محبِ وطن نہیں ہوتے، انہیں ہم عام طور پر اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

گیانچند میگھواڑ

سر ابھی بھی اک چیز سمجھ میں نہیں آئی کہ اگر کوئی محب وطن ہے تو اس کو نیشنلسٹ کیوں ہونا چاہئے ؟

کسی خلائی مخلوق کی نظر میں ہم سب اک جیسے نظر آئیں گے. ہماری شناخت "زمین کی مخلوق" کی ہوگی. کیا اس احساس کو لوگوں میں اجاگر کر کے ہم کوئی ایک مشترکہ شناخت اپنا سکتے ہیں ؟

WaharaUmbakar

"اگر کوئی محب وطن ہے تو اس کو نیشنلسٹ کیوں ہونا چاہئے"

"کیا ہونا چاہیے" پر تو بات کی ہی نہیں ہے

"کسی خلائی مخلوق کی نظر میں ہم سب اک جیسے نظر آئیں گے"

درست۔لیکن ہم خلائی مخلوق کی نظر سے نہیں، دنیا کو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں۔ہمارے پاس کوئی اور view موجود نہیں۔اور ہماری ایک شناخت نہیں، ہر شخص کے ے لئے بیک وقت بہت سی ہیں۔اور ان کے بغیر ہم معاشرتی زندگی نہیں گزار سکتے۔

(اب یہ الگ بات کہ کسی کے محبِ وطن پاکستانی ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ دوسری شناخت رکھنے والوں کا برا چاہے گا)۔

سر نیشنلزم کی اصل تعریف کیا ہے؟؟؟:**ShehzadAhmed**

WaharaUmbakar

اپنی قوم کے طور پر شناخت اور اس کے مفاد کی حمایت

ShehzadAhmed

ابن خلدون کا نظریہ عصبیت اقوام اور نیشنلزم کیا ایک ہی چیز ہے ؟؟

WaharaUmbakar

ابنِ خلدون کا عصبیہ گروہی وفاداری کا ہے۔ نیشنلزم بھی گروہی وفاداری ہے، لیکن قبیلے یا برادری کے ساتھ وفاداری کو نیشنلزم نہیں کہا جاتا۔ نیشنلزم عصبیت ہے لیکن اس کا دائرہ کار عام طور پر زیادہ وسیع ہوتا ہے اور اس کی بنیاد خونی رشتوں کی بنیاد پر نہیں ہوتی

ShehzadAhmed

سر عصبیت کو برا بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس پر کافی تنقید بھی موجود ہے۔ ایسا کیوں ہے ؟!

WaharaUmbakar

ہر چیز کی افراط اور تفریط بری ہوتی ہے۔ عصبیت کے بغیر گروہ نہیں بن سکتے اور عصبیت کی زیادتی ہے جو دنیا کے سب سے بڑے اور ہولناک مظالم کی وجہ ہے۔

ShafiqAhmad

کسی حد تک قومیں بھی ابتداء ایک قبیلے کی ہی ترقی یافتہ شکل ہیں۔

WaharaUmbakar

قبائل میں اہم چیز رشتہ داری رہی ہے۔ نیشنلزم میں ایسا نہیں۔ مثلاً، گلگت اور سکھر کے شہری اپنی کئی طرح کی شناخت رکھتے ہیں، آپس میں تاریخی، جینیاتی مماثلت نہیں۔ لیکن پاکستانی نیشنلزم ہے، جو ان کو اکٹھا کرتا ہے۔

ShafiqAhmad

میرے زیر نظر پرانے عرب ہیں جو ایک ہی جد امجد سے ہیں۔ اسی طرح ایک نسل کے لوگ اصلا ایک ہی جد سے ہوتے ہیں اکثر

WaharaUmbakar

تمام مسلمان بھائی ہیں۔ ہم سب کامریڈ ہیں۔ سب پاکستانی ایک ہیں۔ بڑے گروپس نسل پرستی توڑ کر بنتے ہیں۔

FaryalOsmanKhan

سر آپ فلسطین تنازعے سے ہونے والی اموات کو باقی دنیا میں ہونے والی اموات جو جنگوں سے ہوئیں کو کم کہا۔ لیکن کیا یہ اموات

آبادی کے تناسب کی وجہ سے زیادہ یا کم نہیں کہی جاتیں۔ فلسطین اور متنازعہ ملک کی آبادی ہے ہی کتنی۔

WaharaUmbakar

ان تمام اموات میں مصری، اردنی، لبنانی، شامی، فلسطینی، اسرائیلی شامل ہیں۔

MuhammadAsadSabir

جیسا کہ آپ نے سلطنت عثمانیہ کی حدود کا نقشہ دیا ہے کئی لوگ سلطنت عثمانیہ کو رقبے کے لحاظ سے تاریخ کی سب سے بڑی سلطنت کہتے ہیں کیا یہ درست ہے اور اگر نہیں تو کونسی سلطنت رقبے کے لحاظ سے تاریخ کی سب سے بڑی سلطنت تھی وسعت کے لحاظ سے تو سلطنت برطانیہ تھی

WaharaUmbakar

عثمانیہ سلطنت ایک بڑی سلطنت تھی لیکن رقبے کے لحاظ سے تو عباسی اور اموی سلطنتیں بھی اس سے زیادہ بڑی تھیں۔ دنیا کی سب سے بڑی سلطنتیں برٹش، منگول، رشین، چنگ اور ہسپانوی رہی ہیں۔

MuhammadAsadSabir

شکریہ تو کیا اپنے دور عروج میں سلطنت عثمانیہ کو سپر پاور کہہ سکتے ہیں۔۔۔۔؟

WaharaUmbakar

جی بالکل، یہ اپنے دور کی ایک سپر پاور تھی اور بہت عرصے تک رہی۔ ان کا عروج کا دور سلیمان عالیشان کا تھا جب اس کی سرحدیں سب سے وسیع ہوئیں۔ اس دور کے بارے میں یہاں سے

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/2363557827080146

MuhammadSaremLohani

چنگ؟

MuhammadSaremLohani

برٹش ایمپائر کا یہ نقشہ مختلف اوقات کا ہے، ایک ہی وقت کا نہیں۔ جب وہ ہندوستان میں قدم جما رہے تھے تو امریکہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اس نقشے میں امریکہ کی تیرہ ریاستیں اور ہندوستان ایک ساتھ دکھایا گیا ہے۔

WaharaUmbakar

چنگ خاندان نے منگ خاندان سے حکومت حاصل کی تھی۔ موجودہ چین اور منگولیا کا علاقہ ان کے پاس تھا۔

جاگیر دار

فلسطین کا علاقہ پسماندہ تھا جس کی آبادی زیادہ تر دیہی تھی۔ آبادی کا بڑا حصہ وسطی فلسطین کے پہاڑی علاقے پر تھا۔ سمندری علاقے کے قریب یا مشرقی نشیب میں آبادی کم تھی۔ یہاں امن و امان نہیں تھا اور خانہ بدوش قبائل کے حملوں کا خطرہ تھا۔ عثمانیوں کو یہاں پر کنٹرول رکھنے میں دشواری تھی۔ اٹھارہویں صدی تک ٹیکس اکٹھا کرنے کا طریقہ "دورا" کا تھا۔ یہاں مستقل گورنر تعینات نہیں تھا اور ایک ڈپٹی عسکری دستے سمیت دیہات کے سالانہ دورے پر جاتا تھا۔ عثمانی جھنڈا اور تلوار دکھا کر ٹیکس اکٹھا کیا جاتا تھا۔ بحیرہ روم اور دریائے اردن کے درمیان ایک ہزار دیہات آباد تھے۔

انیسویں صدی کے آغاز میں یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد اس علاقے سے کپاس برآمد کی جاتی تھی۔

عثمانی سلطنت کمزور پڑ رہی تھی۔ یہاں پر دو جنگجو سردار ابھرے۔ ایک ظہیر العمر تھے جنہوں نے گلیلی علاقے کا کنٹرول لے لیا اور اپنی ریاست بنالی۔ اس سے شمال میں مصر سے تعلق رکھنے والے آزاد کردہ غلام احمد پاشا الجزار تھے، جنہوں نے صیدا کی بندرگاہ (یہ موجودہ لبنان میں ہے) پر قبضہ کر کے اپنی ریاست قائم کی جو شمالی سیریا تک پھیلی تھی۔ احمد پاشا کے لقب کے معنی قصائی کے ہیں۔ ان کی سفاکی کے قصے آج بھی فلسطین میں مشہور ہیں۔ فلسطینی علاقے کی کپاس بہترین کوالٹی کی تھی۔ فرانسیسی تاجر ان بندرگاہوں پر پہلے اسٹیبلش ہوئے تھے۔ بعد میں دوسرے یورپی آئے۔ ان کی مانگ یورپی ٹیکسٹائل کی صنعت کے لئے کپاس کی تھی۔

ظہیر العمر کپاس کے بدلے ہتھیاروں کی تجارت کرتے تھے۔ منافع سے انہوں نے عکا کے شہر کی تعمیرِ نو کی اور حیفہ کے شہر کی بنیاد ڈالی۔ عثمانیوں کے لئے اب بہت ہو گیا تھا۔ 1775 میں عثمانیوں نے ظہیر العمر کے خلاف بحری فورس بھیجی۔ اور الجزار سے اتحاد کر لیا۔ ایک وار لارڈ کا دوسرے سے مقابلہ ہوا اور الجزار نے ظہیر کا "مسئلہ" حل کر دیا۔ عثمانیوں نے الجزار کو گورنر بنا دیا۔

اس علاقے کا انحصار کپاس پر تھا جس کے برے نتائج اس وقت نکلے جب عالمی کپاس کی منڈی کریش ہو گئی۔ اس کی وجہ امریکی کپاس کی آمد تھی جس کی امریکہ کے جنوب میں پیداوار ہوتی تھی۔ کپاس کے نرخ نوے فیصد گر گئے۔ زمیندار 1852 میں دیوالیہ ہو گئے۔

یہاں کی قسمت کا انحصار عالمی منڈی میں کپاس کی قیمت کے اتار چڑھاؤ سے رہا۔

مصری گورنر محمت علی نے فلسطین کے علاقے کو عثمانیوں سے 1831 میں چھین کر قبضہ کر لیا۔ محمت علی ایک البانوی بحری قزاق کے بیٹے

تھے۔ نپولین کے مصر پر قبضے کے بعد انہوں نے برطانوی اور عثمانی مشترک فوج کی قیادت کی تھی اور فرانسیسی فوج کو باہر نکالا تھا۔ اور مصر کو اپنے کنٹرول میں کر لیا تھا۔ محمت نے اپنے بیٹے ابراہیم پاشا کو شام کے علاقے (جس میں آج کا سیریا، لبنان، اسرائیل، فلسطین اور اردن آتے ہیں) پر قبضہ کرنے کو بھیجا تھا۔

محمت علی کی مصر میں کی گئی اصلاحات کی طرح ان کے بیٹے ابراہیم پاشا نے بھی فلسطین میں جدید ریاست کے کئی ادارے متعارف کروائے۔ انہوں نے زمینداروں کو غیر مسلح کر کے آرمی کا ادارہ بنایا۔ براہِ راست ٹیکس کا نظام بنایا اور مڈل مین کو اس میں سے نکال دیا۔ مشاورتی کونسلز بنائیں۔ سڑکوں اور نہروں کی تعمیر ہوئی تا کہ فصل منڈی تک پہنچ سکے۔

مقامی آبادی میں یہ اصلاحات غیر مقبول رہیں، لیکن وقت کا پہیہ پیچھے کو نہیں جاتا۔

مصری قبضہ دس سال رہا۔ 1841 میں عثمانیوں نے برطانوی مدد سے مصری آرمی اور انتظامیہ سے فلسطین کا علاقہ واپس حاصل کر لیا۔ ان کی جدتیں برقرار رہیں اور ان میں اضافہ ہوا۔

مصری فوج کے انخلا کے بعد طاقتور مقامی لیڈروں میں آپس میں جھگڑے پھوٹ پڑے۔ خاص طور پر یروشلم کے علاقے میں۔ یروشلم کو براہِ راست عثمانی کنٹرول میں لے لیا گیا۔

عثمانیوں نے دیہی علاقوں میں اپنا کنٹرول قائم کیا۔ ٹیکس اکٹھا کرنے میں اور مقامی بااثر لوگوں کی عسکری طاقت توڑنے میں سختی سے کام لیا۔ پہلے پہاڑی اور پھر میدانی علاقوں پر کنٹرول قائم کیا گیا۔ فوجی گیریزن بنے۔ نئی ریلوے پٹری بچھی۔ یہاں کے خانہ بدوش بدو سیٹل کئے گئے۔ جزریل کی وادی میں گندم، باجرہ، جو، سرسوں، تمباکو اور کاسٹر کے تیل کی پیداوار ہونے لگی۔

اس علاقے میں امن کے قیام کے بعد یورپی مہاجرین کی آمد ہوئی۔ جرمن ٹیمپلارز نے 1860 میں گلیلی کے علاقے میں اپنی کالونی قائم کی۔

عثمانی سلطنت میں زمین سرکار (اور سلطان) کی ملکیت تھی۔ اس کو مِری کہا جاتا تھا۔ کسان کے پاس اس پر غیر مشروط حقوق نہیں تھے۔ اس پر کاشت کی جا سکتی تھی اور رہا جا سکتا تھا لیکن اسے بیچا نہیں جا سکتا تھا اور نہ ہی وراثت میں منتقل ہو سکتی تھی۔

ایک گاؤں میں چار سے پانچ قبائل ہوا کرتے تھے۔ سربراہ ایک شیخ ہوتا تھا جس کا کام جھگڑے نمٹانا اور انتظام چلانا تھا۔ ہر قبیلے کو زمین دے دی جاتی تھی اور قبیلہ اسے خاندانوں میں بانٹ دیتا تھا۔ ہر دو سال بعد اس تقسیم کو تبدیل کیا جاتا تھا۔ چراہگاہیں، پانی اور جنگل مشترک تھے۔

یہ نظام عثمانیوں کے لئے مسئلہ تھا۔ کون کتنا ٹیکس دے گا؟ اس کے لئے 1858 میں زمین کا قانون متعارف ہوا جس کا مقصد اس سوال کا جواب دینا تھا۔ اس نے زمین کی نجی ملکیت کا نظام شروع کر دیا۔ لوگ اپنے نام پر زمین کو رجسٹر کروا سکتے تھے اور ایسا کرنے کے ساتھ ہی ان پر ٹیکس کی ذمہ داری بھی عائد ہو جاتی تھی۔ ملکیت اجتماعی سے انفرادی ہو گئی۔ زمین خریدی اور بیچی جا سکتی تھی۔ استنبول میں بنائے گئے اس قانون کے غیر ارادی نتائج نکلے۔

چونکہ یہ قانون گاؤں کی اجتماعی ملکیت تسلیم نہیں کرتا تھا، اس لئے زمین شیخ کے نام پر رجسٹر ہوئی۔ باقی لوگ اس پر کام کرنے والے بن گئے۔ جو لوگ رجسٹریشن فیس نہیں ادا کر سکتے تھے، ان کی زمینیں قرض دینے والوں کے پاس چلی گئیں۔ زمین رجسٹر کرنے کا مطلب ٹیکس کی ادائیگی کا ذمہ بھی تھا اور جبری ملٹری بھرتی کے لئے بھی خاندان کا نام ریکارڈ پر آ جاتا تھا۔ ان پر کام کرنے والے یہ کام کرنے سے ہچکچانے لگے۔

جلد ہی یہ زمینیں شہر میں رہنے والی اشرافیہ کے پاس چلی گئیں جنہوں نے رجسٹر نہ ہونے والی زمین کو قانونی ملکیت میں لے لیا۔ انیسویں صدی کے آخر تک، اس نے فلسطینی لینڈ ہولڈنگ کا سٹرکچر تبدیل ہو چکا تھا۔ عہدے سے دولت بنی۔ دولت سے طاقت۔ شہری اشرافیہ نے مقامی فلسطینی سیاست کا مرکزی کردار لے لیا۔ دیہات کی زمینیں بڑے جاگیرداروں کے پاس تھیں جو کبھی اپنی زمینوں پر نہیں گئے تھے۔ یہ محفوظ سرمایہ کاری کے لئے خریدی گئی تھیں۔ بیروت اور دمشق میں رہنے والے ان بڑے جاگیرداروں کو مقامی آبادی یا اپنی زمین پر رہنے والوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اور یہ بڑی جاگیریں تھیں۔ مثلاً، بیروت کی سرسوق فیملی کے پاس وادی جرزیل کی ستر مربع میل زمین تھی۔

جب یہودی قومی فنڈ کے نمائندے زمین کا سودا کرنے آئے تو انہیں بیچنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔ یہ اچھے منافع کے لئے ہی تو خریدی گئی تھیں۔

آج فلسطین میں ان لوگوں کو یاد رکھا جاتا ہے جنہوں نے اپنی زمینیں فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ان کو بھی جنہوں نے انہیں بیچ دیا تھا۔

نوٹ: ساتھ لگی تصویر 11 اپریل 1909 کو لی گئی۔ یہاں پر 66 یہودی خاندان بحیرہ روم کے ساحل پر جمع ہیں۔ یہاں کے خالی ساحل پر قرعہ اندازی سے ہر ایک کو ایک پلاٹ ملنا ہے۔ آباد ہونے والا یہ شہر تل ابیب تھا جس کا سنگِ بنیاد یافا کے قریب خریدی زمین پر رکھا گیا۔

سوالات و جوابات

AbdulRaufKhan

"زمین شیخ نام پر رجسٹر ہوئی" یہ شیخ کون ہوتا تھا اور شہری اشرافیہ جو زمین خریدتی تھی وہ اس کا کیا کرتی تھی کیونکہ ٹیکس تو دینا پڑتا ہوگا

WaharaUmbakar

شیخ ایک گاؤں کا بزرگ یا معزز تھا۔

(اگر آپ پہلے سے ٹیکس دے رہے ہیں تو زمین کی رجسٹریشن سے ہونے والی اضافی آمدن پر ٹیکس دینا مسئلہ نہیں)۔

Fawad Shah

Khan Abdul ghafar ne Palestine ka dawray par jab maqame logo se pocha kew apny zamenay yahodeyou ko beaj rahe hai tu Palestine k logo kaha k Dunai khatam huny wale hai zameen ka kea karege

WaharaUmbakar

اس میں مجھے معلوم نہیں کہ فلسطینی نے غلط کہا یا خان عبدالغفار صاحب نے یا پھر یہ بات بتانے والے نے۔

SaleemJamali

سر عموما یہ کہا جاتا ہے کہ یہودیوں کو یہاں بسنے کی اجازت برٹش حکومت نے دی۔۔

رہنمائی درکار ہے کہ عثمانیہ سلطنت نے یہودیوں کو بسنے کی اجازت دی تھی یا صرف برٹش نے؟

WaharaUmbakar

یہاں پر کسی کے بسنے پر پابندی نہیں تھی۔ یہودی عثمانی دور میں بھی آئے (پوسٹ کے ساتھ تل ابیب کے آباد ہونے کی تصویر برٹش سے پہلے کی ہے)، برٹش مینڈیٹ میں بھی اور اس کے بعد بھی۔

SaleemJamali

عثمانیوں سے برٹش کہ قبضے میں یہ علاقہ کس سنہ میں آیا۔

WaharaUmbakar

یہ علاقہ 1918 سے 1948 تک برٹش کے پاس رہا۔

ShehzadAhmed

سر عثمانیوں کے ساتھ کیے گئے سو سالہ معائدے کی کیا تفصیلات ہیں ؟؟

WaharaUmbakar

کونسا معاہدہ؟

ShehzadAhmed

Lozan treaty

WaharaUmbakar

نہ ہی وہ عثمانیوں کے ساتھ ہوا تھا اور نہ ہی سو سال کا تھا۔گروپ میں اس بارے میں یہ سوال موجود ہے۔

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/3320355404733712

MuhammadAsghar

یعنی کہ جس جگہ اسرائیل کو 1948 میں بنایا گیا وہ ساری زمین فلسطینیوں نے یہودیوں کو بیچیں تھیں

WaharaUmbakar

نہیں۔

MuhammadAsghar

پھر کیسے سر؟

WaharaUmbakar

کئی جگہ پر زمینیں خریدیں تھیں، کئی جگہ پر قبضہ کیا تھا۔ان پر بات اگلی والی اقساط میں۔۔۔

AslamMemon

Sersouq family ki present identity kiaa hey sir ?

WaharaUmbakar

یہ بیروت کی ایک بااثر فیملی تھی۔

SyedShahidHussainPasha

مصری گورنر محمت علی ایک البانوی بحری قزاق کے بیٹے تھے۔نپولین کے مصر پر قبضے کے بعد انہوں نے برطانوی اور عثمانی مشترک فوج

کی قیادت کی تھی اور فرانسیسی فوج کو باہر نکالا تھا۔and later u mentioned عثمانیوں نے برطانوی مدد سے مصری آرمی اور انتظامیہ سے فلسطین کا علاقہ واپس حاصل کر لیا۔

so 1st this Egyptian supervise war with British//usmani vs french and later usmani regained area from Egyptian army what happened between they and why they became against each other

WaharaUmbakar

نپولین نے مصر فتح کیا تھا۔ فرانسیسی فوج کو باہر نکالنے کے لئے عثمانی اور برطانوی فوج نے اتحاد کیا تھا جس کے بعد محمت علی گورنر بن گئے تھے۔ وہ عثمانی سلطانوں سے کافی حد تک آزاد تھے۔ اور اپنا الگ ambition رکھتے تھے۔ انہوں نے عثمانیوں سے عرب کا بڑا علاقہ لے لیا تھا جس میں فلسطین بھی شامل تھا۔ یہ ان کے بیٹے ابراہیم پاشا کے پاس تھا اور یہ مصری انتظامیہ کے پاس آ گیا تھا۔ (محمت علی نے استنبول پر 1833 میں حملہ کیا تھا)۔

مصر اور عثمانیوں کی جنگ ہوئی جس میں برطانوی عثمانیوں کے ساتھ تھے اور مصر کو شکست دے کر علاقہ واپس عثمانیوں کے پاس چلا گیا۔

اس بارے میں کچھ تاریخ یہاں سے

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/2365955273507068

عثمانی

"آپ بہت قابل انسان اور سچے محبِ وطن یہودی ہیں۔ یہودی ہمارے کزن ہیں۔ ہمارا ان سے تعلق ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے۔ ہم یہودیوں کی اور ان کی مذہبی روایات کا بہت احترام رکھتے ہیں۔ مجھے یورپی یہودیوں کے مسائل اور تکالیف کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ میں ان کے وطن کے حصول کی خاطر بننے والی صیہونی تحریک کا حامی ہوں۔ صیہونیت خوبصورت، فطری اور منصفانہ نظریہ ہے۔ آخر کون یہودیوں کے فلسطین پر حق کا انکار کرے گا؟ خدا کی قسم، یہ آپ کا اپنا ملک ہے۔

لیکن صیہونی پراجیکٹ کو عملی جامہ پہنانے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ فلسطین مستقل وطن کے لئے ٹھیک جگہ نہیں۔ یہ جگہ یہاں کے لوگوں، بشمول یہودیوں، کے لئے مناسب نہیں رہے گی۔ آپ کو صورتحال کا جائزہ لینا چاہیے۔ یہاں پر مقامی لوگ آباد ہیں جو کبھی یہ قبول نہیں کریں گے کہ ان کے علاقے میں کوئی اور آ جائے۔ حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ عقلمندی نہیں ہو گی کہ فلسطین کا انتخاب کیا جائے۔ یہ یہودیوں کے لئے ٹھیک جگہ نہیں۔ آپ کسی اور علاقے کا انتخاب کریں اور فلسطینیوں کو چھوڑ دیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں"۔

یوسف ضیا الدین پاشا الخالدی۔

یوسف ضیا یروشلم سے انتخاب جیت کر عثمانی پارلیمنٹ میں گئے تھے۔ وہ کردستان، لبنان، فلسطین اور سیریا کے گورنر رہے تھے اور یروشلم کے دس سال تک میئر رہے تھے۔ یہ خط انہوں نے یکم مارچ 1899 کو صیہونی تحریک کے بانی ہرزل کو لکھا۔ ہرزل عثمانی حکومت کو آمادہ کرنا چاہ رہے تھے اور یوسف سے ہونے والی خط و کتابت اسے سلسلے میں تھی۔

اس کا جواب 19 مارچ کو آ گیا۔ ہرزل کا کہنا تھا کہ یہودیوں کی آبادکاری مقامی آبادی کو فائدہ دے گی۔ یہودی اپنی دولت، مہارت، تعلیم اور کاروبار کی صلاحیت ساتھ لائیں گے اور اس پسماندہ علاقے کی ترقی کا سب کو فائدہ ہو گا۔ "جنابِ والا، آپ نے یہ نوٹ کیا ہے کہ غیر یہودی آبادی کے ساتھ رہنے میں کچھ مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ آپ کا خدشہ بجا ہے لیکن کوئی ان کو یہاں سے نکالنے کا سوچ بھی نہیں سکتا"۔

(یہ خطوط اس وقت ریکارڈ میں محفوظ ہیں)۔ ہرزل اپنی زندگی میں ایک بار 1898 میں فلسطین آئے تھے۔

بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں فلسطین میں بسنے والے یہودی کلچر کے اعتبار سے مسلمان اور کرسچن آبادی جیسے ہی تھے۔ زیادہ تعداد

قدامت پسند اور غیر صیہونیوں کی تھی۔ ان میں یا تو مزراہی (مشرقی) تھے یا سفاردک (اندلس سے بے دخل کئے گئے)۔ کئی نوجوان یہودی یورپ سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے۔ ان میں مشہور صیہونی لیڈر، جیسا کہ ڈیوڈ بن گوریان (جو بعد میں وزیرِاعظم بنے) اور اسحاق بن زوی (جو بعد میں وزیرِاعظم بنے) بھی تھے۔ انہوں نے عثمانی شہریت اختیار کی تھی۔ استنبول سے تعلیم حاصل کی تھی۔ عربی اور ترک زبانیں سیکھی تھیں۔

عثمانی سلطنت زوال کا شکار تھی۔ اسے بڑے جھٹکے لگ رہے تھے۔ بلقان، لیبیا اور دوسرے علاقے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ جنگوں میں شکستیں ہو رہی تھیں۔ 1911 کی لیبیا جنگ، 1912 کی بلقان جنگ میں ناکامی کے بعد پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی جس نے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اس جنگ کے چار سال شدید غربت، بھوک، بیماری کے تھے۔ اہل مرد اور جانور لڑنے کے لئے بھیج دئے گئے تھے۔ شام (موجودہ فلسطین، سیریا، اردن اور لبنان) کے علاقے میں 1915 سے 1918 کے درمیان صرف قحط سے ہونے والی اموات پانچ لاکھ تھیں۔ ٹڈی دل کے حملے نے قحط کو مزید بگاڑ دیا تھا۔

بھوک اور مشقت آبادی کی حالت تھی۔ اس جنگ کے فریقین میں سے سب سے بھاری نقصان عثمانیوں نے اٹھایا تھا۔ کل تیس لاکھ اموات (جو آبادی کا پندرہ فیصد تھا!!) اس جنگ کے نتیجے میں ہوئیں۔ زیادہ تر سویلین آبادی تھی۔ اٹھائیس لاکھ فوجیوں میں سے ساڑھے سات لاکھ جنگ کے دوران مارے گئے۔ زیادہ اموات عربوں میں ہوئی تھیں۔ روس کے خلاف سب سے خونی محاذ عرب علاقوں میں تھے۔ فلسطین کی آبادی میں چھ فیصد کمی ہوئی۔ 1917 کے موسمِ بہار سے جنوبی حصے میں برطانوی اور عثمانی جنگ زوروں پر تھی۔ رفتہ رفتہ عثمانی دفاع کو پسپا کر دیا گیا۔ یروشلم پر برطانوی قبضہ دسمبر 1917 میں ہو گیا۔ سب سے بھاری نقصان غزہ شہر میں ہوا۔ بھاری توپخانے نے شہر کو ملیامیٹ کر دیا۔ جنگ کے آخر تک ہزارہا خاندان بے گھر ہو چکے تھے۔ ہزارہا لوگ لاپتا تھے۔

عرب فوجی عثمانی فوج چھوڑ رہے تھے۔ شریف حسین نے عرب بغاوت کا اعلان کر دیا تھا اور برطانویوں سے اتحاد بنا لیا تھا۔ عربوں پر ترک قبضے کے خلاف عرب نیشنلزم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

جنگ ختم ہوئی۔ آنے والی تبدیلیاں بڑی تھیں۔ علاقہ اب یورپی افواج کے پاس تھا۔ عربوں پر چار صدیوں سے جاری عثمانی حکمرانی بہت جلد ہی غائب ہو چکی تھی۔ بھوک، افلاس، قحط، جنگ اور اموات کے درمیان اس ٹراما کی زندگی کے دوران فلسطینیوں کو بالفور اعلان کا معلوم ہوا۔

دو نومبر 1917 کو برطانوی خارجہ سٹیٹ سیکرٹری کا خط 67 الفاظ کے ایک فقرے پر مشتمل تھا۔ "ہماری حکومت فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کی حمایت کرتی ہے اور اس مقصد کے لئے کوشش کرے گی۔ ایسا کوئی قدم نہیں لیا جائے گا جس سے یہاں رہنے والی غیر یہودی آبادی کے سول یا مذہبی حقوق پر زد پڑے"۔ اس خط میں مذہبی اور سول حقوق کا ذکر تھا۔ سیاسی یا قومی حقوق کا نہیں۔

فلسطینیوں کو اس خط کا علم جلد نہیں ہوا اور اس پر ردِعمل خاصی تاخیر سے آیا۔ پہلا ردِعمل 33 کے وفد کا لکھا ہوا احتجاجی خط تھا جو دسمبر 1918 میں برطانوی حکومت کو لکھا گیا۔

ساتھ لگی تصویر عرب باغیوں کی، جنہوں نے عثمانی سلطنت کے خلاف بغاوت کی۔ جو جھنڈا انہوں نے بلند کیا ہے، یہ حجاز کی بادشاہت کا تھا ترکوں کے خلاف عرب نیشنلزم کا نشان بن گیا۔ اردن نے 2004 میں العقبہ کے ساحل پر ساڑھے چار سو فٹ بلند ڈنڈے پر یہ جھنڈا عثمانیوں کے خلاف 1917 میں کی جانے والی عرب بغاوت کی یاد میں نصب کیا ہے۔

سوالات و جوابات

ShafiqAhmad

33" کے وفد" میں 33 کوئی اصطلاح ہے یا صرف مراد 33 زعماء ہیں؟

WaharaUmbakar

اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس پر تینتیس لوگوں کے دستخط تھے۔

M.Umar

سر شام میں صرف سیریا ہی آتا ہے یا دوسرے ملک بھی؟ پاکستاں میں تو سیریا کو ہی اردو میں شام کہا جاتا ہے

WaharaUmbakar

شام کے علاقہ میں سیریا، اردن، فلسطین اور لبنان آتے تھے۔ موجودہ سیریا کو اردو میں شام بھی کہا جاتا ہے۔

MuhammadAsadSabir

سلطنت عثمانیہ کی جنگ عظیم اول میں شامل ہونے کی وجوہات کیا تھیں اور کیا عثمانی اس جنگ سے میں شامل نہ ہو کر اپنی سلطنت کو مضبوط کر سکتے تھے۔۔۔۔؟

یا جنگ میں شامل ہونا مجبوری بن گئی تھی۔۔۔؟

WaharaUmbakar

اس کا مختصر سا پس منظر یہاں پر

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/2374908532611742

AnwarAli

سر اپ نے لنک میں جس چرچل نامی بندے کا ذکر کیا ہے یہ وہی بندہ ہے جس نے ہندوستان میں خدمات انجام دی تھی اور ہمارے ڈسٹرکٹ ملاکنڈ میں یوسفزئی قوم سے چکدرہ کے مقام پر جنگ لڑی تھی جس کے بعد یوسفزئی قوم کی بہادری سے متاثر ہو کر ونسٹن چرچل نے "دی ہسٹری اف ملاکنڈ" نامی کتاب بھی لکھی۔ بعد میں وہ برطانوی وزیراعظم بھی بن گیا تھا یا یہ دوسرا چرچل نامی بندہ تھا جو وزیراعظم بن گیا تھا؟ آج بھی ملاکنڈ کے فوجی قلعے کے دیوار پر وسٹن چرچل کی تصویر اویزاں ہے۔

نوٹ: جنگ اور کتاب کے بارے میں اپنے والد صاحب سے سنا ہے۔ جبکہ قلعے پر تصویر خود دیکھا ہے تصویر کے نیچے چرچل لکھا ہوا ہے

WaharaUmbakar

جی، یہ وہی ونسٹن چرچل ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی کتاب کا نام "سٹوری آف مالاکنڈ فیلڈ فورس" ہے۔

ShafiqAhmad

فلسطین، لفظ ایک صدی قبل کس انتظامی اکائی کے طور استعمال ہوتا تھا؟ صوبہ کے طور، ملک یا کس طور؟

WaharaUmbakar

عثمانیوں نے جب اس علاقے کو مصر سے چھینا تھا تو اس کو انتظامی یونٹ بنایا گیا تھا جس کا نام یروشلم تھا۔

SaleemJamali

تو سر اس علاقے کو فلسطین کیوں کہا جاتا ہے

WaharaUmbakar

علاقے کا نام آج سے دو ہزار سال قبل رومیوں نے سیریا فلسطیار کھا تھا۔

یہاں پر یہ یاد رہے کہ کچھ لوگ "آج کیا ہونا چاہیے" کے لئے "تاریخ میں کیا تھا؟" سے جواز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دلچسپ چیز یہ ہے کہ تاریخ سے ہر طرح کا جواز بنایا جا سکتا ہے۔ صرف یہ کہ آپ تاریخ کے کونسے مقام کو "اٹل حقیقت" سمجھنا چاہیں۔ فلسطین کے مسئلے میں بھی ایسا ہی ہے۔ اسرائیل اور فلسطین کی طرف سے تاریخ کو اپنے حق میں گواہ کے طور پر پیش کرنے کے لئے بڑے دلچسپ مباحث ہوتے ہیں۔ فلسطین کا نام بھی ایسا ہی حساس مسئلہ ہے۔

ArshidCh

میرا نہیں خیال کہ مسلمانوں کو یہودیوں کے فلسطین پر بزور طاقت قبضے پر واویلا کرنا چاہیے۔ کیونکہ طاقت کے زور پر کسی علاقے پر مسلمانوں کے قبضے کو فتح کہا جاتا ہے اور قرآن میں فاتحین کے لیے جنت کی بشارتیں ہیں۔ اب اگر طاقت کا پلڑا یہودیوں کے حق میں ہے تو مسلمانوں کو "سپورٹس مین شپ" کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور رونے دھونے کی بجائے ان کے مقابلے کے لیے جدید ہتھیاروں کا انتظام کرنا چاہیے۔

WaharaUmbakar

داعش کا اس بارے میں یہی نکتہ نظر تھا۔ زیادہ تر لوگ اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

ArshidCh

جی۔ اب مقابلے کی طاقت نہیں ہے تو مظلومیت سے کام چلا رہے ہیں۔ آج اگر مسلمانوں کے پاس طاقت آ جاءے تو مدینہ کے یہودیوں کی طرح فلسطین کے سب یہودیوں کو قتل کرنا پسند کریں گے۔

WaharaUmbakar

آپ کو مسلمانوں کے ساتھ جو مسئلہ ہے، اسے کسی اور فورم پر جا کر ڈسکس کر لیں۔
ایسی بہت سے جگہیں مل جائیں گی جہاں ایسے انتہا پسند خیالات کی پذیرائی کی جائے گی۔ یہ سیریز یا یہ فورم اس کے لئے ٹھیک جگہ نہیں۔

SaleemJamali

سر عثمانیوں نے عرب پر اپنا کنٹرول کب اور کیسے حاصل کیا

WaharaUmbakar

عثمانی سلطنت کے پھیلاؤ پر لکھے آرٹیکل سے اقتباس۔
"شاہ اسماعیل اور سرخ پگڑی والے قزلباش مشرق سے عثمانی سلطنت کے لئے خطرہ تھے۔ جب سلطان سلیم اول تیاری کے ساتھ لاؤ لشکر لے کر 1516 میں نکلے تو شاہ اسماعیل کا خیال تھا کہ حملہ ان پر ہو گا لیکن عثمانیوں کا نشانہ کوئی اور تھا۔ 24 اگست 1516 کو حلب

میں مملوکوں کے ساتھ جنگ ہوئی اور اڑھائی سو سال بعد شام مملوکوں کے قبضے سے نکل گیا۔ عثمانیوں کے پاس بارود تھا جو ان کے مخالفین کے پاس اس جنگ میں نہیں تھا۔مملوکوں کے گھوڑوں پر سوار تیر اندازوں کا مقابلہ عثمانی توپوں اور بندوقوں سے تھا جو یکطرفہ رہا۔ جنوری 1517 میں قاہرہ فتح ہو گیا۔

مملوکوں نے صلیبی جنگ میں آوئٹریمر کا صفایا کیا تھا اور منگولوں کے ہاتھوں مصر اور شام کے علاوہ اسلام کے مقاماتِ مقدسہ کو تاراج ہونے سے بچایا تھا۔ 1250 سے یہ حکمران تھے۔ اور بہادر جنگجوؤں کی شہرت رکھتے تھے۔ لیکن ہتھیاروں میں برتری کی وجہ سے عثمانیوں نے ان کا دور ختم کر دیا۔مملوکوں کو شکست دے کر مشرقی بحیرہ روم اب عثمانی سلطنت کے پاس تھا۔آخری عباسی خلیفہ المتوکل گرفتار کئے گئے اور قسطنطنیہ لائے گئے۔"

مکمل آرٹیکل یہاں سے

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/2360998627336066

ShirazBhai

ایک بات سمجھ نہیں آئی کہ عثمانیوں کے خلاف فلسطین کے رہنے والوں نے عربوں کا ساتھ دیا، برطانیہ کا یا نیوٹرل رہے، قبضہ تو عثمانیوں کا تھا،

WaharaUmbakar

عثمانیوں کے خلاف شریفِ مکہ نے جو بغاوت کی، وہ مکہ سے شروع ہوئی اور اس میں حصہ لینے والی تیس ہزار کے قریب فوج کا زیادہ تر تعلق حجاز اور اردن سے تھا۔ موجودہ اسرائیل کی سرحد پر عقبہ میں عثمانی اور عرب فوج کے درمیان اہم جنگ لڑی گئی تھی لیکن فلسطین کے علاقے میں اس بغاوت کا زیادہ اثر براہِ راست نہیں تھا۔

SadamHossain

برطانیہ صیہونیوں کی حمایت کیا کر رہا تھا اور اب امریکہ کیوں کرتا ہے ؟,کیا عثمانی جنگ عظیم میں برطانیہ کے بلاک میں تھے ؟

WaharaUmbakar

یہ علاقہ برطانیہ کے پاس 1918 سے 1948 تک رہا تھا۔اس کے بارے میں تفصیلی بات آئندہ کی اقساط میں۔امریکہ کی بھرپور حمایت اسرائیل کو 1970 کی دہائی سے ملنا شروع ہوئی۔اس کی تاریخ بھی آئندہ کی اقساط میں۔

پہلی جنگِ عظیم میں عثمانی سلطنت کا اتحاد جرمن اور آسٹرو ہنگری سلطنت کے ساتھ تھا۔برطانیہ اس اتحاد کے مخالف اتحاد کا حصہ تھا۔

AtiqUrRehman

سر 1900 سے پہلے یہودیوں کو یورپ میں ایسی کون سی مشکلات درپیش تھیں جن کا یوسف پاشا کو احساس تھا۔ ہٹلر کا زمانہ تو بیسویں

صدی کی تیسری دہائی کا ہے۔اس سے پہلے ایسا کیا ہوا تھا؟

دوسرا سوال عثمانی پارلیمنٹ تو1908ء میں بنی۔اگر پاشا رکن رہا بھی تو اس کے بعد ہو گا۔پہلی پارلیمان تو دس ماہ کے بعد کچھ کہے سنے بغیر ہی ختم ہو گئی تھی 1878ء میں۔

میں چاہتا ہوں کہ صیہونی راہنمائوں کا تفصیلی تعارف کروادیں۔ہرزل سے روتھ، تک اور وائزمین سے ڈیوڈ بن گوریان تک۔

WaharaUmbakar

طویل تاریخ ہے جس کا ذکر دسویں قسط میں ہو گا۔لیکن بہت مختصر:

یہودیوں کی بڑی آبادی مشرقی یورپی علاقے میں تھی۔جب توسیع پسند روسی سلطنت نے پولینڈ کا علاقہ حاصل کیا تو یہودیوں کی زیادہ تعداد اس سلطنت میں آ گئی۔یہاں پر یہ persecuted اقلیت تھے جنہیں ایک خاص علاقے سے باہر رہائش کی اجازت نہیں تھی۔ان کو Russianize کرنے کے لئے ملکہ کیتھران نے پروگرام شروع کیا جس میں انہیں کرسچن بننے کی "حوصلہ افزائی" بھی تھی۔یہ چند پیشوں میں کام کر سکتے تھے۔ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ معاشرے کا باقاعدہ حصہ نہیں بن سکے۔جب زارِ روس کے قتل کا الزام ان پر لگا تو ان کے خلاف باقاعدہ پرتشدد پوگروم ہوئے۔بہت سوں کو اپنی جگہ چھوڑ کر یورپ بھاگنا پڑا۔زیادہ تعداد میں جرمنی میں گئے (کیونکہ یہ پولینڈ سے قریب ہے)۔

چونکہ ان کے لئے پیشے محدود تھے، اس لئے ان کی مہارت کامرس میں ہو گئی (زراعت یا سرکاری ملازمتیں ان کے لئے منع تھیں)۔ہر جگہ پر باہر سے آنے والوں کے لئے یہ "خارجی" رہے۔

یوسف کا تعلق ہیبرون کے علاقے سے تھا۔بااثر خاندان "الخالدی" سے تھے۔ان کے والد ساٹھ سال تک یروشلم کی عدالت کے سربراہ رہے تھے۔یوسف بہت عرصے تک یروشلم کے میئر رہے تھے۔

پہلی عثمانی پارلیمنٹ 1876 میں قائم ہوئی تھی جس کو سلطان عبدالحمید نے برخواست کر دیا تھا۔1908 میں "دوسرے آئینی دور" میں یہ دوبارہ قائم ہوئی۔

AyyanShakeelFiroz

سر اسرائیل میں زبان کون سی بولی جاتی کیا یہ عرب ہیں

WaharaUmbakar

اسرائیل میں hebrew بولی جاتی ہے۔اسرائیل میں عرب بھی ہیں لیکن ان کی تعداد آبادی کے بیس فیصد کے قریب ہے۔

TariqAhmadAwan

اب یہ جھنڈا کس کی نمائندگی کرتا ہے یا یہ غائب ہے ابھی ؟

WaharaUmbakar

یہ جھنڈا عرب بغاوت کی نمائندگی کرتا ہے۔

حجاز کی عرب فوج کا عثمانیوں کے خلاف ایک اہم معرکہ عقبہ میں ہوا تھا،

جس میں عربوں کو کامیابی ملی تھی۔ یہ علاقہ آج اردن میں ہے۔ اس کی

یادگار کی طور پر نصب کردہ جھنڈے کو ساتھ لگی تصویر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

MuhammadAhmad

اعلان بالفور کیا ہے ؟

Foreign Office,
November 2nd, 1917.

Dear Lord Rothschild,

I have much pleasure in conveying to you, on behalf of His Majesty's Government, the following declaration of sympathy with Jewish Zionist aspirations which has been submitted to, and approved by, the Cabinet.

"His Majesty's Government view with favour the establishment in Palestine of a national home for the Jewish people, and will use their best endeavours to facilitate the achievement of this object, it being clearly understood that nothing shall be done which may prejudice the civil and religious rights of existing non-Jewish communities in Palestine, or the rights and political status enjoyed by Jews in any other country"

I should be grateful if you would bring this declaration to the knowledge of the Zionist Federation.

WaharaUmbakar

آرتھر بالفور برٹش خارجہ سیکرٹری تھے۔ ان کا لکھا ہوا خط ہے جو اعلانِ بالفور کہلاتا ہے۔ اس کا ترجمہ پوسٹ میں لکھا ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔ (اصل اعلان کا عکس ساتھ لگی تصویر میں)۔

"ہماری حکومت فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کی حمایت کرتی ہے اور اس مقصد کے لئے کوشش کرے گی۔ ایسا کوئی قدم نہیں لیا جائے گا جس سے یہاں رہنے والی غیر یہودی آبادی کے سول یا مذہبی حقوق پر زد پڑے"

AamirSaeed

سر! کیا عثمانیوں کے خلاف شریف مکّہ کے علاوہ بھی کسی نے بغاوت کی تھی ؟

اس دوران آل سعود اور آل وہاب کا کیا کردار رہا تھا، کیا وہ بھی شریف مکہ کی طرح عثمانیوں کے خلاف لڑے، عثمانیوں اور آل سعود، وہاب کی دشمنی تھی یا نہیں ؟ ماضی کا کردار ہیمفرے اور لارنس آف عریبیہ کا کردار اصلی تھا اور کیا تھا؟ شکریہ۔

WaharaUmbakar

شریفِ مکہ اور سعود ایک دوسرے کے حریف تھے۔ ان کی الگ کہانی ہے۔ سعودی عرب کی تاریخ کو پڑھنے کے لئے نیچے لنک سے۔

لارنس آف عریبیہ اصل کردار ہے اگرچہ برٹش نے اسکا کردار بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/1934565013312765

DilshadAhmedKhan

یہ پرچم تو فلسطین کا لگتا ہے، سر۔

WaharaUmbakar

پٹیوں کی جگہ کا فرق ہے۔ یہ پرچم عرب بغاوت کے وقت ڈیزائن ہوا تھا۔ بہت سے عرب ممالک کے پرچم اس سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کو ساتھ لگی تصویر سے دیکھ لیں۔

نیا نقشہ

مشرقِ وسطی میں تبدیلیاں آ رہی تھیں۔ ترکی میں مصطفٰے کمال پاشا نے یورپی فوجوں کو ہزیمت سے دوچار کیا تھا۔ برطانیہ یکطرفہ معاہدہ کرنے میں ناکام ہو کر ایران سے 1921 میں انخلا کر چکا تھا۔ فرانس نے امیر فیصل کی بنائی گئی ریاست سوریا الجنوبی کو کچل دیا تھا۔ مصر نے برطانیہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو مشکل سے دبائی گئی لیکن 1922 میں اسے آزادی دینا پڑی۔ عراق میں مسلح جدوجہد کے بعد بادشاہت قائم ہو گئی۔ پہلی جنگِ عظیم کے دس سال کے اندر ترک، ایرانی، سیرین، مصری اور عراق کسی حد تک آزادی حاصل کر چکے تھے۔ فلسطین آزاد ہونے والوں میں نہیں تھا۔

یہودی تارکینِ وطن کی آمد جاری تھی۔ ان کی تعداد 1926 میں آبادی کا اٹھارہ فیصد ہو چکی تھی۔ صیہونی سرمایے کی آمد غیر معمولی تھی۔ اس سے اگلے برسوں میں یہ آمد تھم گئی۔ عالمی کساد بازاری آ چکی تھی۔ فلسطین پہنچنے والے یہودیوں کی زندگی بھی ان کے خوابوں جیسی نہیں تھی۔ جتنے آ رہے تھے، اتنے ہی چھوڑ رہے تھے۔ 1926 سے 1932 کے درمیان کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ صیہونی پراجیکٹ کی ناکامی نظر آ رہی تھی۔

لیکن یہ سب 1933 میں تبدیل ہو گیا۔ جرمنی میں نازی حکومت میں آ گئے۔ ان کے نسل پرست نظریات کا نشانہ دوسروں کے علاوہ بڑی تعداد میں یہودی بنے۔ امریکہ، برطانیہ میں سخت ہو جانے والے امیگریشن قوانین کا مطلب یہ تھا کہ جرمن یہودیوں کے پاس فلسطین کے سوا جانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ صیہونی تاریخ کا بڑا واقعہ ہٹلر کا عروج تھا۔ نہ صرف جرمنی بلکہ پڑوسی ممالک سے یہاں پر آمد شروع ہو گئی۔ صرف جرمنی سے منتقل ہونے والا سرمایہ دس کروڑ ڈالر کا تھا۔

یہودی اکانومی عرب سیکٹر سے پہلی بار آگے نکل گئی۔ صرف سات سال میں صورتحال الٹ ہو گئی تھی۔ ملٹری، اکنامک، علاقائی اور ڈیموگرافک توازن بدل گیا۔ بن گورین کے مطابق، "اب یہودی ریاست کا قیام ناگزیر ہے"۔ یہ واضح نظر آ رہا تھا۔

شہروں میں برطانوی حکومت کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے تھے۔ پہلی بار پورے علاقے میں 1936 میں بغاوت پھوٹ پڑی۔

انڈیا میں کانگریس، مصر میں حزب الوفد، آئرلینڈ میں سن فین جیسے جماعتیں موجود تھیں جنہوں نے برٹش کالونیل ازم کے خلاف کام کیا تھا۔ لیکن فلسطین میں کوئی منظم گروہ یا پارٹی نہیں تھی۔ ان حالات میں چھ ماہ تک جاری رہنے والی ہڑتال برٹش کے لئے بھی اور فلسطینی

اشرافیہ کے لئے بھی حیران کن تھی۔اکتوبر 1937 میں یہ مسلح جدوجہد بن گئی جو دو سال تک جاری رہی۔برٹش ملٹری نے اس کو بڑی بے رحمی سے کچلا۔چار لاکھ کی آبادی والے علاقے میں ایک لاکھ برٹش فوج موجود تھی۔اس دوران فلسطین کی دس فیصد آبادی بالغ مرد آبادی لقمہ اجل بنی۔بغاوت ختم کر دی گئی۔

اس دوران فلسطینیوں میں گہرے اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔کچھ اردن کے شاہ امیر عبداللہ کے ساتھ تھے۔ان کی تجویز تھی کہ علاقے میں دو ریاستیں قائم ہو جائیں اور فلسطین کا علاقہ اردن کے سپرد کر دیا جائے۔اس کی قیادت راغب النشاشیبی کر رہے تھے دوسرا گروپ کسی بھی تقسیم کے خلاف تھا۔اس کی قیادت یروشلم کے مفتی کر رہے تھے۔یہ تلخ اور پرتشدد جھگڑے تھے۔

فلسطینی قوم پرست صحافی العیسیٰ لکھتے ہیں کہ ابتدا میں برٹش کے خلاف شروع ہونے والی بغاوت اب آپس کی خانہ جنگی کا روپ دھار چکی تھی۔اس میں دہشتگردی، چوری، تباہ کاری، آتش زنی اور قتل عام ہو چکے تھے۔

دوسری طرف یورپ 1939 میں ایک اور بڑی جنگ کے دہانے پر تھا۔

جنوری 1939 میں برٹش کابینہ کو رپورٹ سفارش کی گئی تھی کہ برٹش اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرے۔عربوں کا اعتماد حاصل کرے۔ورنہ یہ مسئلہ صرف عرب تک محدود نہیں رہے گا۔انڈیا میں بھی بدامنی پھیل سکتی ہے۔

برٹش نے ایسا ہی کیا۔چیمبرلین حکومت نے پالیسی تبدیل کرتے ہوئے یہودی تارکینِ وطن کی آمد پر پابندی عائد کر دی۔زمین کی فروخت پر پابندی لگا دی۔(یہ دونوں عربوں کے مطالبات تھے)۔اگلے پانچ سال میں قومی نمائندگی کے ادارے بنانے کا وعدہ کیا اور اگلے دس سال میں حقِ خودارادیت کا۔

یہ فلسطینیوں کے لئے فتح تھی لیکن اس سے چند ماہ بعد ہی چیمبرلین جا چکے تھے۔ان کی جگہ چرچل نے لے لی تھی۔برٹش دوسری جنگِ عظیم میں داخل ہو چکا تھا۔اس نے برطانیہ کو دوسرے درجے کی پاور بنا دیا۔فلسطین کی قسمت اب اس کے ہاتھ میں نہیں رہی تھی۔

تیس نومبر 1947 کو جب برطانوی فوج کا انخلا ہوا تو صیہونی فورسز ایک کے بعد اگلے علاقے پر قبضہ کر رہی تھیں۔یافا کو اٹھارہ اپریل، حیفہ کو تئیس اپریل، صفاد کو دس مئی اور بیسان کو گیارہ مئی کو حاصل کر لیا گیا۔مقامی آبادی کو یہاں سے نکال دیا گیا۔پندرہ مئی 1948 کو اسرائیل کے قیام کا اعلان ہو گیا۔

لیکن یہاں پر ہم آگے بڑھنے سے پہلے رکتے ہیں اور کچھ سوالات کا جائزہ لیتے ہیں۔اسرائیلی، صیہونی، یہودی، فلسطینی کون ہیں؟
ساتھ لگی تصویر 1936 میں برطانیہ کے خلاف لڑنے والے فلسطینی باغیوں کی ہے۔

سوالات وجوابات

SaleemJamali

برٹش نے جب انخلا کیا تو کیا اپنی فوج کو وہاں رہنے نہیں دیا۔جس طرح ہندوستان سے انخلا کہ وقت کیا تھا۔

WaharaUmbakar

ہندوستان سے انخلا کے بعد برٹش آرمی ہندوستان میں نہیں رہی

SaleemJamali

سر بٹش آرمی نے ہندوستان سے انخلا کس تاریخ کو کیا تھا

WaharaUmbakar

برٹش آرمی نے اگست 1947 سے ہندوستان سے ان خلا شروع کر دیا تھا۔یہ فروری 1948 میں مکمل ہوا۔

SaleemJamali

اس بیچ بھارت اور پاکستان میں کشمیر کہ کنٹرول حاصل کرنے پر معرکہ ہوئے اُن میں ان کا کیا کردار رہا؟
غیر جانبدار رہے یا ان میں برٹش آرمی نے بھی حصہ لیا

WaharaUmbakar

اس میں برٹش آرمی کا کچھ حصہ نہیں تھا۔سپریم کمانڈر کلاڈ آچنلاک تھے۔انہوں نے واضح طور پر ہدایات دی تھیں کہ انڈیا پاکستان کے درمیان تنازعے کی صورت میں برٹش افسران اس میں شرکت نہیں کریں گے۔
یہ 1947 میں جاری کردہ Standdown order تھا۔

SaleemJamali

سر برٹش کے خلاف لڑنے والے باغیوں میں عورتوں نے بھی حصہ لیا تھا؟

WaharaUmbakar

فلسطینی جنگجوؤں میں خواتین کی شمولیت ہمیشہ سے رہی ہے۔ ساتھ لگی تصویر پی ایل او فدائین کے بیروت میں 1976 کے مارچ کی ہے۔

SaleemJamali

سر برٹش کا اس علاقے (فلسطین) کو اسطرح الوداع کہنا کیا درست تھا۔؟

مناسب ہوتا اگر وہ ہندوستان کی طرح وہاں بھی دو ریاست یا اس سے دیگر ریاستیں قائم کرواتا اور پھر انہیں الحاق کا بھی حق دیتا۔

WaharaUmbakar

دونوں بہت مختلف تھے۔ برٹش کی انڈیا پر حکومت پرانی تھی۔ آبادی پر کنٹرول تھا۔ کسی اور ملک کا علاقے میں عمل دخل نہیں تھا۔ یہاں کے بالکل پڑوس میں میں فرانسیسی مینڈیٹ تھا اور فرنچ کی اس علاقے پر نظر رہی تھی۔ انڈیا میں سیاسی جماعتیں تھیں۔ جمہوری عمل تھا۔ میچور سیاسی قیادت تھی جن کے ساتھ ملکر حل نکال لئے گئے تھے۔

یہاں پر ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ برٹش نے اس مسئلے کو نئے بننے والے ادارے کے سپرد کر دیا۔ اس کے حصے میں آنا والا یہ پہلا مسئلہ تھا۔ یہ اقوامِ متحدہ کا ادارہ تھا۔ اس نے اپنی طرف سے جو حل نکالا، اس کے مطابق یہاں پر دو ریاستیں بننی تھیں (اور ایک شہر عالمی انتظامیہ کے پاس رہنا تھا)۔ لیکن اس کے پاس عملدرآمد کروانے کا طریقہ نہیں تھا۔

ShafiqAhmad

فلسطینی باغی کیسے ٹھہرے؟

ShafiqAhmad

شاید برطانیہ کے کردار میں اتنی سادگی نہیں۔ چند ہی سالوں میں ایک پوری قوم کو ایک علاقہ میں آموجود ہونے دینا، اور تقریبا ہر قدم پر مقامی آبادی کے مقابلے میں اس کی حمایت وغیرہ۔ چھ فیصد علاقہ کے قابضین کو چھیاسٹھ فیصد علاقہ کی پیشکش وغیرہ، جدید اسلحہ کی فراوانی وغیرہ

WaharaUmbakar

برطانوی قبضے کے خلاف یہودی مسلح بغاوت 1944 میں شروع ہوئی تھی اور اس میں ارگن اور لیہہ ملیشیا نے برٹش کو بھاری نقصان پہنچایا تھا۔ اقوامِ متحدہ میں برٹش نے اسرائیل کے قیام کے حق میں ووٹ نہیں دیا تھا۔

"چھ فیصد علاقہ کے قابضین کو چھیاسٹھ فیصد علاقہ کی پیشکش وغیرہ" یہ فقرہ بالکل بھی درست نہیں ہے۔

SaleemJamali

جب آپ کی کوشش غیر جانبداری کا مظاہرہ کرنا ہوگی تو مجاہد کی جگہ باغی لکھنا ہی آپ کے حق میں بہتر ہو گا۔۔۔اگر فلسطینیوں کو باغی لکھنے کا مقصد غیر جانبداری کہ علاوہ کچھ اور ہے تو سر اس کی وضاحت پیش کرنی چاہیے۔کیا فلسطینیوں کی تحریک کو باغی کا نام دینا مناسب ہے؟

WaharaUmbakar

"کیا فلسطینیوں کی تحریک کو باغی کا نام دینا مناسب ہے؟"

کونسی تحریک کو؟جس تحریک کے بارے میں لکھا ہے، اسے فلسطینی "الثورہ" کہتے ہیں۔اس کا اردو میں ترجمہ بغاوت ہے۔انگریزی میں اس کو revolt کہا جاتا ہے۔

SamiaBano

سر کیا ایران بھی سلطنت عثمانیہ کا حصہ تھا؟

WaharaUmbakar

نہیں۔موجودہ ایران کا علاقہ عثمانی سلطنت کا حصہ کبھی نہیں رہا۔

ShafiqAhmad

1945 کا عرب نقشہ لگائیے تاکہ فلسطین اور ہمسایہ ممالک کی حدود کا پتہ چلے!

WaharaUmbakar

اس جگہ کا نقشہ جب یہ برٹش مینڈیٹ کے زیر تحت تھا۔

ShafiqAhmad

اردن اور فلسطین ایک اکائی تھے تو اس اکائی کا نام کیا تھا؟

WaharaUmbakar

British Mandate for Palestine

ShafiqAhmad

1936 میں "فلسطینی" شہروں میں ہنگامے پھوٹے؟ کچھ شہروں کی تفصیل یا مثال؟

WaharaUmbakar

یروشلم، الخلیل، رام اللہ، نابلس

ShafiqAhmad

میں آپ سے اظہار محبت کر سکتا ہوں؟

WaharaUmbakar

کمنٹ کو لائیک کر سکتے ہیں

ShafiqAhmad

تیس نومبر 47 کو انخلا کے بعد اس علاقہ کا قانونی اور عملی منتظم کون تھا مئی 48 تک؟

WaharaUmbakar

مئی 1948 تک یہ برٹش مینڈیٹ کا حصہ تھا۔ اگرچہ برٹش عملداری نہیں تھی

ShafiqAhmad

ذیلی انتظام کس کے پاس تھا؟ یہ صوبہ تھا تو نام کیا تھا اور حدود کیا تھیں؟

WaharaUmbakar

کسی کے پاس نہیں۔ 1947 سے 1949 تک یہاں جنگ ہوتی رہی۔

ShafiqAhmad

آخری جملے میں مذکور فلسطینی پر بھی تفصیلی بات کیجیے گا۔ یعنی مسلم فلسطینی اور غیر مسلم فلسیطینی۔ اسی طرح علاقہ کی غیر عرب مسلم آبادی کو بھی شامل کیجیے گا تاکہ آبادی خاکہ بہتر پیش ہو سکے۔ شکریہ

WaharaUmbakar

اگلی چند اقساط اسی سب کے بارے میں۔ اور اس دوران جس چیز کی وضاحت ٹھیک نہ ہو، اس کو کمنٹس میں پوچھا جا سکتا ہے۔

SufiHassan

کیا یہ بات سچ ہے کہ ہٹلر کا یہودیوں کے ساتھ جو سلوک تھا وہ خود یہودیوں کی ایک جماعت کے کہنے پر کیا جا رہا تھا تاکہ ایک ریاست قائم کی جا سکے۔ وضاحت کردیں

WaharaUmbakar

نہیں، یہ بات سچ نہیں ہے۔

RahberRahber

محترم ہٹلر کی یہودیوں سے نفرت کی کیا وجہ تھی؟

WaharaUmbakar

نازی آئیڈیولوجی کے مطابق یورپیوں کی نورڈک نسل باقی سب سے برتر تھی۔ اور اس ماسٹر ریس کا خالص معاشرہ سب مصائب حل کر سکتا تھا۔ اس میں صرف یہودی نشانہ نہیں بنے تھے۔ اس کے بارے میں پڑھنے کے لئے

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/2171893279579936

SardarIrfanZulfiqar

سر ہولوکاسٹ پہ تحقیق کرنے پر کچھ ممالک میں پابندی ہے؟ اس کی وجہ؟

WaharaUmbakar

ہولوکاسٹ پر تحقیق پر پابندی نہیں۔ کئی یورپی ممالک میں ہولوکاسٹ denial کے حوالے سے قوانین ہیں۔

AyyubMalik

Sir app ne Congress ka tu ziker kia lekin muslim league ka nai kia kia Muslim league British colonialism Kay haq mein thi?

WaharaUmbakar

نہیں، مسلم لیگ برٹش کالونیل ازم کے حق میں نہیں تھی۔

RahberRahber

محترم مسلم لیگ نے فلسطین کے حوالے سے کوئی بیان تو دیا ہو گا یا کوئی قرارداد۔۔۔ فلسطین کی تاریخ میں انڈیا کے حوالے سے مسلم لیگ ہی وہ جماعت تھی جو اس کاز کو سپورٹ کر سکتی تھی۔ شکریہ

WaharaUmbakar

فلسطین کے مسئلے کا تعلق انڈیا سے نہیں ہے۔

RahberRahber

محترم فلسطین کے مسئلے کا تعلق امریکہ اور یورپ سے بھی نہیں ہے۔لیکن وہاں اس حوالے سے بہت چرچے اور احتجاج ہوئے ہیں۔اسی تناظر میں آپ سے انڈین مسلم لیگ کے کردار کے بارے میں سوال کیا گیا ہے۔شکریہ

WaharaUmbakar

آزادی سے قبل ہندوستان کے تمام سیاسی قائدین فلسطین کاز کے حق میں تھے۔جب عرب بغاوت ہوئی تھی تومسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے برٹش پر تنقید کی تھی اور عرب مطالبات کی حمایت کی تھی۔

AyyubMalik

OK sir phir muslim league ka Congress Kay Saath hi ziker hona chahiye why not!

WaharaUmbakar

وہ کیوں؟

AyyubMalik

App Kay baqool Congress ney India mein British colonialism Kay against kaam kia tha jab k muslim league was more against British colonialism than Congress after 1928, that is my point.

WaharaUmbakar

آپ کا پوائنٹ نوٹ کر لیا ہے۔کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کا مرکزی مطالبہ پاکستان کے قیام کا تھا۔ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ ہو۔ہندوستان کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا اس پر رائے دے سکے گا۔

ShafiqAhmad

تصویر میں فلسطینی عسکریوں کو حریت پسند بھی کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

WaharaUmbakar

جو اردو جانتے ہیں یا پھر سفارتی بیانات ترتیب دیتے ہیں، وہی لفظوں کے کھیل بہتر بتا سکیں گے۔میری اردو عام سی ہے۔

ShafiqAhmad

چلیں پھر ہم پر اعتماد کر لیجئے اور آزادی پسند لکھ ڈالیے۔ہاہاہا(مجھے ایموجیز کا استعمال نہیں آتا)

WaharaUmbakar

کیا کہیں کوئی غلامی پسند بھی ہوتا ہے؟تمام انسان آزادی پسند ہیں۔بغاوت کرنے کی جرات ہر کوئی نہیں کرتا۔

RizwanAhmad

سرجنگ عظیم کے آغاز سے برٹش کے انخلا تک ایک خلا ہے تحریر میں۔اس دوران کیا ہوا کہ برٹش کو انخلا کرنا پڑا، اور اسرائیلی اتنے طاقتور کیسے ہوگئے؟تفصیل سے جواب دیں تو بہت نوازش ہوگی۔

WaharaUmbakar

اس پر تفصیل بارہویں قسط میں ہوگی۔اس سے اقتباس

یہاں پر ایک سوال یہ کہ آخر ایسی کیا وجہ رہی کہ 1948 کی جنگ میں اسرائیل نے کامیابی حاصل کی؟اسرائیلی نیشلسٹ تاریخ دانوں نے اس فتح کے گرد شجاعت کی mythology تخلیق کی ہے۔لیکن فتح کی عملی وجوہات تھیں۔اس کی چار وجوہات سمجھی جاتی ہیں۔

عرب افواج متحد اور ایک کمان کے تحت نہیں تھیں۔ مصر کی واحد دلچسپی نقب کے علاقے میں تھی۔ سیریا کی الجلیل میں جبکہ اردن کی مغربی کنارے میں۔اس کے برخلاف اپنے تمام تر اختلافات کو ایک طرف رکھ کر اسرائیلی جنگی مقصد میں متحد تھے۔ایک مشترک

ایجنڈا تھا جو اسرائیل کا دفاع تھا۔بن گوریان کے ریاست کی تشکیل کے اعلان کے ساتھ ہی کئے جانے والے پہلے اقدامات میں سے چار ملیشیا کو ضم کر کے اسرائیلی ڈیفنس فورس کا قیام تھا۔اگرچہ ان چاروں ملیشیا(ہاگنا، ارگن، لیہے اور پالماک میں نظریاتی اختلافات تھے تھے۔

دوسرا یہ کہ فلسطینی عرب کمیونیٹی میں کوئی تنظیم نہیں تھی۔ برٹش کے خلاف جاری رہنے والی 1936 سے 1939 کی بغاوت کے دوران فلسطینی عرب قیادت ختم ہو چکی تھی یا علاقہ چھوڑ چکی تھی۔قیادت کا خلا تھا۔

تیسرا اہم معاملہ ہتھیاروں کا تھا۔ تمام فریقین پر ہتھیاروں پر پابندی تھی۔اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بندوق دوبارہ لوڈ نہیں کی جا سکتی تھی۔رائفل مرمت نہیں ہو سکتی تھی۔ ٹینک کو دوبارہ کام میں نہیں لایا جا سکتا تھا۔لیکن ہاگنا کے ایجنٹ یورپی ہتھیار بنانے والوں سے نجی تعلقات رکھتے تھے۔ نوٹوں کے بریف کیس لے جا کر ہتھیار خریدنے کی اصل کہانیاں ہیں جس سے اسرائیل کے پاس ہتھیاروں کی سپلائی میں

برتری تھی۔اسلحے کی روزمرہ دیکھ بھال کی صلاحیت میں بھی برتری رہی تھی۔

چوتھا مسئلہ زراعت اور خوراک کا تھا۔اور یہ بہت ہی اہم تھا۔ایک تو یہ کہ فلسطینی زراعت کو بغاوت کے دور میں خاصا نقصان پہنچا تھا۔لیکن اس کے علاوہ بھی یہودیوں نے اس کو آرگنائز کرنے پر بہت توجہ دی تھی۔اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ اسرائیل کو اپنی آبادی کو کھلانے کا مسئلہ نہیں ہوا تھا جبکہ دوسری طرف فلسطینی عرب بمشکل اپنی ضروریات پوری کرنے کے قابل تھے، نہ کہ یہ کہ عرب افواج کو کھلایا جا سکتا۔

اسرائیلی اور یہودی

اسرائیلی کون ہیں؟ اسرائیلی اسرائیل ملک کے شہری ہیں۔ اس کی شہریت کسی بھی ایسے شخص کو ملتی ہے جس کے والدین میں سے کوئی ایک اس ملک کی شہریت رکھتا ہو۔ یا کسی بھی ایسے شخص کو جو ملک میں پیدا ہوا ہو اور اٹھارہ سال سے پچیس سال کی عمر میں شہریت کے لئے درخواست دے اور ملک میں پانچ سال مسلسل رہائش پذیر ہو۔ یا کسی بھی ایسے یہودی امیگرنٹ کو جو "واپسی کے قانون" کے تحت یہاں آئے۔

آج بارہ لاکھ "روسی اسرائیلی" ہیں جو یہاں کی نوے لاکھ آبادی کا پندرہ فیصد ہیں۔ یہ سب سے بڑا گروپ ہیں اور انہوں نے اسرائیل میں اپنا سب کلچر برقرار رکھا ہے۔ روسی زبان کے اخبار اور ٹیلی ویژن چینل بھی ہیں۔ اپنی سیاسی پارٹی "یسرائیل بیطینو" (اسرائیل ہمارا وطن) ہے جو رائٹ ونگ اور سیکولر ہے۔ اس کمیونیٹی کے زیادہ لوگ فلسطینیوں کے بارے میں سخت رویہ رکھتے ہیں اور انہیں کوئی رعایت دینے کے قائل نہیں۔ اس گروپ کی وجہ سے اسرائیلی سیاست کا جھکاؤ دائیں طرف ہے۔

کئی دوسرے ممالک سے آنے والی کمیونیٹیز بھی موجود ہیں۔ ایتھیوپیا سے سوا لاکھ، انڈیا سے تقریبًا اسی ہزار اور درجنوں ممالک سے آنے والے گروپ ہیں۔ اکثریت یورپیوں کی ہے۔ وقت کے ساتھ نسلیں آپس میں مکس ہو چکی ہیں کیونکہ آپس میں شادیاں بہت عام ہیں۔ زیادہ تر لوگ اپنے آباء کے ممالک کی شناخت نہیں رکھتے۔ 80 فیصد یہیں پر پیدا ہوئے اور نصف سے زائد کے والدین بھی یہیں پیدا ہوئے ہیں۔

جب ملک بنا تو زیادہ تر لوگ یورپ سے آئے تھے۔ اس کے بعد لیبیا، یمن اور عراق سے اور پھر دوسرے عرب ممالک سے 1950 اور 1960 کی دہائی میں، جن میں مراکش، تیونس اور مصر سے زیادہ تھے۔ پھر ایتھیوپیا اور سوویت یونین سے۔ نئے آنے والوں کی تعداد اب بہت کم ہے۔

آبادی کا 75 فیصد یہودی ہیں۔ ان میں مذہبی بھی ہیں اور لامذہب بھی۔ (اسرائیل کے پچیس فیصد یہودی اپنے آپ کو لامذہب کہتے ہیں)۔

اکیس فیصد اسرائیلی شہری (اٹھارہ لاکھ) عرب ہیں۔ یہ بھی متنوع ہیں۔ ان میں مسلمان، کرسچن، دروز ہیں۔ ہر ایک کا اپنا کلچر ہے۔ مسلمان سب سے زیادہ ہیں جن کی تعداد اس کا تین چوتھائی ہے۔ مسلمانوں میں 170,000 بدو ہیں جو نیم خانہ بدوش چرواہے ہوا کرتے تھے۔ یہ جنوب میں نقب کے صحرائی علاقے میں رہائش پذیر ہیں۔ نو فیصد کرسچن عرب ہیں جن کے اپنے کئی فرقے ہیں۔ دروز ان میں

سے سب سے الگ ہیں۔

اسرائیلی آرمی کی لازمی سروس سے مسلمان اور کرسچن آبادی کو استثنا ہے لیکن اگر وہ خود رضاکارانہ طور پر فوج میں شامل ہونا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ نقب اور الجلیل کے علاقے کی مسلمان آبادی میں سے اسرائیلی آرمی میں جانے کا رواج رہا ہے۔ باقی آبادی میں سے بہت کم۔

اسرائیلی عربوں کے سیاسی اثر میں اضافہ ہوا ہے۔ اس آبادی میں سے نصف خود کو محبِ وطن اسرائیلی کہتے ہیں اور اپنی شناخت فلسطینیوں سے الگ سمجھتے ہیں۔ باقی میں سے کئی نے فلسطینی نیشنلزم قبول کر لیا ہے اور خود کو اسرائیل کے فلسطینی شہری کہلاتے ہیں اور فلسطینی کاز کے حامی ہیں۔ اسرائیلی یہودیوں کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے نہیں رہتے۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔ حالیہ برسوں میں یہ کشیدگی بڑھی ہے۔ انتہاپسند یہودی انہیں "غدار" کہتے ہیں۔

عرب اسرائیلیوں کے سیاسی حقوق باقی شہریوں جیسے ہی ہیں۔ ووٹ دے سکتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے ممبر بن سکتے ہیں۔ موجودہ پارلیمنٹ میں اٹھارہ عرب ہیں۔ عرب سیاسی جماعتیں ہیں (جو کبھی حکومتی اتحاد کا حصہ نہیں بنیں)۔ مئیر یا جج بن سکتے ہیں۔ اظہارِ رائے اور مذہبی رسومات ادا کرنے کی آزادی ہے لیکن ان کے خلاف تعصب برتے جانے کا مسئلہ موجود ہے۔ (اس کو اسرائیلی حکومت کے کمیشن نے 2003 میں اور رکمیشن رپورٹ میں تسلیم کیا جس میں اس میں بہتری لانے کے اقدات تجویز کئے گئے)۔

اسرائیل میں ابتدائی بیس سال عرب اسرائیلیوں کے لئے سب سے زیادہ مشکل کے تھے۔ 1966 کے بعد اسرائیلی عربوں کو برابری کے حقوق مل گئے۔

آج اسرائیلی یہودی اور عرب عام طور پر اپنے الگ علاقوں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ الگ سکول ہیں اور آپس میں سماجی تعلقات کم ہیں۔ اسرائیلی سوسائٹی کی یہ سب سے بڑی تقسیم ہے۔ (سیکولر اور مذہبی یہودیوں کے درمیان بھی تقسیم ہے لیکن عرب اور یہودی تقسیم سب سے زیادہ تلخ رہی ہے)

یہودی کون ہیں؟

اسرائیلی کی اصطلاح ایک شخص کی شہریت کے لئے ہے جبکہ یہودی کی اصطلاح اس کے مذہبی یا ایتھنک پس منظر کو بیان کرتی ہے۔

یہودی کی تعریف پر خود یہودیوں میں خاصے اختلافات ہیں۔ خاص طور پر اب، جبکہ غیر یہود سے شادیاں عام ہو چکی ہیں۔ اس پر تو عام طور پر اتفاق ہے کہ جو یہودی مذہب پر عمل کرتا ہے (اگرچہ اس کے فرقوں میں خاصا فرق ہے) یا پھر جس کی والدہ یہودی ہے، وہ یہودی

ہو گا۔ جدت پسند گروپ جیسا کہ اصلاحی گروپ یا تجدیدی گروپ والد سے بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ (اس بارے میں Messanic judaism پر تنازعہ رہا جس پر مقدمہ سپریم کورٹ تک گیا جس نے اس گروپ کو کرسچن قرار دے دیا)۔
یہ بھی ممکن ہے اور عام ہے کہ کوئی شخص مذہب کو تسلیم نہ کرتا ہو اور اپنی شناخت یہودی رکھے۔ یعنی یہ ایتھنک اور کلچرل شناخت بھی ہے۔ (اگرچہ کہ یہ ایک نسل نہیں)۔ کئی یہودی (خاص طور پر اسرائیل میں رہنے والے) یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک قوم بھی ہے۔
جدید صیہونیت اسی بنیاد پر ہے۔
اس مختصر تعریف سے یہ تو واضح ہو گیا ہو گا کہ اسرائیلی اور یہودی ایک نہیں۔ ایسے اسرائیلی ہیں جو یہودی نہیں (ایک چوتھائی اسرائیلی ایسے ہیں)۔ دنیا میں کل پندرہ ملین کے قریب یہودی ہیں (یہ تعداد عالمی آبادی کا 0.2 فیصد ہے) جن میں سے اسرائیل میں ساڑھے چھ ملین کے قریب رہائش پذیر ہیں۔ دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ تعداد امریکہ میں ہے جہاں پر چھ ملین یہودی ہیں۔
دنیا میں بکھری مختلف کمیونیٹیز کا اسرائیل کے بارے میں رویہ بھی متنوع ہے۔ بڑی تعداد اس بارے میں جذباتی وابستگی رکھتی ہے۔
لیکن خاص طور پر امریکی یہودیوں میں فلسطین کے بارے میں اسرائیلی پالیسیوں پر تنقید میں حالیہ برسوں میں اضافہ ہوا ہے۔

سوالات و جوابات

ShirazBhai

بہت اعلیٰ, اتنی تفصیلات نہیں معلوم تھیں، یہاں کچھ ایسی سچائی بھی ہے جو الباکستانیوں کو ہضم نہیں ہوں گی جیسے مسلمان کو استشنی وغیرہ

WaharaUmbakar

اس فورم کے زیادہ تر ممبران الباکستانی ہیں اور بہت ہی کم کسی کو ایسی کسی بات پر اعتراض ہوتا ہے۔

ShafiqAhmad

معلوماتی! ایک وضاحت ادھر ہی ہو جائے تو بہتر ہے کہ مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی کے لوگ اسرائیلی نہیں۔ تو عام ذہنوں کا ابہام ختم ہو جائے، جس سے پورے سلسلہ تحریر کو سمجھنے میں مزید آسانی ہو۔

WaharaUmbakar

فلسطینیوں کے بارے میں اس سے اگلی قسط میں۔۔۔

ShafiqAhmad

دائیں اور بائیں کی اصطلاح ہمیشہ سے پیچیدہ رہی میرے لیے، اس کا "قاعدہ کلیہ" کیا ہے؟

WaharaUmbakar

زیادہ تفصیل پھر کبھی لیکن اس سیریز کے لئے: مضبوط گروہی شناخت رائٹ ونگ آئیڈیولوجی کی قدر ہے۔ مثلاً، نیشنلزم رائٹ ونگ کی اقدار میں سے ہے۔اس حوالے سے، نیتن یاہو رائٹ ونگ انتہاپسند ہیں جبکہ نوم چومسکی لیفٹ ونگ انتہاپسند۔

ShafiqAhmad

گویا محور قوم پرستی ہے اس اصطلاح کے لیے

WaharaUmbakar

لازمی نہیں کہ یہ گروہ قوم کی بنیاد پر ہی ہو۔ مثلاً، مضبوط مذہبی شناخت بھی ہو سکتی ہے۔

ShafiqAhmad

ساتھ لگی تصویر پانچ افراد کی ہے! کیا کسی فلسطینی مہاجر کو اسرائیلی شہریت مل سکتی ہے؟

WaharaUmbakar

نہیں۔

ShafiqAhmad

کیوں بھلا؟ تفصیل؟

WaharaUmbakar

مہاجرین کا معاملہ اسرائیل اور فلسطین کے درمیان حل طلب چار بڑے مسائل میں سے ایک ہے۔اس پر دونوں اطراف کی پوزیشن اور سٹیٹس پر تفصیل سے ستائیسویں قسط میں۔۔۔۔

موجودہ علاقوں میں مشرقی یروشلم میں رہائش پذیر فلسطینی اسرائیلی شہریت کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔

AbdulRaufKhan

سر بقیہ 3 کو بھی enumerate کر لیجئے please

WaharaUmbakar

بڑے مسائل جو مذاکرات میں finalsettlement کے لئے رکھے گئے تھے، ان میں یروشلم کا کنٹرول، مہاجرین کی واپسی اور معاوضے کی ادائیگی، فلسطین اور اسرائیل کی سرحدیں اور سیکورٹی ہے۔

ان سب پر تفصیل الگ اقساط میں۔

ShafiqAhmad

مشرقی بیت المقدس کے رہائشی عرب افراد کو استثنی کیوں حاصل ہے؟

ShafiqAhmad

کیا عرب اسرائیلی بلکہ فلسطینی اسرائیلی وزیراعظم بن سکتا ہے یا آرمی چیف وغیرہ یا نہیں؟ وضاحت سے کہئے!

WaharaUmbakar

قانونی طور پر اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ ان عہدوں کے لئے یہودی ہونا شرط نہیں۔

(عبدالماجد ہجر ایک مسلمان اسرائیلی فوجی تھے۔ یہ اس صیہونی ملیشیا کا حصہ تھے جنہوں نے پہلے برطانیہ کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا اور بعد میں عربوں کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا اور شجاعت کے کئی ایوارڈ لئے۔ اسرائیل میں جنگی ہیرو سمجھے جاتے ہیں۔

کئی دوسرے مسلمان افسران بھی عسکری ایوارڈ لے چکے ہیں۔)

ShafiqAhmad

نئے آنے والوں کی تعداد کیوں کم ہو رہی ہے؟ یعنی نئے لوگ اسرائیل کیوں نہیں آ رہے؟

WaharaUmbakar

عرب دنیا سے یا تیسری دنیا کے ممالک سے آنے والے جو بہتر معاشی مواقع کی تلاش میں تھے، وہ ویسے ہی آ چکے ہیں۔ سوویت یونین نے اسرائیل سے تعلقات پر پابندی رکھی تھی۔ اس کے انہدام کے بعد یہاں آمد ہوئی تھی۔ اب ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں سے بڑی تعداد میں آنے کی خواہش رکھتے ہوں۔

ShafiqAhmad

MessianicJudaism والے خود کو کیا قرار دیتے تھے یہودی یا عیسائی؟ مقدمہ سے پہلے؟

WaharaUmbakar

یہ فرقہ دونوں کے درمیان میں ہے۔ یہ خود کو میسائینک جیوز ہی کہتے ہیں۔ دنیا میں زیادہ تر ممالک میں مذہبی شناخت سے کوئی قانونی فرق

نہیں پڑتا لیکن اسرائیل چند ایسے ممالک میں سے ہے جو اس حوالے سے استثنا ہیں۔ یہ معاملہ ایک امیگریشن کیس کی وجہ سے عدالت میں گیا تھا جہاں عدالت نے یہ فیصلہ دیا۔

ShafiqAhmad

مکرر سوال کے لیے عذر، گویا خود کو جیوز قرار دینے والے کو عدالت نے جیوز تسلیم نہیں کیا بلکہ مسیحی قرار دے دیا۔؟

WaharaUmbakar

جی

ShafiqAhmad

سب سے نرم مزاج کون سا یہودی گروہ ہے؟

WaharaUmbakar

فلسطینی کاز کے حوالے سے اسرائیلی کمیونسٹ پارٹی۔

ابتدائی دہائیوں میں جب اسرائیلی عربوں کو اپنی سیاسی پارٹی بنانی کی اجازت نہیں تھی تو عربوں کی زیادہ تعداد اس پارٹی کی حمایت کرتی تھی۔

ShafiqAhmad

اسرائیل میں یہودی آبادی بتدریج فیصدی اعتبار سے کم ہو رہی ہے۔اس کے عوامل کیا ہیں؟

WaharaUmbakar

مذہبی یہودیوں کی شرح کم ہوئی ہے۔شناخت کے حوالے سے یہودیوں کی شرح کم نہیں ہوئی۔

ShafiqAhmad

مذہبی یہودیوں کی شرح کم ہونے کی وجہ؟

WaharaUmbakar

باقی دنیا کی طرح اسرائیل میں بھی مذہبی رجحان میں کمی ہوئی ہے۔وجہ کا علم نہیں۔

ShafiqAhmad

کیا یہ درست ہے کہ کچھ یہودی (تعداد میں کم) اسرائیل/قیام اسرائیل کے مخالف ہیں؟ اس میں کتنی صداقت ہے؟

WaharaUmbakar

یہ درست ہے۔

ShafiqAhmad

اس گروہ کا نام ؟

WaharaUmbakar

ایک گروہ نہیں، کئی طرح کے ہیں۔

https://en.wikipedia.org/wiki/Anti-Zionism

SubhanTamanKhel

اور یہ جو مسلمان اسرائیلی کہلاتے ہیں ان میں زیادہ قادیانی بہائی اور یزیدی ہیں

WaharaUmbakar

آپ کی انفارمیشن بالکل ہی غلط ہے

SubhanTamanKhel

کیوں جی قایانی بہائی کا اسرائیل میں کیا کام

WaharaUmbakar

اگر آپ کو فلسطینیوں کے بارے میں علم نہیں تو کم از کم اتنے غلط دعوے تو مت کیجئے۔
اسرائیلی مسلمانوں میں بھاری اکثریت سنی ہے اور شافعی مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ بہرحال، یہ سیریز فرقہ وارایت پر نہیں۔

SubhanTamanKhel

کچھ عرصہ پہلے ایک ویڈیو دیکھی تھی جس میں اسرائیل کے جنڈے کے ساتھ یہودی عیسائی ملا کے ساتھ قادیانی بہائی یزیدی ملا نظر آتے ہیں جبکہ مسلمان ملا کہیں بھی نظر نہیں آتا

WaharaUmbakar

مجھے یقین ہے کہ آپ نے ایسی ویڈیو دیکھی ہوگی۔ امید ہے کہ کوشش کریں گے کہ آئندہ اپنی معلومات کے لئے بہتر ذرائع کا انتخاب کریں۔

SubhanTamanKhel

یہ شافعی مسلک والے اسرائیل بننے سے پہلے ہیاں آباد تھے ؟ یا پر بعد میں ہیاں آئے ؟

WaharaUmbakar

اسرائیلی مسلمانوں کی بڑی تعداد وہ ہے جو اسرائیل میں پیدا ہوئے یا ان کے والدین یا نانا دادا اس علاقے میں رہتے تھے۔ یروشلم سے

تعلق رکھنے والے کئی فلسطینوں نے بھی اسرائیلی شہریت اختیار کی ہے۔

البتہ، یہاں پر فرقہ واریت پاکستان کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

SubhanTamanKhel

امن و سکون سے زندگی گزارنا یہود کی فطرت نہیں ھے. انہوں نے اپنی قوم زبان اور نسل سے آنے والے انبیا کرام کو بھی سکون کا سانس نہیں لینے دیا. یہودیوں کا مقصد یہ نہیں کہ دنیا انکے عقیدے کے مطابق زندگی گزارے. نہ وہ یہ چاھتے ھیں کہ فلسطین میں انہیں انکی آبادی کے مطابق ایک خطہ مل جائے. انکا مسلہ یہ ھے کہ وہ دنیا کے ھر غیر یہودی کو اپنا غلام بنانا چاھتے ھیں. وہ صرف فلسطین نہیں بلکہ. پوری دنیا میں عالمی یہودی ریاست قائم کرنا چاھتے ھیں. تاکہ گلوبل ویلج کا پریذیڈنٹ کائنات کا گرینڈ آرکیٹیکٹ "دجال اکبر" ھو. یہ دیوانے کی بڑ یا گھڑنتو افسانہ نہیں, عالمی سطح کے جرائد کی اطلاعات ھیں. یہودی اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کیلیے جھوٹ کا سہارا لینے سے دریغ نہیں کرتے بلکہ اس شیطانی عادت کو شیر مادر کی طرح حلالل سمجھتے ھیں.

WaharaUmbakar

کیا آپ کے اپنے کئے گئے پہلے کمنٹ کے بارے میں کنفیوژن دور ہو چکی ہے؟

ShafiqAhmad

مشرقی بیت المقدس کے رہائشی عرب اسرائیلی شہریت کے لیے درخواست کے اہل کیوں ہیں؟ انہیں باقی فلسطینیوں سے استثنیٰ کیوں حاصل ہے؟

WaharaUmbakar

مشرقی یروشلم اس وقت مغربی کنارے سے الگ ہے۔ ان کے درمیان آزادانہ آمدورفت نہیں۔ مشرقی یروشلم اور مغربی یروشلم کے درمیان ایسا نہیں ہے۔ پرانے شہر میں رہنے والے فلسطینی عام طور پر اسرائیلی علاقوں میں ملازمت کرتے ہیں۔ باقی علاقوں کے نہیں۔

یہاں رہنے والوں کو اسرائیل کی مستقل رہائش حاصل ہے۔ اسرائیلی سوشل ویلفیئر پروگرامز سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ باقی علاقوں میں ایسا نہیں ہے۔

SadamHossain

"سیاست کا جھکاؤ دائیں طرف ہے" سے کیا مراد ہے؟

WaharaUmbakar

یہاں پر دائیں طرف کا مطلب نیشنلسٹ سیاست ہے، جس میں وطن سے محبت اہم قدر ہے۔

SadamHossain

بائیں سے کیا مراد ہوتی ہے؟

WaharaUmbakar

لیفٹ ونگ کی سیاست میں زیادہ فوکس انسانی برابری اور کمزور طبقات کی فلاح پر ہوتا ہے۔

SadamHossain

شکریہ محترم

پارلیمنٹ میں بھی میں یہی تصور ہوتا ہے؟ دائیں اور بائیں بازو والے جماعتوں کا

WaharaUmbakar

جی، سیاسی نظریات میں یہی اس کا یہی تصور رہتا ہے۔ مثلاً، انڈیا میں بھارتیہ جنتا پارٹی دائیں بازو کی جماعت ہے۔ اس کی ترجیحات میں انڈین حب الوطنی اہم ہے۔ اس کے مقابلے میں سماج وادی پارٹی یا کمیونسٹ پارٹی بائیں بازو کی ہیں۔ ان کی ترجیحات میں غریب طبقات کی فلاح کی زیادہ اہمیت ہے۔

ShafiqAhmad

کیا اب بھی ایک لاکھ ستر ہزار عرب بدوی لوگ خانہ بدوش ہیں؟

WaharaUmbakar

نہیں۔ نقب اور الجلیل (گلیلی) میں بدو قبائل تھے جو سیٹل ہو چکے ہیں۔

RafiqueKalar

یھودیوں کو تاریخ میں اتنی نفرت کا سامنا کیوں کرنا پڑا ہے

WaharaUmbakar

ہر علاقے میں اور ہر دور میں تو ایسا نہیں۔ لیکن کئی جگہوں پر ایسا ہوا ہے۔ رومی سلطنت، انیسویں صدی کے روس اور بیسویں صدی کے نازی دور میں خاص طور پر۔ اس بارے میں ہر تحریک کا اپنا پس منظر رہا ہے۔

الرجال دا فظیع

Judaism or Zionism men kia farq he?

WaharaUmbakar

الرجال دا فظیع تین ہزار سال قبل یہودہ (Judea) کی بادشاہت اس علاقے میں ہوتی تھی۔ یہودی یا Judaism یہاں سے نکلا ہے۔ اب یہ ایک مذہبی شناخت ہے۔ صیہونی ایک نیشنلسٹ تحریک ہے جس کا مطلب یہودیوں کے لئے الگ ملک کا حق ہے۔

الرجال دا قطیع

صیہونی یعنی زایونسٹ؟

WaharaUmbakar

جی۔ صیہون یا Zion پرانے یروشلم شہر کے قریب ایک پہاڑی ہے۔ یہ اصطلاح اس کے نام پر ہے۔

JunaidTahir

اسرائیل نے اپنے اندر موجود عربوں اور مسلمانوں کو شہریت اور تمام حقوق دیے ہیں جبکہ اردن نے نہیں اسکی کیا وجہ ہے؟

WaharaUmbakar

اردن نے فلسطینی مہاجرین کو شہریت 1950 میں دی۔ اردن کے قانون کے مطابق یہ شہریت ان فلسطینی غیر یہودیوں کے لئے ہے، جو 1949 سے 1954 کے درمیان اردن میں آئے اور یہاں پر رہائش اختیار کی۔

اردن کے موجودہ شہریوں (تریسٹھ لاکھ کی آبادی) میں سے نصف سے زیادہ وہ لوگ ہیں جن کے اجداد کا تعلق 1948 سے پہلے موجودہ اسرائیل یا مغربی کنارے سے تھا۔

اردن نے اپنی پالیسی 1988 میں تبدیل کی، جب اس نے مغربی کنارے پر اپنا حق چھوڑ دیا۔ اسکے بعد اردن نے کئی ایسے لوگوں سے شہریت واپس لے لی جو مغربی کنارے سے شہریت کی خاطر اردن آئے تھے۔ اس سے چالیس ہزار لوگ متاثر ہوئے۔ ہیومن رائٹس واچ کی طرف سے اس پالیسی پر احتجاج کیا گیا۔ 2012 میں اردن نے ایسا کرنا ختم کیا اور ان لوگوں کو اردن کی شہریت واپس مل گئی۔

فلسطینی کون ہیں؟

دہائیوں تک فلسطینیوں کی شناخت سے انکار کیا جاتا رہا۔ اسرائیلی وزیرِاعظم گولڈا مائیر نے 1969 میں کہا تھا کہ "فلسطینی کوئی چیز نہیں"۔ باقی دنیا میں بھی فلسطینیوں کو "عرب" کے طور پر دیکھا جاتا رہا جن کی اپنی شناخت نہیں۔ اسرائیل نے فلسطینیوں کو باقاعدہ طور پر 1978 میں تسلیم کیا۔ میڈیا میں ان کے بارے میں منفی تاثر رہا۔

مسئلہ فلسطین کو اس سادہ فیکٹ کے بغیر سمجھا ہی نہیں جا سکتا کہ فلسطینی خود کو ایک قوم کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اگرچہ کہ ان کے پاس اپنی ریاست نہیں۔ ان کی ریاست کا اجتماعی مطالبہ اس مسئلے کی بنیادی وجہ ہے۔ جلاوطنی اور بے ریاست ہونے نے ان کی قومی شناخت کو مضبوط کیا ہے۔ فلسطینیوں کی شناخت کا ایک مرکزی ستون ان کا اجتماعی صدمہ ہے جسے "النکبہ" کہا جاتا ہے، جس کے معنی "بڑی آفت" کے ہیں۔ یہ 1948 میں ان کی زمینیں چھین کر ان کو بے دخل کرنے کی ٹریجڈی تھی۔ فلسطینی شناخت مقابلتاً نئی ہے۔ بیسویں صدی سے پہلے ایسی باقاعدہ شناخت نہیں تھی۔

لیکن نئی ہونے کا مطلب اس کا انکار یا اسے کمزور کہنا نہیں۔ نیشنلزم خود ایک جدید کلچرل اور سیاسی فینامینا ہے۔ اس سے پہلے "قوم" کی جدید تعریف موجود ہی نہیں تھی۔ لوگ خود کو اس طریقے سے شناخت نہیں کرتے تھے۔ مقامی آبادی کی پہلی باقاعدہ بغاوت مصر کے قبضے کے خلاف 1834 میں ہوئی تھی لیکن اس وقت شہری اور گاؤں کی بنیاد پر یا قبائلی یا مذہبی شناخت تھی۔ انیسویں صدی کے آخر میں عرب نیشنلزم کے آنے کے بعد عرب شناخت بھی پیدا ہوئی تھی۔ یہ "نوجوان ترکوں" کی حکومت کے دور میں ترک کلچر کے خلاف ردِعمل تھا۔

فلسطینی نیشنلسٹ تنظیمیں پہلی بار جنگِ عظیم اول کے بعد بنیں جب عثمانی سلطنت ختم ہوگئی تھی۔ پہلی فلسطینی کانگریس یروشلم میں 1919 میں ہوئی۔ اس میں اپنے ملک کا مطالبہ نہیں کیا گیا بلکہ قرارداد میں کہا گیا کہ "ہم فلسطین کو شام کا حصہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے قومی، لسانی، مذہبی، معاشی اور اقتصادی روابط ہیں"۔

بہت ساری دیگر قوموں کی طرح فلسطینی قوم جدید تخلیق ہے۔ اور یہ اس کی اہمیت کو قطعاً کم نہیں کرتا۔ (قدیم ہونا کسی کو زیادہ اہم نہیں بنا دیتا)۔

آج فلسطینی ہونے کے لئے فلسطینی علاقے (مغربی کنارے اور غزہ) میں رہائش پذیر ہونا ضروری نہیں۔ نہ ہی تاریخی فلسطین (بشمول اسرائیل) کے علاقے میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ کئی فلسطینی دنیا کے مختلف ممالک میں رہائش پذیر ہیں جو کبھی فلسطین نہیں گئے اور نہ ہی

عربی بولتے ہیں لیکن خود کو فخر سے فلسطینی کہتے ہیں۔ ان کی شناخت ان کی وراثت (والدین یا پھر والدین کے والدین) سے آتی ہے اور ان کی وابستگی کی وجہ قومی بیانیہ اور اجتماعی یادداشت ہے۔

دنیا میں ساڑھے بارہ ملین فلسطینی ہیں جن میں نصف اسرائیل کے علاقے میں رہتے ہیں (بارہ فیصد اسرائیل میں جبکہ اڑتیس فیصد غزہ اور مغربی کنارے میں)۔ غزہ، اسرائیل اور مغربی کنارے میں رہنے والے تین گروپ آپس میں گہرا تعلق رکھتے ہیں لیکن ان میں فرق بھی ہیں، جن میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسرائیل میں رہنے والے اسرائیلی شہریت رکھتے ہیں اور انہیں آزادی اور مواقع میسر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو 1948 میں نکالے نہیں گئے تھے۔ باقی دو علاقوں پر اسرائیل نے 1967 میں قبضہ کیا تھا۔ انہیں شہریت نہیں دی گئی۔ مغربی کنارے میں الگ حکومت ہے جبکہ غزہ میں الگ۔ اس کے علاوہ مشرقی یروشلم میں پونے چار لاکھ فلسطینی ہیں اور ان کا سٹیٹس باقی سب سے الگ ہے۔ انہیں اسرائیل میں کام کرنے کی اجازت ہے اور فلاحی پروگراموں تک رسائی بھی ہے۔ ان کا قانونی درجہ اسرائیلی ریزیڈنٹ کا ہے۔

دوسرا سب سے بڑا گروپ اردن میں ہے جہاں بیس لاکھ فلسطینی ہیں۔ زیادہ تر کے پاس اردن کی شہریت ہے۔ اگلا بڑا گروپ سیریا میں تھا لیکن خانہ جنگی چھڑ جانے کے بعد انہیں لبنان کی طرف نکال دیا گیا یا فرار ہونا پڑا۔ لبنان کی آبادی کا دس فیصد (ساڑھے چار لاکھ) فلسطینی مہاجرین ہیں۔ یہاں انہیں کئی شعبوں میں کام کرنے کی اجازت نہیں، جائیداد رکھنے کی اجازت نہیں۔ صحت اور تعلیم کی سرکاری سہولت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ زیادہ تر مہاجر کیمپوں میں رہ رہے ہیں جو اقوامِ متحدہ چلا رہی ہے۔ زیادہ تر شدید غربت میں ہیں۔

عرب ممالک سے باہر فلسطینی کمیونیٹی وسطی اور جنوبی امریکہ، مغربی یورپ اور امریکہ میں ہے۔

فلسطینیوں میں نوے فیصد مسلمان ہیں۔ چھ سے سات فیصد کرسچن ہیں۔

فلسطینی شناخت کا انکار کیوں کیا جاتا ہے؟ ایک وجہ تو یہ ہے کہ کئی لوگوں کو پہچاننے میں دشواری ہوتی ہے۔ "یہ عرب ہی تو ہیں"۔ اور اگر آپ اسرائیلی ہارڈلائنر ہیں تو کہیں گے کہ مراکش سے عمان تک 22 عرب ممالک ہیں۔ ایک اور ملک کاہے کے لئے؟ اور کیا یہ بائیس ممالک انہیں جگہ نہیں دے سکتے؟ یہ دلائل اسرائیل میں دہائیوں سے دئے جا رہے ہیں۔[1] اور یہ وجہ ہے کہ اس کو "عرب اسرائیل تنازعہ" کہنا فلسطین میں بہت ناپسند کیا جاتا ہے۔

فلسطینی عربی زبان بولتے ہیں۔ کلچر کے حوالے سے باقی عربوں سے کئی چیزیں مشترک ہیں لیکن جتنے مختلف لبنانی، مصری یا عمانی ایک دوسرے سے ہیں، اتنے ہی فلسطینی بھی۔ پین عرب ازم یا عرب قومیت کے نظریے کا عروج 1950 کی دہائی کے آخر اور 1960 کی دہائی کے ابتدائی برسوں میں تھا۔ لیکن 1967 کے بعد فلسطینی نیشلزم نے اس کی جگہ لے لی۔

عرب خود ایک قوم نہیں۔ کلچر اور تاریخ میں کئی چیزیں مشترک ہیں لیکن ان میں خاصا تنوع بھی ہے۔

عالمی تاثر میں ایک اور بڑی غلط فہمی عربوں اور مسلمانوں کو آپس میں مکس کرنے کی ہے۔

کُل پینتیس کروڑ عرب ہیں جن میں سے تقریباً سوا کروڑ عرب غیر مسلم ہیں۔ جبکہ وسیع تر مسلمان دنیا میں عرب مسلمان آبادی کا بیس فیصد ہیں۔ یعنی دنیا کے 80 فیصد مسلمان غیر عرب ہیں۔ (مسلمان آبادی کے سب سے بڑے پانچ ممالک عرب نہیں)۔ ساتھ لگی تصویر فلسطینی شہر رام اللہ میں لی گئی ہے۔

سوالات و جوابات

گیانچند میگھواڑ

اس شہر کا نام رام اللہ کیسے پڑا؟ اس کی لغوی معنی یا کوئی تاریخی پس منظر کا معلوم ہو تو براہ کرم بتائیے گا.

WaharaUmbakar

رام اللہ شہر سولہویں صدی میں قائم ہوا۔ راما کے معنی اونچی جگہ کے ہیں۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے۔ رام اللہ کا مطلب "اللہ کی اونچی جگہ" کے ہیں۔

SaithAshfaq

is shahar ka asal name ramala ha musalman ko ramala hi bolna aur likhna chahye warna musalman ghunahghar ho ga ram jo ha wo hindu ka bhaghwan ha aur hamara ALLAHA ha

WaharaUmbakar

اس شہر میں رہنے والے خواہ مسلمان ہوں یا کرسچن، اپنے شہر کو رام اللہ کہتے ہیں۔ عسانیوں کے حدید خاندان نے اسے سولہویں صدی میں آباد کیا تھا۔ اس کے معنی "اللہ کی اونچی جگہ" کے ہیں۔ مغربی میڈیا اس کا عربی تلفظ ادا نہیں کر سکتا تو یہ بگڑ کر رامالا بن جاتا ہے۔

کس شہر کا نام لینے میں گناہ یا ثواب کتنا ہوتا ہے۔ وہ آپ بہتر جانتے ہوں گے۔ مجھے اس بارے میں کوئی انفارمیشن نہیں۔

HammadRao

Sir wikipedia sy li gayi is pic me aik area "philistia" k nam sy mention ha, 2800 saal

Is bary me kya kahain gy pehly

The Philistines were an ancient people who lived on the south coast of Canaan from the 12th century BC until 604 BC, when their polity, after having already been subjugated for centuries by Assyria, was finally destroyed by King Nebuchadnezzar II of Babylonia.[1] After becoming part of his empire and its successor, the Persian Empire, they lost their distinct ethnic identity and disappeared from the historical and archaeological record by the late 5th century BC.[2] The Philistines are known for their biblical conflict with the Israelites. Though the primary source of information about the Philistines is the Hebrew Bible, they are first attested to in reliefs at the Temple of Ramses III at Medinet Habu, in which they are called Peleset[4] (accepted as cognate with Hebrew Peleshet);[3] the parallel Assyrian term is Palastu,[b] Pilisti,[c] or Pilistu.[d][4]

Yahan kuch mazeed info is bary me

Although the concept of the Palestine region and its geographical extent has varied throughout history, it is now considered to be composed by the modern State of Israel, the West Bank and the Gaza Strip.[34] General use of the term "Palestine" or related terms to the area at the southeast corner of the Mediterranean Sea beside Syria has historically been taking place since the times of Ancient Greece, with Herodotus being the first historian writing in the 5th century BC in The Histories of a "district of Syria, called Palaistine" in which Phoenicians interacted with other maritime peoples.[35][36] The term "Palestine" (in Latin, Palæstina) is thought to have been a term coined by the Ancient Greeks for the area of land occupied by the Philistines, although there are other explanations.[37]

WaharaUmbakar

وکی پیڈیا پر انفارمیشن درست ہے۔آپ کا سوال کیا ہے؟

AnjumGillani

سر یہ مشرقی یروشلم کیوں کہا جاتا ہے....کیا مغربی یروشلم بھی ہے......اس کی وجہ....؟؟؟

WaharaUmbakar

جب 1949 میں جنگ بندی ہوئی تو مغربی یروشلم وہ حصہ تھا جو اسرائیل کے پاس تھا اور مشرقی یروشلم اردن کے پاس۔

HammadRao

سر میرا سوال فلسطینی قومیت کے قدیم تاریخی وجود سے متعلق ہے۔۔۔اوپر موجود معلومات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے پاس 3000 سال پہلے بھی اپنے اپنے علاقے تھے۔جو کہ موجودہ تقسیم سے بہت مماثلت رکھتے ہیں۔۔۔۔تو کیا فلسطینی بھی مصری قوم کی کیطرح ایک قدیم پس منظر و شناخت رکھتے ہیں جو بعد میں مصریوں کیطرح عرب کہلائے جانے لگے۔

WaharaUmbakar

دو الگ چیزیں اور بالکل مختلف تصورات ہیں۔

انڈیا کا علاقہ بہت پرانا آباد ہے۔انڈیا کا نام سکندرِ اعظم کے وقت سے ہے۔انڈیا میں رہنے والے ہزاروں سال سے ہیں۔انڈین شناخت برٹش دور کی ہے۔

UmarAsghar

شہر کا نام رام اللہ نہیں "رملّہ" ہے

WaharaUmbakar

مغربی میڈیا میں اسے رملہ ہی کہا جاتا ہے۔یہاں وہ نام لکھا ہے جو یہ شہر کے رہنے والے استعمال کرتے ہیں

UmarAsghar

ہو سکتا ہے

WaharaUmbakar

ساتھ تصویر میں ایک بہت مشہور کتاب کا سرورق ہے جو اس شہر سے تعلق رکھنے والے فلسطینی مصنف مرید البرغوثی نے لکھی ہے۔اس کا انگریزی میں ترجمہ اس نام سے ہے I Saw Ramallah

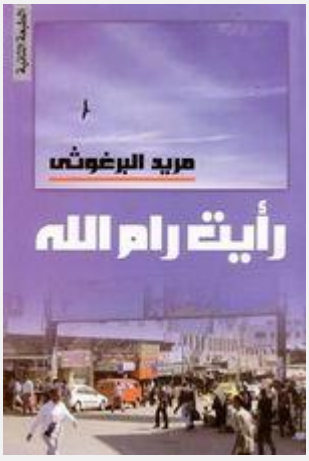

ShafiqAhmad

" فلسطینی یہودی" کوئی اصطلاح ہے؟ یعنی مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی کے یہودی۔ انہیں کیا کہا جاتا ہے۔ اس پر کچھ کہئے ! "عرب یہودی/یہودی عرب" پر بھی بولیے

WaharaUmbakar

اس علاقے کے عرب یہودیوں نے اسرائیلی شہریت اختیار کر لی تھی۔ یہ مضراہی یہودی ہیں۔ غیر اسرائیلی عربوں میں یہودی نہیں ہیں۔

ShafiqAhmad

گویا سوا کروڑ فلسطینی آبادی میں سے اکثر آبادی کے پاس کوئی نیشنیلٹی نہیں !

WaharaUmbakar

مغربی کنارے اور غزہ کی تقریبًا چھالیس لاکھ آبادی ہے جس کی پاس فلسطینی شہریت ہے۔ یا پھر سفر کے لئے فلسطین کا پاسپورٹ بنتا ہے۔ اس کا اجرا اپریل 1995 میں ہوا تھا اور دنیا کے زیادہ تر ممالک میں قبول کیا جاتا ہے۔ البتہ اس کو "نیم ریاست" کہا جا سکتا ہے۔
مختلف ممالک میں موجود فلسطینی diaspora کی اکثریت کو اپنے میزبان ممالک کی شہریت مل چکی ہے، تاہم لبنان میں فلسطینی مہاجرین کے پاس شہریت نہیں۔

MohammadAamir

استاد محترم آپ کے خیالات کیمطابق اسرائیل اور فلسطین میں چھڑی خون ریزی کی جامع وجہ اور اس کا اختتام کیسے ہو گا کوئی انکشافات؟
ابھی تک مسلم اُمہ اسرائیل کیخلاف کیوں سرخم کئے ہوئے ہے؟
مجھے ان تین سوالات کے جوابات درکار ہیں مشکور رہونگا۔

WaharaUmbakar

اسرائیل اور فلسطینیوں کی آپس میں مسلح جنگ کی تاریخ اسرائیل کے قیام سے قبل ہے اور اس حوالے سے 1947 سے 1949 تک جاری رہنے والی جنگ ہے جو سب سے اہم تھی اور جس نے علاقے کا نقشہ بنایا۔ دونوں کا ایک ہی زمین پر دعویٰ تھا۔ جنگوں کی بنیادی وجہ تو یہی رہی ہے۔ اس حوالے سے تمام جنگوں کی تفصیل اس سیریز میں آئندہ کی اقساط میں۔

اس کے جلد اختتام کی امید نہیں۔ جب اوسلو معاہدے ہوئے تھے تو خیال تھا کہ دو الگ ریاستوں (اسرائیل اور فلسطین) کا قیام اس کا حل ہے اور معاملات حل ہونے کے قریب ہیں۔ اب اس بارے میں امید اتنی نہیں رہی۔

دوسرا حل ایک ریاستی ہے۔اس میں اسرائیل کی ایک ہی ریاست ہوگی جس میں دو قومیں، عرب اور یہودی ہوں گے۔ابتدائی برسوں میں پی ایل او کا یہی موقف تھا کہ ایک جمہوری، سیکولر ریاست ہو جس میں دونوں قومیں رہیں۔اس موقف کو اس نے 1988 میں تبدیل کر لیا۔

ایک اور تین ریاستی حل ہے۔اس کے مطابق مغربی کنارے کا علاقہ اردن ضم کر لے (پہلے یہ اردن کے پاس ہی تھا) اور غزہ کا علاقہ مصر ضم کر لے (یہ پہلے مصر کے پاس ہی تھا)۔فلسطینی اس سے اتفاق نہیں کرتے۔

ایک اور صفر ریاستی حل ہے۔ اس کے مطابق فلسطینوں کو اردن شہریت دے اور مغربی کنارے کا علاقہ اسرائیل ضم کر لے۔ فلسطینیوں کو یہاں رہنے کا حق ہو۔

فی الحال حالات جس سمت جا رہے ہیں، وہ ایک ریاستی حل نہیں بلکہ ایک ریاستی حالت ہے۔جس میں تمام علاقے کا اسرائیل کے پاس کنٹرول ہے۔

ان سب پر تفصیل بھی آئندہ کی اقساط میں

مسلم امہ اس پر سر خم نہیں کئے ہوئے۔

TariqAhmadAwan

سر کیا عرب لوگ ،عرب ممالک کے باہر بھی ہیں؟ اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ مکس ہوگئے ہیں اور اب ان کی پہچان ان علاقوں کی نسبت ست ہوتی ہے جہاں وہ اب رہتے ہیں؟ یا عرب صرف ،عرب ممالک میں ہی ہیں؟

اور کیا عرب ممالک میں صرف عرب لوگ ہی ہیں یا اور اقوام کے لوگ بھی جو اب عرب میں رہنے کی وجہ سے عرب کہلاتے ہیں؟

WaharaUmbakar

جی، عرب دنیا بھر میں ہیں۔(ویسے ہی جیسے پاکستانی یا کوئی اور)۔سب سے زیادہ عرب تارکینِ وطن برازیل، ترکی، امریکہ میں رہائش پذیر ہیں۔ساتھ لگے نقشے میں یہ دکھایا ہے کہ یہ دنیا میں کہاں پر ہیں۔

عرب ممالک میں بھی اچھی تعداد میں غیر عرب ہیں۔کرد، بربر، صومالی وغیرہ ان ممالک کے شہری ہیں جہاں عرب اکثریت میں ہیں۔

Tariq Ahmad Awan

me hal hi me apna arab watan chor k Europe ki shehriat hasil karny waly arbo ki bat ni kar ra . me un purany arbo ki bat kar ra hon jo sadyo pehly jangein kar k ,ilaqy qabza kar k wahi pe reh gaye ho ,or ab zyada arsa guzarny k bad wo wahi ki shanakhat apnaye hon ... jesy k Pakistan me bhut se qabilo ka dawa he k wo arbi un nasal hen ..

WaharaUmbakar

جی، عرب دوسرے علاقوں میں جاکر رہائش اختیار کرتے رہے ہیں، اگرچہ یہ بڑی تعداد میں نہیں ہوتا تھا۔ان میں تاجر زیادہ رہے ہیں۔ مشرقی افریقہ، جنوبی انڈیا، انڈونیشیااور ملیشیا کے جزائر صدیوں سے ایسے پڑاؤ رہے ہیں۔

AbdullahRajpoot

Sir ap MIT k student hn?

WaharaUmbakar

زمانہ طالبعلمی ختم ہوئی بہت عرصہ ہو چکا ہے۔

AbdullahRajpoot

I have heard that you are a former scientist of NASA

WaharaUmbakar

Me too

MohammadFahad

سر کیا فلسطینیوں کا آپس میں اتحاد نہیں ہے کیوں کے وہاں ان کی نا فوج ہے نا کوئی ایڈمنسٹریشن نا ہی کوئی سیاسی پارٹی۔

WaharaUmbakar

فلسطین میں سیاسی جماعتیں موجود ہیں۔انتظامیہ موجود ہے۔پولیس اور بیوروکریسی ہے۔پارلیمنٹ ہے۔البتہ آپس میں اتحاد نہیں۔حماس اور الفتح کی آپس میں خانہ جنگی 2007 میں ہوئی تھی۔

SajidMehmood

سر انیس سو اڑتالیس میں ان کی زمینیں چھیننے کی تفصیل تو بتائیے گا، وہ زمین کی خریداری والی قسط میں اس سے پہلے کا ذکر تو ہے مگر النکبہ کی تفصیل درکار ہے ڈیئر سر۔ اور یہ سوال جو اکثر اٹھایا جاتا ہے کہ برطانیہ نے اور دوسرے یورپی ممالک نے ایک سازش کے تحت

یہودیوں کو موجودہ اسرائیل میں بسایا یہ کس حد تک سچ ہے تھوڑی روشنی اس پہلو بھی۔

WaharaUmbakar

فلسطینیوں کو ان کے علاقوں سے نکالا گیا۔اس سے اگلی قسط کا عنوان النکبۃ ہے۔اور اس کا کچھ ذکر اس میں آئے گا۔

جب بھی سازش کا ذکر ہو تو پھر سوال یہ ہو گا کہ سازش کیا اور کیوں۔

یہودی اس علاقے میں 1882 سے آکر آباد ہونا شروع ہوئے تھے جب پوگوم کے وقت روس سے تیس ہزار اس علاقے میں پہنچے تھے۔

آمد کی سب سے بڑی لہر نازی پالیسی کے سبب ہوئی تھی۔اس آمد کا ذکر ایک پچھلی قسط میں ہے۔

UsmanHassan

سرپانچ بڑے مسلم، غیر عرب ممالک کون سے ہیں؟؟؟

WaharaUmbakar

سب سے زیادہ مسلمان جس ملک میں ہیں، وہ انڈونیشیا ہے۔دوسرے نمبر پر انڈیا، تیسرے پر پاکستان، چوتھے نمبر پر بنگلہ دیش اور پانچویں پر نائیجیریا

علاقہ

یہ بہت چھوٹا علاقہ ہے۔ اسرائیل، غزہ اور مغربی کنارے کا کل رقبہ دس ہزار مربع میل ہے۔ (موازنے کے لئے: یہ صوبہ سندھ کا پانچواں حصہ ہے)۔ نہ صرف یہ چھوٹا ہے بلکہ قدرتی وسائل کی بھی کمی ہے اور خاص طور پر پانی کی۔ زیادہ حصہ صحرائی ہے اور انسانی آبادی کے لئے نامہربان ہے۔ زرخیز زمین اور پانی کی کمی کا مطلب یہ ہے کہ یہ وسائل اہم ہیں۔ اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے لئے انہیں چھوڑ دینا آسان نہیں۔ ہر خطہ زمین اور پانی کا ہر قطرہ اہم ہے۔ اور اس حقیقت نے لڑائی کی شدت میں اضافہ کیا ہے۔ زمین کو تقسیم کرنا یا شئیر کرنا آسان نہیں ہے۔

چھوٹے علاقے کا یہ بھی مطلب ہے کہ اسرائیلی اور فلسطینی قریب قریب رہتے ہیں۔ اگرچہ کہ ملٹری چیک پوائنٹس کی وجہ سے آپس میں میل ملاپ نہیں۔ فلسطینی اور اسرائیلی آبادی کے مراکز کے درمیان فاصلے بہت کم ہیں۔ یروشلم کا فاصلہ ہیبرون (الخلیل) سے تیس کلومیٹر ہے۔ تل ابیب کا فاصلہ رام اللہ سے پینتالیس کلومیٹر ہے۔ جب مطلع صاف ہو تو مغربی کنارے کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر تل ابیب کی عمارتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ سدیوروٹ کا شہر غزہ سے ایک میل کے فاصلے پر ہے (یہاں پر سب سے زیادہ راکٹ گرتے ہیں)۔ اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے لئے خود کو محفوظ سمجھنا مشکل ہے جب "دشمن" اتنا قریب ہو۔

اسرائیل کے ہمسائے سیریا، لبنان، اردن اور مصر ہیں۔ دمشق اور بیروت کا حیفہ سے فاصلہ سو میل سے کم ہے۔

اگر اسرائیل چھوٹا ہے تو مغربی کنارہ اور غزہ بہت چھوٹے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ ان میں بنائی گئی ایک کالونی بھی بڑا مسئلہ ہے۔

فلسطین عثمانی دور میں ایک صوبہ رہا تھا جس پر استنبول سے چار سو سال حکومت کی جاتی رہی اور اس کے مختلف انتظامی حصے تھے۔ اس علاقے کی موجودہ سرحدیں 1916 میں کھینچی گئی تھیں۔

اس علاقے پر موجودہ کنٹرول اسرائیل کا ہے۔ اس سے قبل تیس سال تک برٹش کا رہا تھا۔ جس سے قبل چار سو سال تک عثمانیوں کا (درمیان میں دس سال مصریوں کا)۔ عثمانیوں نے انہیں مملوک سے چھینا تھا جو سوا دو سو سال حکومت کرتے رہے۔ مملوک نے دو صدیوں کے صلیبی قبضے سے اسے حاصل کیا تھا۔ صلیبیوں نے فاطمیوں کو شکست دی تھی جنہوں نے سلجوق سے اسے حاصل کیا تھا۔ سلجوق نے عربوں کی چار صدیوں کی حکومت ختم کی تھی۔ عربوں نے اسے بازنطینیوں سے فتح کیا تھا جنہوں نے رومی سلطنت کے زوال کے بعد اس پر قبضہ کیا تھا۔ یہ اس علاقے کی دو ہزار سالہ حکمرانی کی تاریخ ہے۔ اس سے قبل، قبلِ مسیح میں یہ یونانی، فارسی، بابل، اسیرین، اسرائیلی، مصری اور کنعانی حکمرانوں کے پاس رہ چکا ہے۔

اس دوران نقل مکانی اور آبادکاری ہوتی رہی۔ فتوحات اور قبضے کی ایسی تاریخ یہاں سے خاص نہیں، ایسی ہی تاریخ دنیا کے ہر علاقے کی ہے۔ کسی بھی جگہ کی طرح "مقامی" کے لفظ کے معنی صرف یہی ہوتے ہیں کہ آپ تاریخ دیکھنا کب سے شروع کر رہے ہیں۔

سوالات و جوابات

UzmaMalik

سر تاریخ لکھتے ہوے کن چیزوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے؟

WaharaUmbakar

تاریخ پر لکھنے کے لئے پہلے تاریخ کو سمجھنا ضروری ہے۔

اگر کسی کتاب میں تاریخ اس نکتہ نظر سے لکھی گئی ہے کہ "اس نے یہ اس لیے کیا کہ وہ evil یا پھر good تھا" یا وہ کمتر قوم یا گروہ ہے وغیرہ ہے تو پھر سمجھ لیں کہ اس میں تاریخ نہیں لکھی گئی۔ اگر ایسی کتابوں سے دور رہا جائے تو تاریخ آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

ShafiqAhmad

اسرائیل کن علاقوں پر قابض ہے؟

1۔ گولان کی پہاڑیاں، غزہ، مغربی کنارہ اور مشرقی بیت المقدس۔ گولان شام سے، مغربی کنارہ اور مشرقی بیت المقدس اردن سے، تو غزہ کس سے قبضہ میں لیا؟

2۔ بقیہ کا اسرائیل کے لئے علاقہ کس طرح حاصل کیا گیا؟

WaharaUmbakar

گولان ہائیٹس سیریا سے لیا گیا۔ اسرائیل نے 1981 میں اسے باقاعدہ طور پر ضم کر لیا۔ سیریا کا اس پر دعویٰ ہے اور دنیا کے اکثر ممالک

اس بارے میں سیریا سے اتفاق رکھتے ہیں۔

مغربی کنارہ اور مشرقی یروشلم کا علاقہ مجوزہ فلسطین ریاست کا حصہ تھا۔ یہ وہ علاقہ ہے جسے اردن 1949 کی جنگ بندی میں اپنا حصہ بنایا۔ 1967 کی جنگ کے بعد یہ اسرائیل کے پاس چلا گیا۔ اس پر اب اردن کا دعویٰ نہیں ہے۔ اسرائیل کا بھی اس پر دعویٰ نہیں ہے۔ لیکن اس کا کچھ حصہ ضم کرنے کا خواہشمند ہے۔ (آخری مذاکرات، جو اولمرٹ اور محمود عباس کے درمیان ہوئے، اس میں یہ اس علاقے کا چھ فیصد تھا جس کے بدلے اسرائیل اپنی کچھ زمین دینے کو تیار تھا۔ یہ مذاکرات ناکام ہوئے، اب اسرائیل اس کا بڑا حصہ ضم کرنے کا پلان رکھتا ہے تاہم اعلان کے باوجود اس پر تاحال عمل نہیں کیا گیا)۔

مشرقی یروشلم پر بھی اردن کا دعویٰ نہیں ہے۔ لیکن اسرائیل کا اس پر 1980 سے اپنا حصہ ہونے کا باقاعدہ دعویٰ ہے۔

غزہ کا علاقہ بھی مجوزہ فلسطین کا حصہ تھا۔ 1949 کی جنگ بندی کے بعد یہ مصر کے پاس چلا گیا۔ 1967 کی جنگ کے بعد سینا کے پورے علاقہ پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا۔ یہ علاقہ اسرائیل کے اپنے سائز سے زیادہ ہے۔ انوار السادات کے ساتھ جب امن معاہدہ ہوا تو سینا کا علاقہ اسرائیل نے خالی کر دیا، جبکہ غزہ اس کے پاس رہا۔ مصر کا اس پر دعویٰ نہیں۔ اسرائیل کا بھی اس پر دعویٰ نہیں۔

دو اور علاقے رہے ہیں جہاں پر اسرائیل قابض رہا۔ جنوبی لبنان کا علاقہ اسرائیل نے اٹھارہ سالہ قبضے کے بعد خالی کیا تھا جبکہ سینا پر دو بار قبضہ کیا۔ پہلی بار دوسری عرب اسرائیل جنگ میں جسے جلد خالی کر دیا۔ دوسری بار تیسری عرب اسرائیل جنگ میں۔ یہاں پندرہ سال قبضہ رہا اور یہاں آبادیاں بھی بسالی تھیں جن کو امن معاہدے کے بعد خالی کیا گیا۔

ShafiqAhmad

شکریہ۔ سوال نمبر دو کا جواب دیجیے

WaharaUmbakar

بقیہ نقشہ 1949 کی جنگ بندی لائن ہے۔ ساتھ نقشے میں سرخ میں وہ علاقہ ہے جو اقوامِ متحدہ کی قرارداد 181 میں تھا۔ جبکہ سرخ لکیر جنگ بندی کی لائن تھی اور یہ آج کا نقشہ ہے۔

ShafiqAhmad

جب اسرائیل کا قیام اقوام متحدہ کی قرارداد سے ہوا تو اقوام متحدہ کی طرف سے اس کا نقشہ کیا بتایا گیا قانونی طور پر؟

(جیسے پاکستان کا نقشہ اگست 47 میں ہی بتایا گیا)

WaharaUmbakar

مندرجہ ذیل نقشہ اقوامِ متحدہ کی قرارداد 181 میں منظور کیا گیا۔ اس میں سبز رنگ میں یہودی ریاست، بھورے رنگ میں عرب

ریاست جبکہ سفید کا علاقہ (یروشلم) انٹرنیشنل کنٹرول میں رہنا تھا۔

ShafiqAhmad

یہ تو مجوزہ ہوا۔ قانونا کون سا جاری ہوا؟ اسرائیل نے 48 میں اپنا سرکاری نقشہ کون سا جاری کیا؟

ShafiqAhmad

اقوام متحدہ میں اسرائیل نے کون سا نقشہ داخل کروایا ہے؟

WaharaUmbakar

اوپر دیا گیا نقشہ وہ ہے جو اقوامِ متحدہ کی قرارداد کا حصہ تھا۔ اقوامِ متحدہ میں ممالک اپنا نقشہ داخل نہیں کرواتے۔ اقوامِ متحدہ قانون نافذ کرنے کا ادارہ نہیں۔ کوئی بھی ملک اپنا کوئی بھی نقشہ بنا سکتا ہے۔ نقشے میں کوئی بھی تبدیلی کر سکتا ہے۔ اسرائیلی وزارتِ خارجہ کی ویب سائٹ پر اسرائیل کا نقشہ ساتھ تصویر میں

ShafiqAhmad

درست ہے لیکن میرا سوال اس تناظر میں تھا کہ ایک ملک (اسرائیل) جب اپنی بناء ایک قرارداد پر رکھ کر بنا تو اس قرارداد کے نقشہ کو تسلیم کیا اڑتالیس میں؟ اور اب اس نقشہ کو تسلیم کرتا ہے؟

WaharaUmbakar

پوپ کی قیادت سے یا پوپ کی حمایت سے صلیبی جنگیں ہوئی تھیں۔ ان فتوحات میں بننے والی ریاستیں صلیبی ریاستیں کہلاتی ہیں جن میں یروشلم کی بادشاہت بھی تھی۔ Crusader states کا 1135 تک نقشہ کچھ ایسا تھا

ShafiqAhmad

بازنطینی کون تھے ؟

WaharaUmbakar

رومی سلطنت چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں منہدم ہوئی ہوئی تھی۔ یہ دو میں تقسیم ہو گئی تھی۔ مغربی رومی جو رفتہ رفتہ تحلیل ہو گئی اور مشرقی رومی جو بازنطینی کہلائی۔ اس کا خاتمہ عثمانیوں کے قسطنطنیہ پر قبضے کے بعد پندرہویں صدی میں ہوا۔ بازنطینیوں کا ساتویں صدی کا نقشہ

ایم طاہر

مملوک نے دو صدیوں کے صلیبی قبضے کو ختم کیا۔ صلیبی قبضے کی مدت کا عرصہ کیا ہے

WaharaUmbakar

1099–1291

ایم طاہر

1187 میں بیت المقدس فتح ہو گیا تھا تو باقی عرصہ کون سے علاقے صلیبیوں کے پاس تھے

WaharaUmbakar

صلیبی ریاستوں کا ایک نقشہ ساتھ کی تصویر میں

صیہونی

روسی زار الیگزینڈر دوئم کو یکم مارچ 1881 کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ان کے بیٹے الیگزینڈر سوئم حکمران بنے۔ آتے ساتھ ہی انہوں نے روس میں اپنے والد کا شروع کیا گیا اصلاحات کا پروگرام ختم کر دیا اور سول آزادیوں پر پابندی لگا دی۔ زار نے اس قتل کا الزام یہودیوں پر لگایا اور ان کو ملک کے تمام مسائل کا ذمہ دار قرار دے دیا۔ اس کے ساتھ ہی ملک میں یہودی مخالف مظاہرے (پوگوم) شروع ہو گئے۔ یہودیوں سے آزادی سلب کر لی گئی۔ اسرائیل کے بننے میں یہ واقعہ بہت اہم رہا ہے۔

روس سے یہودیوں کا اخراج شروع ہوا اور پہلی جنگِ عظیم تک پچیس لاکھ روس سے جا چکے تھے۔ کئی امریکہ گئے، کئی یورپ، کئی ارجینٹیا، جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا اور کئی فلسطین۔ چونکہ یہ نئے ممالک میں اچانک وارد ہو جانے والا گروپ تھا، اس لئے انہیں نئی جگہوں پر خوش آمدید نہیں کہا گیا۔ دوسری طرف، دنیا میں انیسویں صدی کا آخر وہ وقت تھا جب سلطنتیں گر رہی تھیں اور ان کی جگہ ممالک لے رہے تھے۔ دنیا سیاسی طور پر نئے طریقے سے منظم ہو رہی تھی۔ اینٹی یہودیت اور نیشنلزم نے صیہونیت کو جنم دیا۔ صیہونیت یہودیوں کے لئے الگ ملک کا مطالبہ تھا۔

یہاں پر سوال کہ آخر زار کے قتل پر یہ یہودیوں کے ساتھ ہی کیوں کیا گیا؟ اس کے جواب کے لئے ہمیں اٹھارہویں صدی میں جانا ہو گا۔ روسی سلطنت توسیع پسندانہ تھی۔ اٹھارہویں صدی میں اس نے سب سے زیادہ جنگیں عثمانی سلطنت کے خلاف لڑیں تھی لیکن فارس اور مشرقی یورپ اور یورپی پاورز کے ساتھ بھی اس کی جنگیں ہوتی رہی تھیں۔ 1772 میں اس نے آسٹریا اور پروشیا کے ساتھ ملکر پولینڈ پر قبضہ کر لیا اور اس علاقے کو ان تینوں سلطنتوں نے بانٹ لیا۔ پھر یہ مزید تقسیم 1792 میں ہوا۔ یہاں پر جو حصہ تھا، یہاں یہودیوں کی بڑی تعداد صدیوں سے آباد تھی۔ یہاں رہنے والے آبادی اچانک سلطنت کا حصہ بن گئی۔ ان کا طرزِ زندگی مختلف تھا۔ اور یہ روسی اشرافیہ کے لئے تشویش ناک تھا۔ 1791 میں روسی ملکہ کیتھرین نے ان کا یہ حل نکالا کہ سلطنت کی مغربی سرحد پر ان کے لئے خاص علاقہ بنا دیا۔ اس علاقے کو Jewish pale of settlement کہا جاتا تھا۔ یہودی اس علاقے سے باہر نہیں رہ سکتے تھے۔ اور باہر رہنے کے لئے انہیں خاص اجازت نامے کی ضرورت تھی۔

روس نے انہیں "روسی" بنانے کے لئے قوانین بنائے۔ یہ پابندی لگائی گئی کہ کونسے پیشوں میں جا سکتے ہیں۔ 1827 میں ان کے نوجوانوں کے لئے آرمی میں جانا لازم کر دیا، جہاں انہیں پچیس سال گزارنے ہوتے۔ ان کو روسی بنانے کے لئے سرکاری سکول 1841

میں بنائے گئے۔

ان سے صدیوں سے جاری روایتی یہودی معاشرتی سٹرکچر کمزور پڑ گئے۔ لیکن دوسری طرف یہ سوسائٹی کا باقاعدہ حصہ نہیں بن پائے۔ ان کو باقی شہریوں سے الگ طور ہی دیکھا جاتا تھا۔

اور چونکہ یہ تعصب مذہبی یہودی یا غیر مذہبی یہودی کے درمیان تفریق نہیں کرتا تھا، اس کا اثر یہ ہوا کہ یہودی کمیونیٹی خود، بطور کمیونیٹی، مضبوط ہوتی گئی۔ یہ صرف مذہبی شناخت نہیں رہی تھی۔

جب اس پس منظر میں روسی زار کا قتل ہوا تو قاتلوں کے گروپ میں سے ایک یہودی کے ہونے کے سبب تمام الزام اس کمیونیٹی پر آیا اور پوگوم شروع ہوئے۔ 1882 میں روسی حکومت نے قانون منظور کر لیا جس کے تحت یہودیوں پر زمین کی ملکیت پر پابندی لگا دی گئی۔ ان کے لئے رہائش کی جگہ بہت محدود کر دی گئی۔ دیہات میں رہنے پر پابندی لگا دی گئی۔

شہروں تک اور چند پیشوں تک محدود ہو جانے کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ دستیاب مواقع میں یہودیوں نے اپنی جگہ ڈھونڈ لی۔ جب روسی ریلوے 1850 سے 1870 کے درمیان بن رہی تھی تو ایجنٹ، اسسٹنٹ اور سپلائی کا کام ان کے پاس آ گیا۔ زراعت ان کے لئے منع تھی تو تجارت میں مہارت حاصل کر لی۔ شہروں میں ان کا تناسب بڑھنے لگا۔ 1860 میں وارسا میں 41,000 یہودی تھے۔ 1900 میں یہ 220,000 ہو چکے تھے۔ اوڈیسا میں پچیس ہزار سے بڑھ کر ڈیڑھ لاکھ۔ دنیا بھر میں صرف چار فیصد یہودی زراعت سے وابستہ رہ گئے تھے جبکہ 75 فیصد کامرس، انڈسٹری اور پروفیشنل شعبوں سے۔ شہروں میں ہونے کا مطلب یہ بھی تھا کہ شہری سماجی اور سیاسی تحریکوں سے ان کا زیادہ واسطہ تھا۔ یہ شہروں میں رہنے والی مضبوط کمیونیٹی تھی، جو الگ شناخت رکھتی تھی۔ جب دنیا میں نیشنلزم ابھرنا شروع ہوا تو یہ موافق حالات تھے جہاں پر ایک نیشنلسٹ تحریک بن سکتی تھی۔ اور یہ نیشنلسٹ تحریک صیہونیت تھی۔ اور اس کو سب سے بڑی کامیابی روسی یہودیوں میں ہوئی۔ اس کا مقصد یہودیوں کے لئے الگ ملک کا قیام تھا۔

جدید صیہونیت کا بانی تھیوڈور ہرزل کو کہا جاتا ہے۔ ان کا تعلق ہنگری سے تھا اور انہوں نے نتیجہ نکالا تھا کہ یہودیوں کو اپنا ملک چاہیے جہاں وہ آزاد رہ سکیں۔ (ہرزل کی اپنی خاص دلچسپی فلسطین میں نہیں تھی۔ انہوں نے پہلے ارجنٹینا کی تجویز دی تھی اور بعد میں مشرقی افریقہ کی)۔

ہرزل کے خیال اور پیغام نے توجہ حاصل کی۔ سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل میں پہلی صیہونی کانفرنس 1897 میں ہوئی جس میں دو سو شرکاء تھے۔ یہاں پر فلسطین کو اپنے ملک کی جگہ تجویز کیا گیا اور ہرزل تنظیم کے صدر منتخب ہو گئے۔

اگلے برسوں میں ہرزل پوری دنیا میں اس آئیڈیا کے حق میں عالمی سپورٹ حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتے رہے۔ عثمانی سلطان، جرمن قیصر، روسی اور برٹش سرکاری اہلکاروں سے ملاقاتیں کیں۔ صرف برٹش حکومت نے مدد کی حامی بھری۔ اور اس کے لئے مشرقی افریقہ کا علاقہ تجویز ہوا، جو برٹش کے زیرِ نگیں تھا۔ اس کو یوگنڈا سکیم کہا جاتا ہے اور یہ علاقہ "گواس گیشو" کا تھا جو برٹش کی مشرقی افریقہ پراکٹوریٹ کا پہاڑی علاقہ تھا۔ (آج یہ کینیا کا حصہ ہے)۔ ہرزل نے اس تجویز کو 1903 میں چھٹی صیہونی کانگریس میں پیش کیا، جہاں پر اسے قبول نہیں کیا گیا۔ خاص طور پر روسی یہودیوں کی طرف سے اس کی مخالفت آئی۔ صیہونی کانگریس نے اس سکیم کی حمایت کی لیکن اس پر اختلافات تھے۔ اس سے اگلے سال ہرزل کا انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر اس وقت چوالیس سال تھی۔ ساتویں صیہونی کانگریس 1905 میں ہوئی جہاں پر یوگنڈا پروپوزل کو مسترد کر دیا گیا۔ کانگریس میں فلسطین میں وطن کے مطالبے پر اتفاق کر لیا گیا تھا۔ ساتھ لگی تصویر باسل میں منعقد ہونے والی صیہونی کانگریس کی۔

سوالات و جوابات

M.Umar

سر ایک خیال یہ بھی ہے کہ برطانیہ جان بوجھ کر مقبوضہ علاقوں کو خالی کرتے ہوئے ان میں اس طرح کے جھگڑے چھوڑ گیا تا کہ یہ ملک آپس میں لڑتے رہیں اور برطانیہ نے جو ان کی دولت لوٹی ہے اس کا حساب نا ہو سکے

WaharaUmbakar

ایسے خیال کا حقیقت سے تعلق نہیں۔

AqeelaBasit

اور ایک بات مشہور ہیکہ ٹشو پیپر پر یہودیوں نے دنیا کے نقشے بنائے اور نیو ورلڈ آڈر تحریر کیا. اس کی کیا حقیقت ہے

WaharaUmbakar

ٹشو پیپر کی ایجاد 1857 میں ہوئی اور کمرشل دستیابی 1880 کی دہائی میں۔جس صورت میں ٹشو پیپر سے ہم واقف ہیں، اس کا استعمال ہوتا ہے، یہ ٹوپلائی ٹشو پیپر 1935 کی ایجاد ہے۔

ٹشو پیپر پر نقشہ میں اور آپ بھی بنا سکتے ہیں لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ کاغذ پر بنانا زیادہ مفید ہوتا۔

صیہونی تحریک کا مطالبہ دنیا کے نقشے میں اپنے ملک کا اضافہ کرنا تھا اور یہ مقصد انہوں نے کامیاب سے 1948 میں حاصل کر لیا تھا۔

ZakirUllah

Bae.russia mai red .octobr ya balshovek revolution ko jews or ashakanazi revolution jaha jata hai ap ne iss revolution se pehli ki russian jews ki halat ka tazkera kea hai.bae zara jews conspiracy for 1 world war 2nd world war aor russian 1917 revolution pr kuch roshni dalo.ap ki mehrabani hogi

WaharaUmbakar

بالشویک انقلاب میں یہودیوں کا خاص کردار نہیں۔اس کو یہودی یا اشکنازی انقلاب نہیں کہا جاتا۔اس تحریک میں شامل ٹراٹسکی یا بیلا کون جیسے کچھ لوگ یہودی پس منظر سے بھی تھے، لیکن یہ انقلاب معاشی نظام کی تبدیلی اور زار کی حکمرانی کے خلاف تھا۔

یہودی ہمارے جیسے انسان ہیں، ہم سے برتر مخلوق نہیں کہ دنیا پر زیادہ اثر رکھیں۔

AtiqUrRehman

سر ہٹلر نے اپنی آپ بیتی میں لکھا ہے کہ سوشلزم اور، جمہوریت وغیرہ پر مکمل تحقیق کے بعد یہ معلوم ہوا کہ ان کے پیچھے یہودی ہیں خود کارل مارکس بھی یہودی تھے۔کیا یہ تاثر محض ہٹلر کا ہے یا امر واقع بھی یہی ہے؟

WaharaUmbakar

کارل مارکس کے نانا یہودی تھے۔ان کی تمام فیملی کرسچن کنورٹ ہوگئی تھی۔مارکس خود ایتھیسٹ تھے۔۔

ہٹلر انٹلکچوئل نہیں تھے۔ایسا ممکن ہے کہ وہ خود سوشلزم اور جمہوریت کے بارے میں ایسا ہی سمجھتے ہوں۔

SyédTáqîHàssãnNaqvī

کیا یہ کہنا ٹھیک ہو گا کہ یہودی آج اس انڈسٹری، کامرس اور دیگر شعبوں میں ترقی اس لیے کر چکے ہیں کیونکہ ماضی میں روس نے انھیں زراعت سے بے دخل کر کے انھیں صنعت، پروفیشنلزم اور کامرس میں جگہ دی تھی اور انہوں نے ان شعبوں میں تجربہ اور مہارت

حاصل کر لی تھی؟

WaharaUmbakar

یہ ایک فیکٹر ہے لیکن بڑا فیکٹر ایک اور رہا ہے۔ یہودی شناخت مضبوط ہونے کا مطلب یہ تھا کہ دور دراز کے علاقوں میں یہودی دوسرے یہودی پر بھروسہ کر سکتے تھے۔ تجارت بھروسے پر چلتی ہے۔ چھوٹی کمیونیٹی جو آپس میں بہت مضبوط تعلق رکھتی ہو اور مختلف علاقوں میں پھیلی ہو۔۔۔ تجارت کے لئے آئیڈیل ہے (ایسی گروپس پاکستان میں بھی ملیں گے)۔

یہودی میڈیسن میں یا قانون میں بھی بہت کم تھے۔ ان کی مہارت فائننس، بینکاری اور کامرس میں تھی۔

RahberRahber

محترم یہودیوں کا یوگنڈا پرووزل کو مسترد کرنا اور فلسطینی علاقوں کو وطن قرار دینے کی کوئی وجہ بھی ہوگی۔ آپ کی پوسٹ کے مطابق اس مسئلے پر انکی دو بار کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس کے علاوہ بھی بحث مباحثہ ہوا ہوگا۔ کیا تاریخ اس بارے میں خاموش ہے؟ شکریہ

WaharaUmbakar

صیہونی کانگریس 38 بار ہو چکی ہے۔ ابتدا میں ہر ایک سے دو سال بعد ہوا کرتی تھی۔ اب ہر پانچ سال بعد ہوتی ہے۔ آخری بار یہ اکتوبر 2020 میں ہوئی۔ تین روز جاری رہی۔ کووڈ کی وجہ سے اس مرتبہ آن لائن تھی۔ (پوسٹ میں چھٹی اور ساتویں کانگریس کا ذکر ہے)۔ تاریخ ان کے بارے میں بالکل خاموش نہیں۔ یہ پبلک ایونٹ ہے۔ اس بار ہونے والے ایونٹ کی کارروائی کو اس لنک سے دیکھا جا سکتا ہے۔

اقوامِ متحدہ

برطانیہ کے خلاف فلسطینی بغاوت 1939 تک ختم ہو چکی تھی۔ اس میں عرب نوجوانوں کی بڑی تعداد ہلاک یا زخمی ہوئی تھی۔ اس کے بعد انہیں غیر مسلح کر دیا گیا تھا۔ اس میں مرنے والوں میں پانچ ہزار عرب، چار سو یہودی اور دو سو برٹش تھے۔ تین سال تک جاری رہنے والی اس تحریک سے نکلنے والے کئی نتائج تھے۔

اس دوران یہودی ملیشیا بنی تھیں، خاص طور پر ہاگنا جس نے 1948 کی جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا۔ دوسرا یہ کہ اس سے یہ طے ہو گیا تھا کہ یہ دونوں قومیں اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ اس سے تقسیم اور دو الگ ممالک کے قیام کے آئیڈیا نے جنم لیا۔ تیسرا یہ کہ عرب مطالبات تسلیم کرتے ہوئے برطانیہ نے یہودیوں کی آمد پر پابندی لگا دی تھی۔ زمینوں کی ٹرانسفر روک دی گئی تھی۔

جنگِ عظیم دوئم شروع ہو گئی۔ اٹلی نے اتحاد جرمنی سے کیا۔ دس جون 1940 کو اٹلی کی طرف سے فلسطینی علاقے پر پہلی بمباری ہوئی جو حیفہ اور تل ابیب میں کی گئی تھی۔

جنرل رومیل کی قیادت 1942 میں جرمن فوج شمالی افریقہ میں سوئز نہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خیال تھا کہ یہ فلسطین کو فتح کر لے گی۔ اس دور کو "خوف کے دو سو دن" کہا جاتا ہے۔ دفاع کے لئے برٹش نے یہودی ملیشیا ہاگنا سے جنگجو لے کر پالماک بنائی۔ یہ برٹش کی تربیت یافتہ ایلیٹ فورس تھی۔ جو بعد میں پہلی عرب اسرائیل جنگ میں صیہونی فورس بنی۔ جنگِ عظیم میں حصہ لینے کے لئے فلسطین ریجمنٹ بنی جس میں اگرچہ عرب بھی تھے لیکن زیادہ تعداد یہودیوں کی تھی۔

یہاں پر سوال کہ برٹش نے دوسری جنگِ عظیم میں فلسطینیوں کے مقابلے میں یہودیوں سے زیادہ مدد کیوں لی؟ اس کے لئے ہم فلسطینی تاریخ کے اہم کردار حاجی امین الحسینی کا تعارف لیتے ہیں جنہیں فلسطینی نیشلزم کا بانی کہا جاتا ہے۔ وہ بیک وقت صیہونیوں، برٹش اور اردن کے شاہ عبداللہ کے شدید مخالف تھے۔ اور تاریخ کے اس اہم موڑ پر سب سے بااثر فلسطینی راہنما تھے۔

امین نے جنگِ عظیم اول میں عثمانی فوج کی طرف حصہ لیا تھا۔ بعد میں عثمانیوں کے خلاف اٹھنے والی عرب بغاوت میں شامل ہو گئے۔ جب برٹش نے یہاں سپریم مسلم کونسل بنائی تو اس کے صدر منتخب ہوئے۔ برٹش انتظامیہ نے انہیں یروشلم کا مفتی بنایا تھا۔ 1922 سے 1936 تک برٹش کے حامی رہے۔ بعد میں راہ الگ کر لی اور برٹش مخالف ہو گئے۔ جہاں پر کئی مسلمان قائدین یہودیوں کے ساتھ

معاملات مذاکرات کے ذریعے طے کرنے کے حق میں تھے، امین اس بارے میں بالکل بے لچک تھے۔ تمام برٹش تجاویز اور اقدامات مسترد کر دئے۔ برٹش اور اقوامِ متحدہ کے آگے فلسطینی مقدمہ پیش کرنے والے ڈاکٹر حسین اور العالمی کی
مخالفت کی۔ انہیں برٹش ایجنٹ قرار دے دیا، جس سے ان دونوں کی پوزیشن بے وقعت ہو گئی۔
انہوں نے فلسطین کاز کو بڑا نقصان اس وقت پہنچایا جب انہوں نے دوسری جنگِ عظیم میں فاشسٹ اٹلی اور نازی جرمنی کی حمایت کر دی۔ اگرچہ نازی آئیڈیولوجی کے مطابق عرب کمتر نسل تھے لیکن امین کی نظر میں برٹش کی مخالفت کے لئے کچھ بھی کیا جا سکتا تھا۔ انہوں نے اٹھائیس نومبر 1941 کو ایڈولف ہٹلر سے ملاقات کی۔ دوسری جنگِ عظیم میں برلن میں رہائش اختیار کی اور ریڈیو برلن پر یہودیوں کے خلاف پروگرام نشر کیا کرتے۔ بوسنیا کے مسلمانوں کو نازی فورس میں شامل کے لئے تحریک چلائی اور نازی پراپیگنڈا کا عربی میں ترجمہ کر کے مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ بھیجتے تھے۔ اقوامِ متحدہ کی کوششوں کی مخالفت کی، ان سے تعاون کرنے سے انکار کیا اور پھر ان کے پیشکر دہ پلان کو مسترد کر دیا۔ اسرائیل بن جانے کے بعد غزہ میں قائم کردہ جلاوطن فلسطین حکومت کے سربراہ بنے۔ اور بعد میں لبنان چلے گئے۔

امین ایک قوم پرست فلسطینی تھے اور ان کی اپنی نظر میں فلسطین کسی بھی اور چیز سے بڑھ کر تھا۔ لیکن ان کے فیصلوں کے کئی نتائج رہے۔ جنگِ عظیم دوئم میں پاکستان، انڈیا یا دوسری کالونیوں نے فاشسٹ اور نازی اتحاد کو کالونیل قبضہ ختم کروانے کے مسیحا کے طور پر نہیں دیکھا تھا۔ سیاسی قیادت اور شہری بیک وقت جنگ میں برٹش کے ساتھ تھے اور ساتھ ہی برٹش سے قبضہ چھوڑنے کا مطالبہ بھی رکھتے تھے۔ جبکہ دوسری طرف فلسطینی لیڈر کی طرف سے نازیوں کی اعلانیہ حمایت نے فیصلہ کرنے والوں کی نظر میں فلسطینیوں کا تاثر خراب کیا۔ دوسرا یہ کہ برٹش فوج میں یہودیوں کی شمولیت کا مطلب یہ تھا کہ جب سب سے اہم عرب اسرائیل جنگ ہوئی تو دوسری جنگِ عظیم لڑنے کا، پلاننگ کا، جدید ہتھیاروں کے استعمال اور دیکھ بھال کا تجربہ یہودیوں کے پاس تھا۔ تیسرا یہ کہ آج بھی اسرائیلی یہودی یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہٹلر کو یہودیوں کے قتلِ عام پر اکسانے والے امین الحسینی تھے۔ یہ قتلِ عام امین کی ہٹلر ملاقات کے بعد شروع ہوا تھا۔ (یہ الزام غلط ہے۔ ہٹلر کے فیصلے کا امین سے ملاقات سے کوئی تعلق نہیں تھا)۔ اس ملاقات اور نازی پراپیگنڈا کے عربی ترجموں کو ثبوت کے طور پر دکھایا جاتا ہے، کہ یہودیوں کے دوسری جنگِ عظیم کے وقت کے مصائب کی ذمہ داری فلسطینیوں پر عائد ہوتی ہے۔ (یہ الزام حال میں نیتن یاہو نے بھی دہرایا ہے)۔
امین کا انتقال 1974 میں ہوا تو اس سے بہت پہلے فلسطینیوں کی قیادت یاسر عرفات لے چکے تھے۔ آج فلسطین میں یاسر عرفات کا بہت احترام کیا جاتا ہے لیکن امین الحسینی متنازعہ شخصیت سمجھے جاتے ہیں۔

یہودی بریگیڈ کو اگلے مورچوں پر لڑنے جولائی 1944 میں بھیجا گیا۔ اس نے اٹلی، یوگوسلاویہ اور آسٹریا کی سرحد کے قریب جنگ میں حصہ لیا۔ فلسطینی ریجمنٹ نے بھی اطالوی فرنٹ پر جنگ میں حصہ لیا لیکن اس میں عربوں کا تناسب کم تھا۔ نازی فوج کے خلاف جنگ میں کس کی حمایت کرنی ہے؟ اس بارے میں پر یہودیوں میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ جنگِ عظیم کے تجربہ کار فوجیوں نے 1948 کی جنگ میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

برطانیہ سے آزادی کے لئے یہودی مسلح بغاوت جنگِ عظیم کے خاتمے سے پہلے لیہے اور ارگن ملیشیا شروع کر چکی تھی۔ لیہے کے ممبران کی طرف سے چرچل کابینہ کے برٹش وزیر لارڈ موئین کا قاہرہ میں چھ نومبر 1944 کو کیا گیا قتل اس کا پہلا بڑا واقعہ تھا۔ برٹش اہلکاروں کے قتل اور بم دھماکے یہودی ملیشیا کا طریقہ کار تھا۔

ارگن نے 1946 میں برطانوی انتظامیہ کا ہیڈکوارٹر کنگ ڈیوڈ ہوٹل اڑا دیا جس میں 92 ہلاکتیں ہوئی۔ برٹش نے اس کے جواب میں سخت ایکشن لینا شروع کئے۔ قبرص میں بارہ کیمپ بنائے گئے جس میں غیر قانونی یہودی تارکینِ وطن کو پکڑ کر رکھنا شروع کیا۔ لیہے نے اقوامِ متحدہ کی طرف سے آنے والے کاونٹ برناڈٹ کو یروشلم میں قتل کر دیا (یہ کرنے والوں میں اسرائیل کے مستقبل کے وزیرِاعظم اسحاق شامیر بھی تھے)۔

برٹش کو علاقے پر کنٹرول رکھنے کے لئے ایک لاکھ کی فوج رکھنا پڑ رہی تھی۔ عکا شہر میں جیل خانہ توڑنے اور برٹش سارجنٹوں کو پھانسیوں پر لٹکانے کے واقعے کے بعد برطانیہ نے اعلان کر دیا کہ وہ یہاں برٹش مینڈیٹ ختم کر رہے ہیں اور اگست 1948 سے پہلے یہ علاقہ خالی کر دیں گے۔

برطانیہ نے نئے قائم کردہ ادارے، اقوامِ متحدہ کو فلسطین کا مسئلہ 1947 میں تھما دیا تھا۔ اس پر سپیشل کمیٹی بنی جس میں گیارہ ممالک شامل تھے۔ انہوں نے کئی مہینوں بعد فلسطین پر رپورٹ شائع کی۔ اس میں سفارش کی گئی تھی کہ برٹش مینڈیٹ ختم کیا جائے اور ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک عرب ریاست اور ایک یہودی ریاست۔ یروشلم اور بیت اللحم کے شہر دونوں میں سے کسی ریاست کے پاس نہ ہوں بلکہ انٹرنیشنل کنٹرول میں دئے جائیں۔ اس قرارداد کے حق میں کینیڈا، چیکوسلواکیہ، گوئٹے مالا، نیدرلینڈز، پیرو، سویڈن اور یوراگوئے تھے۔ اس کے متبادل تجویز یہ تھی کہ ایک ہی ریاست بنائی جائے جس میں عربوں اور یہودیوں کو اپنے علاقوں میں الگ الگ خود مختاری دے دی جائے۔ اس کے حق میں انڈیا، ایران اور یوگوسلاویہ تھے۔ (آسٹریلیا نے ووٹ نہیں دیا)۔

اگرچہ یہودی آبادی ایک تہائی تھی لیکن ان کو اس پلان میں پچپن فیصد حصہ دیا گیا۔ کمیٹی نے اس میں ڈھائی لاکھ یہودی مہاجرین کو بھی شامل کیا گیا جو یورپ میں تھے اور ان کے پاس جانے کو کوئی بھی جگہ نہیں تھی۔ البتہ یہودیوں کا یہ مسئلہ فلسطینیوں کے لئے غیر متعلقہ تھا۔

If you can't come to town, please telephone 4607
Lighting, Heating, Cooking, Refrigeration
CARL MARX
3 PRINCESS MARY AVE., JERUSALEM

JERUSALEM
SUNDAY, MAY 16, 1948

THE PALESTINE POST

PRICE: 25 MILS
VOL. XXIII. No. 6714

THE PALESTINE POST
THE SUBSCRIPTION DEPARTMENT has returned to The Palestine Post offices, Hasolel Street, Jerusalem, Tel. 4233.

STATE OF ISRAEL IS BORN

The first independent Jewish State in 19 centuries was born in Tel Aviv as the British Mandate over Palestine came to an end at midnight on Friday, and it was immediately subjected to the test of fire. As "Medinat Yisrael" (State of Israel) was proclaimed, the battle for Jerusalem raged, with most of the city falling to the Jews. At the same time, President Truman announced that the United States would accord recognition to the new State. A few hours later, Palestine was invaded by Moslem armies from the south, east and north, and Tel Aviv was raided from the air. On Friday the United Nations Special Assembly adjourned after adopting a resolution to appoint a mediator but without taking any action on the Partition Resolution of November 29.

Yesterday the battle for the Jerusalem-Tel Aviv road was still under way, and two Arab villages were taken. In the north, Acre town was captured, and the Jewish Army consolidated its positions in Western Galilee.

Most Crowded Hours in Palestine's History

JEWS TAKE OVER SECURITY ZONES

Egyptian Air Force Spitfires Bomb Tel Aviv; One Shot Down

U.S. RECOGNIZES JEWISH STATE

Proclamation by Head Of Government

2 Columns Cross Southern Border

Etzion Settlers Taken P.O.W.

Special Assembly Adjourns

"یہ ہمارا مسئلہ نہیں۔ دوسروں کے جرائم کا خمیازہ ہم کیوں بھگتیں ؟"۔

امین الحسینی نے اسے بالکل مسترد کر دیا کہ یہ تمام علاقہ عربوں کا ہے۔ اقوامِ متحدہ کو کسی بھی فیصلے کا اختیار نہیں۔ مصر، سیریا، لبنان اور اردن آزاد ہو رہے تھے اور انہوں نے اسی رائے کی حمایت کی۔

صیہونی قیادت نے پلان کو قبول کر لیا کیونکہ یہ انہیں ریاست دیتا تھا۔ صیہونی رائٹ ونگ نے اس کی مخالفت کی۔ پہلا اعتراض یہ تھا کہ ان کو دئے گئے علاقے میں عرب اگرچہ اقلیت میں تھے لیکن یہ بڑی اقلیت تھی۔ جبکہ بڑی مایوسی یروشلم کے نہ ملنے کی تھی جسے اقوامِ متحدہ کے پاس ہونا تھا۔

انتیس نومبر 1947 کو اس پر طویل اور گرما گرم بحث ہوئی، جس کے بعد جنرل اسمبلی نے قرارداد 181 کو منظور کر لیا۔ اس کے حق میں 33 ووٹ آئے جبکہ مخالفت میں 13۔ جبکہ 10 ممالک نے ووٹ نہیں دیا۔ (مخالفت کرنے والوں میں پاکستان اور انڈیا کے علاوہ لبنان، سعودی عرب، سیریا، یمن، ایران، عراق، افغانستان، گریس، کیوبا، ترکی اور مصر تھے)۔ عرب نمائندوں نے احتجاجاً واک آؤٹ کیا۔ اس کے منظور ہونے پر یہودیوں میں خوشی اور عرب دنیا میں غصہ پھیل گیا۔ یہ غصہ جلد ہی عمل میں تبدیل ہو گیا۔ فلسطین میں عربوں نے ہڑتال کر دی۔ یہودیوں پر حملے کئے جانے لگے۔ صیہونی ملیشیا اور عربوں کی لڑائی چھڑ گئی۔ لوگ قتل کئے جانے لگے۔ یہ خانہ جنگی مئی 1948 میں ریاستوں کی بڑی جنگ کی صورت اختیار کر دی جس کے بڑے نتائج برآمد ہوئے۔

اقوامِ متحدہ کی اس قرارداد پر سب سے زیادہ زور دینے والے سوویت یونین اور امریکہ تھے۔ جس طرح بالفور کو اندازہ نہیں تھا کہ ان کے خط کے کیا نتائج ہوں گے، ویسے ہی غالباً سٹالن اور ٹرومین نے بھی اس کے فلسطینوں پر ہونے والے نتائج کا زیادہ نہیں سوچا تھا۔

برطانیہ صیہونیوں سے پہلے ہی علیحدگی اختیار کر چکا تھا۔ اس نے اس قرارداد کے حق میں ووٹ نہیں دیا۔ یہ علاقہ برطانیہ کے پاس پہلی جنگِ عظیم کے بعد سے تھا۔ برطانوی پالیسی ساز 1939 کے وائٹ پیپر سے اس بات کا ادراک کر چکے تھے کہ ان کا مفاد آزاد عرب ریاستوں سے وابستہ ہے۔

اقوامِ متحدہ کا فیصلہ فلسطینیوں کے لئے بڑی مصیبت بن کر نازل ہوا۔ اس کے پیچھے صرف فلسطینیوں کا غیر منظم ہونا، صیہونیوں کا طاقتور

ہونا یا عربوں کی کمزوری ہی نہیں تھی بلکہ واشنگٹن، ماسکو، لندن اور امان تک ہونے والے واقعات تھے۔

تل ابیب میں جیوش ایجنسی کے چیئرمین ڈیوڈ بن گوریان نے 14 مئی 1948 کو نئی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا۔ وہ اس کے پہلے وزیرِاعظم تھے۔ اسی وقت توپوں کی آواز سنی جا سکتی تھی۔ عربوں اور یہودیوں کے درمیان جنگ جاری تھی۔ اسی شام کو مصر نے اسرائیل پر فضائی حملہ کیا۔ جب اس رات بارہ بجے کا گھنٹا بجا تو برٹش مینڈیٹ اختتام پذیر ہو چکا تھا۔ اس وقت بلیک آؤٹ تھا۔ لیکن سڑکوں پر نئی ریاست کے قیام کا جشن منایا جا رہا تھا۔ ایک نیا ملک وجود میں آ چکا تھا۔ 1897 میں دیکھے گئے خواب کی عملی تعبیر ہو چکی تھی۔ دوسری طرف، فلسطینیوں کے لئے یہ کسی سلوموشن میں ہونے والے ٹرین کے حادثے کی طرح تھا۔ فلسطینی تاریخ میں اب النکبۃ (بڑی آفت) کا وقت تھا۔

سوالات وجوابات

ZakirUllah

Soviet union ne iss qarardad pr zoor deya.yahi govt be jews ki control mai ti britian aor america tu hai zionist he . jews worked for 4oo years.and changed Europe to Godless society. 1 world war 2 world world wars planned for israel establishment.Hitlar was right he know the real nature of jews .hitlar 1world war dek kr samajh choka ta .keh e jews ne plot kea ta .

WaharaUmbakar

اگر آپ کا خیال ہے کہ اللہ نے یہودیوں کو باقی انسانوں سے زیادہ صلاحیتیں اور عقل دی ہے تو یہ خیال رکھا جا سکتا ہے لیکن درست نہیں۔ سوویت یونین کمیونسٹ ریاست تھی۔ یہودی مذہبی لوگ خدا پر یقین رکھتے ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم اور دوسری جنگِ عظیم کی ایسی وجہ جہاں سے پڑھی ہے، آئندہ وہاں سے کوئی بھی "انفارمیشن" لینے سے گریز کیجئے۔

MohammadFahad

Iss se ye andaza tu huwa k muslim leader ziada dor ki nahi sochte

WaharaUmbakar

مسلم دنیا میں کئی طرح کے لیڈر رہے ہیں۔

النکبۃ

یہ سلوموشن میں ہونے والا حادثہ تھا۔ تیس نومبر 1947 سے لے کر برطانوی فوج کے آخری انخلا اور پندرہ مئی 1948 تک اسرائیل کے قیام تک صیہونی پیراملٹری گروپ ہاگنا اور انتہاپسند گروپ ارگن اور لیہی ملیشیا نے عرب رضاکاروں کی غیر منظم تنظیموں کو پے در پے شکستوں سے دوچار کیا۔ اپریل 1948 تک فلسطینی دیہاتوں پر قبضہ کر کے یہاں سے آبادی کو بے دخل کیا گیا۔ مئی کے پہلے نصف تک دو بڑے شہروں یافا اور حیفہ پر قبضے کے علاوہ مغربی یروشلم پر۔ طبریا پر 18 اپریل، حیفہ پر 23 اپریل، صفد پر 10 مئی اور بیسان پر 15 مئی کو قبضہ ہو چکا تھا۔

یافا سے ساٹھ ہزار فلسطینی بے دخل ہوئے۔ (اقوامِ متحدہ کی قرارداد میں یہ اسرائیل کا حصہ نہیں تھا)۔ تیس ہزار مغربی یروشلم سے، بارہ ہزار صفد سے، چھ ہزار بیسان سے جبکہ ساڑھے پانچ ہزار طبریا سے۔ یہ فلسطینی مہاجر بن گئے۔

پندرہ مئی تک تین لاکھ فلسطینی نکالے جا چکے تھے اور اب اگلا مرحلہ شروع ہوا۔

پندرہ مئی کو مصر کے حملہ آور ہوتے ساتھ یہ عرب اسرائیل جنگ میں تبدیل ہو گئی۔ عرب ممالک نے نئی آزادی حاصل کی تھی۔ ان کے اندرونی مسائل بہت تھے۔ آزادی کے ساتھ ہی جنگ میں کود پڑنا آسان فیصلہ نہیں تھا۔ اردن کے شاہ دو بار فلسطینیوں کی طرف سے کی گئی باقاعدہ درخواست مسترد کر چکے تھے۔ لیکن اب عرب عوام کی طرف سے دباؤ بڑھ رہا تھا۔ مہاجرین کے قافلوں پر قافلے ان کے شہروں کی طرف آ رہے تھے۔

اسرائیلی آرمی نے عرب افواج کو شکست دی۔ اس جنگ کے دوران اور بعد گھر چھوڑنے والے فلسطینیوں کی تعداد مزید بڑھ گئی۔ کل چار لاکھ مزید ایسے تھے جو یا تو بے دخل کئے گئے یا جنگ کے خوف سے خود چھوڑ گئے۔ اردن، شام، لبنان، مغربی کنارہ اور غزہ کی طرف رخ کیا۔ مغربی کنارہ اور غزہ وہ 22 فیصد حصہ تھا جس کو اسرائیل نے فتح نہیں کیا۔ کسی کو واپس آنے کی اجازت نہیں ملی۔ چھوڑنے والوں کے زیادہ تر گھر اور دیہات مسمار کر دئے گئے۔ جب تک 1949 میں جنگ بندی ہوئی، علاقے کا نقشہ تبدیل ہو چکا تھا۔ فلسطین سے نکلنے والے مہاجرین نے پڑوسی ممالک۔۔ جو پہلے ہی غریب اور کمزور تھے۔۔۔۔ کو غیر مستحکم کر دیا۔

عرب ریاستوں کو اپنے پہلے بڑے بین الاقوامی امتحان میں بڑی ناکامی ہوئی تھی۔ فیصلہ کن شکستوں کا یہ سلسلہ اگلے برسوں میں 1982

کی لبنان جنگ تک چلتا رہا۔ انہیں اپنے اندرونی مسائل کے ساتھ ایک طاقتور اور جارحانہ ہمسایہ اسرائیل کی صورت میں ملا تھا۔

یہاں پر ایک سوال یہ کہ آخر ایسی کیا وجہ رہی کہ 1948 کی جنگ میں اسرائیل نے کامیابی حاصل کی؟ اسرائیلی نیشلسٹ تاریخ دانوں نے اس فتح کے گرد شجاعت کی mythology تخلیق کی ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ اسرائیلی جنگجو بہتر تربیت یافتہ تھے (تفصیلات پچھلی قسط میں) لیکن فتح کی دیگر عملی وجوہات تھیں۔ اس کی چار وجوہات سمجھی جاتی ہیں۔

عرب افواج متحد اور ایک کمان کے تحت نہیں تھیں۔ مصر کی واحد دلچسپی نقب کے علاقے میں تھی۔ سیریا کی الجلیل میں جبکہ اردن کی مغربی کنارے میں۔ اس کے برخلاف اپنے تمام تر اختلافات کو ایک طرف رکھ کر اسرائیلی جنگی مقصد میں متحد تھے۔ ایک مشترک ایجنڈا تھا جو اسرائیل کا دفاع تھا۔ بن گوریان کے ریاست کی تشکیل کے اعلان کے ساتھ ہی کئے جانے والے پہلے اقدامات میں سے چار ملیشیا کو ضم کر کے اسرائیلی ڈیفنس فورس کا قیام تھا۔ اگرچہ ان چاروں ملیشیا (ہاگنا، ارگن، لیہے اور پالماک) میں نظریاتی اختلافات تھے۔

دوسرا یہ کہ فلسطینی عرب کمیونیٹی میں کوئی تنظیم نہیں تھی۔ برٹش کے خلاف جاری رہنے والی 1936 سے 1939 کی بغاوت کے دوران فلسطینی عرب قیادت ختم ہو چکی تھی یا علاقہ چھوڑ چکی تھی۔ قیادت کا خلا تھا۔

تیسرا اہم معاملہ ہتھیاروں کا تھا۔ تمام فریقین پر ہتھیاروں پر پابندی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بندوق دوبارہ لوڈ نہیں کی جا سکتی تھی۔ رائفل مرمت نہیں ہو سکتی تھی۔ ٹینک کو دوبارہ کام میں نہیں لایا جا سکتا تھا۔ لیکن ہاگنا کے ایجنٹ یورپی ہتھیار بنانے والوں سے نجی تعلقات رکھتے تھے۔ نوٹوں کے بریف کیس لے جا کر ہتھیار خریدنے کی اصل کہانیاں ہیں جس سے اسرائیل کے پاس ہتھیاروں کی سپلائی میں برتری تھی۔ اسلحے کی روزمرہ دیکھ بھال کی صلاحیت میں بھی برتری رہی تھی۔

چوتھا مسئلہ زراعت اور خوراک کا تھا۔ اور یہ بہت ہی اہم تھا۔ ایک تو یہ کہ فلسطینی زراعت کو بغاوت کے دور میں خاصا نقصان پہنچا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ بھی یہودیوں نے اس کو منظم کرنے پر بہت توجہ دی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ اسرائیل کو اپنی آبادی کو کھلانے کا مسئلہ نہیں ہوا تھا جبکہ دوسری طرف فلسطینی عرب بمشکل اپنی ضروریات پوری کرنے کے قابل تھے، نہ کہ یہ کہ عرب افواج کو کھلایا جا سکتا۔

اسرائیل کے قیام کا ایک پرجوش حامی سوویت یونین رہا تھا۔ سوویت قیادت کا خیال تھا کہ یہ ریاست سوشلسٹ اور طفیلی بن جائے گی۔ ماسکو کی نظر میں مصر، اردن، عراق کی عرب بادشاہتیں برطانیہ کے مہرے تھے (جس نے انہیں آزادی حاصل کرنے میں مدد کی تھی) اور اسرائیل ان کے مخالف سوویت کے ہاتھ میں ہو گا۔ لیکن کورین جنگ میں سوویت کا ساتھ نہ دینے کے فیصلے کے بعد یہ تعلقات

سرد مہری کا شکار ہو گئے۔ 1955 تک سوویت یونین کئی عرب ریاستوں سے اچھے تعلقات بنا چکا تھا، خاص طور پر مصر اس کا اتحادی بن چکا تھا۔ اسرائیل کے ساتھ سوویت ہنی مون مختصر رہا۔

امریکہ کے ساتھ تعلقات الگ راستے پر گئے۔ روس اور یورپ سے نکالے گئے یہودیوں میں سے کئی نے امریکہ کا رخ کیا تھا۔ چالیس لاکھ یہودی امریکہ جا چکے تھے۔ جب نازی عروج آیا اور یورپ میں نسلی طہارت کے نام پر قتلِ عام شروع ہوا تو اس نے امریکہ میں رائے عامہ پر بہت اثر ڈالا۔ نازیوں کے کئے گئے قتلِ عام اور نتیجے میں بے گھر یہودیوں کے بکھرے ہوئے کیمپ اور حالتِ زار کے مناظر امریکہ کی ابتدائی پالیسی کی وجہ رہے۔

امریکہ 1970 کی دہائی سے پہلے اسرائیل کی حمایت کرتا تو رہا تھا لیکن اقوامِ متحدہ میں کئی بار اسرائیل کی مذمت کی تھی۔ اسرائیل کی غیر مشروط حمایت امریکہ پالیسی نہیں تھی۔ شروع کی دہائیوں میں اسرائیل کو امریکی ملٹری اور اکنامک سپورٹ حاصل نہیں تھی۔ سرد جنگ کے ڈائنامکس نے اس کو تبدیل کر دیا۔ اس وقت عالمی سیاست میں ہر چیز کو اسی عینک سے دیکھا جاتا تھا۔ اسرائیل کی بڑی ملٹری فتوحات سے اسرائیل اس اہم علاقے کا اہم کھلاڑی بن گیا۔

نوٹ: ساتھ لگی تصویر اکتوبر 1948 میں فلسطینی مہاجرین کی ہے۔ النکبۃ فلسطینی شناخت اور اجتماعی یادداشت کا ایک بنیادی مرکز ہے۔ ویسا ہی جیسے ہولوکاسٹ یہودی تاریخ میں۔ جس روز اسرائیلی یومِ آزادی مناتے ہیں، اس روز فلسطین میں ذکری النکۃ منایا جاتا ہے۔ اسرائیل کئی دہائیوں تک اس سے انکار کرتا رہا۔ اب رائٹ ونگ انتہا پسندیوں کو چھوڑ کر فلسطینی ٹریجڈی کو بڑی حد تک قبول کیا جاتا ہے۔

سوالات و جوابات

M.Umar

سر کیا یہ بات درست ہے کہ جس جگہ پر آج اسرائیل قائم ہے ادھر 3000 سال پہلے یہودی رہتے تھے؟

WaharaUmbakar

معلوم تاریخ میں یہ علاقہ 3300 قبلِ مسیح سے 1000 قبلِ مسیح تک کنعانی اور مصری حکمرانوں کے پاس رہا۔ اس کے بعد کے ادوار مندرجہ ذیل ہیں۔

اسرائیلی۔1000 قبلِ مسیح سے 722 قبلِ مسیح

اسیرین۔722 قبلِ مسیح سے 609 قبلِ مسیح

بابل۔612 قبلِ مسیح سے 539 قبلِ مسیح

فافرس۔539 قبلِ مسیح سے 332 قبلِ مسیح

یونانی۔332 قبلِ مسیح سے 67 قبلِ مسیح

ہاسمونی۔166 قبلِ مسیح سے 37 قبلِ مسیح

رومی۔67 قبلِ مسیح سے 330

بازنطینی۔330 سے 638

عرب۔638 سے 1071

سلجوق۔1071 سے 1098

فاطمی۔1098 سے 1099

صلیبی۔1099 سے 1291

مملوک۔1291 سے 1517

عثمانی۔1517 سے 1917

مصری۔1831 سے 1840

برٹش۔1917 سے 1948

اسرائیلی۔1948 سے لے کر آج تک

UsamâAhsan

سر کیا 1187 سے یہ علاقہ صلاح الدین ایوبی کے قبضے میں نہیں آ گیا تھا؟

WaharaUmbakar

جی، صلاح الدین ایوبی نے اس علاقے کو 1187 میں فتح کیا تھا۔ لیکن صرف دو سال بعد چوتھی صلیبی جنگ میں یافا اور عکا سمیت زیادہ تر علاقہ واپس صلیبیوں کے پاس چلا گیا تھا۔ صلیبی افواج یروشلم کو چوتھی اور پانچویں صلیبی جنگ میں فتح نہیں کر سکی تھیں۔ اس چھٹی صلیبی جنگ میں ان کے ہاتھ 1224 میں آیا۔

اس کے بعد یہاں جنگیں اور قتلِ عام ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ مملوک نے یروشلم کو فتح کر لیا۔ صلیبیوں کا یہاں پر آخری شہر عکا تھا جہاں سے انہیں 1291 میں شکست دے دی گئی۔ اگر زیادہ باریک تفصیل میں جائیں گے تو یہ فہرست بہت بڑی بن جائے گی

SaleemJamali

یونانی۔332 قبلِ مسیح سے 332 قبل مسیح. ؟ بازنطینی اور مملوک کون تھے ان کی تاریخ پر مختصر

WaharaUmbakar

یونانیوں کی تاریخ لکھنے میں غلطی تھی، اسے ٹھیک کر لیا ہے۔

رومی سلطنت ختم ہونے کے بعد دو میں تقسیم ہوگئی تھی۔ مغربی سلطنت جو مغربی یورپ میں تھی، انحطاط کا شکار ہو کر تحلیل ہوگئی۔ مشرقی سلطنت بازنطینی کہلائی اور عثمانیوں کے قسطنطنیہ کو فتح کر لینے کے بعد ختم ہوگئی۔

مملوک کا مطلب وہ ہے جو کسی کی ملکیت میں ہو۔ یعنی غلام۔ عباسی خلافت کمزور پڑ جانے کے بعد افواج میں غلاموں کو رکھنے کا رواج شروع ہوا۔ عام غلام ہتھیار نہیں رکھ سکتا تھا۔ مملوک ہتھیار رکھ سکتے تھے اور زیادہ مہنگے بکتے تھے۔ (انہیں غلمان بھی کہا جاتا ہے)۔ ترکوں میں جانثار اسی طرح غلام ہوا کرتے تھے۔ فوج میں ترقی کر اعلیٰ عہدوں پر پہنچ جاتے تھے اور یہ طاقتور ادارہ بن گیا تھا۔ یہ کئی علاقوں سے تھے اور جنگجو تھے۔

مصر میں ایوبی حکومت میں یہ اتنے طاقتور ہوئے کہ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ یہ 1250 میں بننے والی پہلی مملوک سلطنت تھی۔ عثمانیوں نے ان کے آخری سلطان طومان بے کو شکست دے کر اور خلیفہ کو گرفتار کر کے 1517 میں مملوکوں کا خاتمہ کر دیا۔

مہاجرین

فلسطینیوں کے لئے نکبہ ان کی شناخت کا مرکزی ستون ہے، جو نسل در نسل سے چلا آ رہا ہے۔ یہ وہ صدمہ ہے جس نے ہر فلسطینی کی زندگی کو چھیڑا ہے۔ ذاتی طور پر یا آباء کو۔ اس کے بعد اس علاقے کے رہائشی تین الگ حکومتوں کے تحت تقسیم ہو گئے۔ مصر (غزہ میں)، اردن (مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم میں) اور اسرائیل۔ الگ ہو جانے کی اس حالت کو فلسطینی شتات کہتے ہیں۔ تینوں حکومتوں نے فلسطینیوں پر پابندیاں عائد کیں۔ ان کی نقل و حرکت محدود کی۔ شناختی کاغذات نہیں دئے گئے۔ الگ قوانین اور حالات رہے۔ اسرائیل میں رہنے والے فلسطینی 1966 تک سخت مارشل لاء کے تحت رہے۔ زمین ضبط کی گئی اور انہیں آہستہ آہستہ آزادی ملی لیکن باقی فلسطینیوں کی حالت ان سے بھی بدتر رہی۔

سیریا، لبنان اور اردن میں جانے والے مہاجرین ان ممالک کے لئے بوجھ تھے۔ ان کے لئے اقوامِ متحدہ نے مہاجر کیمپوں میں رہائش کا بندوبست کیا۔ سب سے زیادہ اردن میں، جو بائیس لاکھ ہیں۔ جو مہاجر زیادہ متمول تھے، انہوں نے مختلف ممالک میں اپنا بندوبست خود کر لیا۔

اردن کے شاہ عبداللہ اپنی چھوٹی سلطنت کو وسیع کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ انہوں نے 1950 میں مغربی کنارے کو باقاعدہ طور پر ضم کر کے اردن کا حصہ بنا لیا۔ اس الحاق کو دنیا کے صرف دو ممالک نے تسلیم کیا، جو اردن کے بہت قریبی دوست تھے۔ یہ دو ممالک برطانیہ اور پاکستان تھے۔ شاہ نے اس علاقے میں فلسطینیوں کو اردن کی شہریت دینے کی پیشکش کر دی۔

اردن کا ضم کر لینے کا قدم فلسطینیوں میں غیر مقبول رہا جو اپنے الگ وطن کی خواہش رکھتے تھے۔ اور خاص طور پر ہاشمی خاندان ان کے لئے پسندیدہ نہیں تھا۔

عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی طرف سے بہترین کارکردگی اردن نے دکھائی تھی اور اسی وجہ سے اسرائیل مغربی کنارے پر قبضہ نہیں کر سکا تھا لیکن فلسطینیوں کی نظر میں، ہاشمی خاندان کے محکوم رہنا، اس کے لئے ادا کی جانے والی بھاری قیمت تھی۔ شاہ عبداللہ برطانیہ کے پکے دوست تھے اور وہ فلسطین کی آزادی کے مخالف تھے۔ انہیں صیہونیوں کا دوست سمجھا جاتا تھا۔ ایک اور مسئلہ یہ تھا کہ اس الحاق اور مہاجرین کی آمد کے بعد فلسطینیوں کی اردن میں تعداد مقامی اردنیوں سے زیادہ ہو گئی۔ یہ تبدیلی بھی کشیدگی کا باعث تھی۔

جولائی 1951 کو شاہ عبداللہ کو اس کی سب سے بھاری قیمت چکانا پڑی۔ انہیں یروشلم میں حرم الشریف میں ایک فلسطینی نے قتل کر دیا۔ وہ اس وقت مسجد الاقصیٰ میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے بعد نکل رہے تھے۔

اس قتل نے اردن حکومت اور فلسطینیوں کے درمیان تعلقات مزید مشکل کر دئے۔ کئی فلسطینی اردن کے بڑے کامیاب شہری بھی بنے، لیکن کشیدگی جاری رہی اور بالآخر 1970 میں یہ پھٹ کر مسلح جنگ بن گئی۔

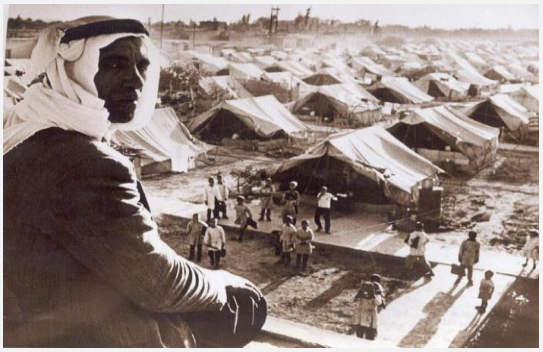

لبنان میں مہاجرین کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی، لیکن اس کا لبنانی سیاست پر اثر ہوا۔ یہاں پر فلسطینیوں کو شہریت دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لبنان میں بڑا نازک مذہبی توازن تھا۔ سنی، دروز، شیعہ اور بائیں بازو کے سیاستدانوں کو فلسطینی کاز سے تو ہمدردی تھی لیکن مہاجرین الگ معاملہ تھے۔

مہاجرین کو کیمپوں میں رکھا گیا جو لبنانی انٹیلی جنس کی نگرانی میں تھے۔ ملازمت کرنے یا پراپرٹی کی ملکیت پر پابندیاں تھیں۔ تاہم، اقوامِ متحدہ کی طرف سے دی جانے والی سروسز میسر تھیں جس میں تعلیم اور ہنرمندی کی تربیت بھی تھی۔ اس نے لبنان اور دوسروں جگہوں پر فلسطینیوں کو عربوں میں زیادہ تعلیم یافتہ بنانا ممکن کیا۔ اس وجہ سے ان کے لئے امیگریشن کرنا ممکن ہوا۔ خاص طور پر امیر عرب ممالک کی طرف جنہیں تربیت یافتہ لوگوں کی ضرورت تھی۔ اس نے بہت سے نوجوان فلسطینیوں کی مہاجر بستیوں سے نکلنے میں مدد کی۔ فلسطینی نکبہ کے صدمے سے نکلنے لگے اور سیاسی طور پر منظم ہونے لگے۔ اس نے لبنان میں کشیدگی پیدا کی اور یہاں پر بھی حکومت کے ساتھ 1960 کی دہائی کے آخر میں جھڑپیں ہوئیں۔

مہاجرین کی تھوڑی تعداد سیریا گئی۔ کچھ کیمپوں میں، کچھ دمشق اور دوسرے شہروں میں۔ اس سے کم تعداد عراق میں اور اس سے کم تعداد مصر میں گئی۔ چونکہ یہاں پر ان کی تعداد کم تھی، اس لئے انہیں یہاں فائدہ رہا۔ ان کو قبولیت ملنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ اگرچہ شہریت یا ووٹ کا حق وغیرہ نہیں ملے لیکن تعلیم، سرکاری ملازمتوں، علاج اور ملکیت کا حق مل گیا۔ سرکاری سٹیٹس مہاجر کا رہا۔ اس وقت لیبیا اور الجیریا کی تیل کی صنعت ڈویلپ ہو رہی تھی، کئی فلسطینیوں نے یہاں پر ملازمت اختیار کی۔ عرب آبادی میں فلسطینی کاز کے لئے ہمدردی رہی۔

عرب اسرائیل کی 1948 کی جنگ کا ایک ضمنی نتیجہ یہ نکلا کہ فلسطینی عالمی ذہن سے محو ہو گئے۔ ہمیشہ عرب اسرائیل تنازعے کی بات کی جاتی تھی۔ اسرائیل، اردن اور مصر کے قبضے کا ایک اور نتیجہ یہ ہوا کہ 1948 سے پہلے کے فلسطینی راہنماؤں کا خاتمہ ہو گیا۔ انہوں نے سیاست میں کبھی دوبارہ کردار ادا نہیں کیا۔

سوالات و جوابات

MuhammadAsghar مغربی کنارے پر اُردن کی حکومت ہے:

WaharaUmbakar یہاں اردن کی حکومت 1967 تک رہی:

دوسری جنگ

مصر میں 1952 میں انقلاب آیا۔ جنرل محمد نجیب اور کرنل جمال عبدالناصر کی قیادت میں فوجی افسروں کی تحریک نے شاہ فاروق کو معزول کر دیا۔ بادشاہت ختم ہوئی، سوڈان کو آزادی ملی۔ برطانوی اثر ختم ہوا۔ عرب دنیا دو میں بٹ گئی اور عرب سرد جنگ کا آغاز ہوا جس میں ایک طرف مصر کی قیادت میں پین عرب ازم کا سیکولر اور سوشلسٹ بلاک تھا جسے سوویت حمایت حاصل تھی جبکہ دوسری طرف سعودی عرب کی قیادت میں پین اسلام ازم کا کنزرویٹو بلاک تھا جنہیں مغربی ممالک کی حمایت حاصل تھی۔ 1952 سے 1979 تک یہ عرب دنیا کا بڑا تنازعہ رہا جس نے ان برسوں میں عرب دنیا کی سیاست کو شکل دی۔

تئیس جولائی کے انقلاب کے بعد مصر کی فوج نے حکومت سنبھالی۔ اس کی توجہ عسکری معاملات پر نہیں، بلکہ اقتصادی اور سماجی حالات سدھارنے پر رہی۔ مصر غریب ملک تھا۔ ملٹری کے لئے بجلی پہنچانے کے پروگرام، آبپاشی کے منصوبے ترجیح تھے۔ اسوان ڈیم کا پلان تھا۔ صنعتوں میں سرمایہ کاری، سکولوں اور کالجوں کا قیام، معیار تعلیم اور اعلیٰ تعلیم پر توجہ اور ریاست کی طرف سے معاشی منصوبہ بندی۔ مصر اس کے لئے ہر ممکن ذریعے سے بیرونی امداد لے رہا تھا اور سرد جنگ میں غیر جانبدار رہنے کی کوشش میں تھا۔

جمال عبدالناصر خاص طور پر اپنے طاقتور ہمسائے کو نہیں چھیڑنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی کوشش بن گوریان جیسے جارحانہ لیڈروں کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوئیں۔ غزہ گنجان آباد علاقہ تھا اور مصر کے پاس تھا۔ یہاں کی آبادی کی صورتحال ایسی تھی کہ یہ عسکریت پسندی کے لئے آئیڈیل تھا۔ اور یہیں سے الفتح کے بڑے لیڈر اور بانی نکلے۔ یاسر عرفات، صالح خلف، خلیل الوزیر جیسے لیڈر۔ مصر کا مقصد انہیں کنٹرول کرنا تھا تاکہ اسرائیل کی طرف سے جوابی کارروائی نہ ہو لیکن یہ اسرائیل پر کبھی کبھار حملہ کر دیا کرتے تھے۔ مصری انٹیلی جنس اور ملٹری نے غزہ پر بڑی سخت نگرانی رکھی تھی۔ فدائی حملوں پر اسرائیلی جواب بہت جارحانہ ہوتا تھا۔

جب مغربی کنارے میں 1953 میں کئے گئے حملے میں دو بچوں سمیت پانچ اسرائیلیوں کو قتل کیا گیا تو ایریئل شیرون کی قیادت میں یونٹ 101 نے جوابی کارروائی میں پینتالیس گھر مسمار کر دئے اور 69 فلسطینیوں کو قتل کر دیا۔ اس کا نتیجہ اردن کی طرف سے نگرانی کو مزید کڑا کرنے کی صورت میں نکلا۔ اردن کی فوج کو اسرائیل میں داخل ہونے کی کوشش کرنے والے کسی بھی فلسطینی کو گولی مار دینے کا حکم دیا گیا۔

بن گوریان کا نکتہ نظر یہ تھا کہ اپنی شرائط اسی وقت قبول کروائی جا سکتی ہیں اگر زیادہ سے زیادہ تباہ کن فورس استعمال کی جائے۔ بن گوریان نے مصر پر بڑے حملے کی تجویز دی اور یہ کہ غزہ کا علاقہ مصر سے حاصل کر لیا جائے۔ اسے کابینہ سے منظوری نہیں ملی۔ جب بن گوریان

دوبارہ اکتوبر 1956 میں وزیرِاعظم بنے تو اپنی بات منوالی۔ یہ موقع نہرِسویز پر تنازعے کی وجہ سے ملا تھا۔ اب دوسری عرب اسرائیل جنگ کا وقت تھا۔

اسرائیل غزہ پر مصری آرمی اور پولیس پر حملے کرتا رہا تھا۔ فروری 1955 میں رفح میں 39 مصری فوجی مارے گئے۔ اس سے چھ ماہ بعد خان یونس میں 72۔ مصر کمزور تھا اور اب اس نے غیر جانبداری کی پالیسی ترک کر دی۔ مصر نے پہلے برطانیہ اور پھر امریکہ سے ہتھیار حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ناکامی پر کمیونسٹ بلاک کا رخ کیا۔ اور ستمبر 1955 میں چیکوسلواکیہ سے ہتھیاروں کی خریداری کی بڑی ڈیل کی۔ ساتھ ہی ساتھ، عرب حکومتوں کی مخالفت کے باوجود، اسرائیل پر حملے کرنے والے چھوٹے فلسطینی عسکریت پسندوں کی مدد بھی کرنا شروع کر دی۔ اور اس کے نتیجے میں اسرائیل نے اکتوبر 1956 میں سویز جنگ شروع کر دی۔ اور اس جنگ میں اسرائیل تنہا نہیں تھا۔

مصر نے فرنچ برٹش سویز نہر کمپنی کو قومیا لیا تھا۔ ورلڈ بینک نے اسوان ڈیم کے لئے قرض دینے سے انکار کیا تھا اور یہ اقدام اس کے بدلے میں کیا گیا تھا۔ فرانس مصر کی طرف سے الجیریا کے باغیوں کی مدد سے بھی نالاں تھا جو قاہرہ کو اپنے پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ مصر نے برطانوی فوج کی بہتر سالہ موجودگی ختم کرنے کا نوٹس بھی دے دیا تھا۔

یہ پس منظر تھا جس نے یہ جنگ چھیڑی اور اس میں پرانے اتحاد ٹوٹ کر نئے اتحاد بنے۔ یہ واحد عرب جنگ تھی جس میں مصر لڑنے والا اکیلا ہی عرب ملک تھا۔ دوسری طرف، برطانیہ اور اسرائیل نے کئی برسوں کے بعد تعلقات بحال کئے تھے۔ اور یوں اسرائیل، برطانیہ اور فرانس کا اتحاد بن گیا تھا۔ جبکہ اسرائیل تخلیق کرنے کے دونوں پرجوش حامی، امریکہ اور سوویت یونین اس جنگ میں مصر کے ساتھ تھے۔

مصری آرمی اس جنگ میں جلد ہی شکست سے دوچار ہو گئی۔ اور یہ یکطرفہ مقابلہ تھا۔ تیسری دنیا کا ایک کمزور ملک جس نے ابھی سوویت اسلحے کو فوج میں جذب بھی نہیں کیا گیا تھا جبکہ طاقتور اسرائیل جس کی پشت پر دو یورپی طاقتیں تھیں۔

امریکی صدر اس جنگ کے شروع کئے جانے پر سخت غصے میں تھے۔ اس وقت سوویت ٹینک ہنگری میں 1956 کی بغاوت کچل رہے تھے۔ اور اس جنگ نے سوویت جارحیت سے عالمی توجہ ہٹا دی تھی۔ جبکہ دوسری طرف سوویت یونین کو اپنے نئے دوست پر کی جانے والی جارحیت پر غصہ تھا۔

امریکہ اور سوویت یونین نے سرد جنگ کی تلخی ایک طرف رکھتے ہوئے اسرائیل، فرانس اور برطانیہ کے اس اتحاد کے خلاف سخت سٹینڈ

لیا۔ سوویت نے نیوکلئیر ہتھیار استعمال کرنے کی دھمکی دے دی۔ امریکہ نے وارننگ دی کہ ان تینوں ممالک کو تمام اقتصادی مدد بند کر دی جائے گی۔ (دوسری جنگِ عظیم کے بعد تعمیرِ نو میں فرانس اور برطانیہ کا امریکی امداد پر انحصار تھا)۔ امریکہ اور سوویت یونین نے جنرل اسمبلی سے قرارداد منظور کروائی جس میں اسرائیل سے فوری طور پر فوج واپس بلانے کا کہا گیا۔ (سیکورٹی کونسل سے اس لئے نہیں کہ وہاں پر برطانیہ اور فرانس کی ویٹو پاور تھی)۔

سپر پاورز کی طرف سے آنے والے سخت دباؤ کی وجہ سے تینوں ممالک کے اتحاد کو مصری زمین پر سے قبضہ چھوڑنا پڑا۔ جزیرہ نما سینا اور غزہ کو خالی کرنا پڑا۔ امریکہ اور سوویت یونین نے دکھا دیا تھا کہ مشرقِ وسطی میں باس کون ہے۔

مصر نے عسکری میدان میں شکست کھائی تھی لیکن تین ممالک کے اتحاد کے خلاف توقع سے زیادہ مزاحمت کی۔ سیاسی میدان میں اور جنگی مقاصد میں کامیاب رہا۔ سویز نہر پر اس کا کنٹرول رہا۔ فرانس اور برطانیہ کو افواج واپس بلانی پڑیں۔ اسرائیل کو علاقہ واپس کرنا پڑا۔ برطانوی وزیرِاعظم ایڈن کو اس کے نتیجے میں فوری استعفیٰ دینا پڑا۔ فرانس کے وزیرِاعظم مولے کو سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑا اور ان کا سیاسی کیریئر جلد ہی ختم ہو گیا۔ فرانس ڈیگال کے پاس چلا گیا۔ فرانس امریکہ تعلقات اس کے بعد واپس کبھی گرمجوشی والے نہیں بن سکے۔ یہ سب پر واضح ہو گیا کہ نئی دنیا کی سپر پاور برطانیہ اور فرانس نہیں ہیں۔

اس جنگ نے ناصر کو پین عرب ہیرو بنا دیا۔

غزہ میں رہنے والے فلسطینیوں نے اس سے تکلیف اٹھائی۔ قبضہ آور اسرائیلی فوج نے غزہ کے شہروں میں اور مہاجر بستیوں میں آپریشن کیا۔ رفح اور خان یونس میں 450 لوگوں کو گرفتار کر کے سزائے موت دی گئی۔ ہونے والی یہ جنگ بندی عارضی تھی۔ اگلا راونڈ زیادہ بڑا تھا۔ ساتھ لگی تصویر مصر کی "لبریشن بٹالین" کی فوجیوں کی صحرا میں تربیت کرتے وقت۔ اس نے برٹش فوج کے خلاف سویز کینال زون میں گوریلا جنگ لڑی تھی۔

سوالات و جوابات

SaleemJamali

سرد جنگ کیوں نام پڑا؟

WaharaUmbakar

اس میں سخت سیاسی مخالفت تھی لیکن گرم جنگ نہیں تھی۔اس لئے اس سیاسی دور کو الحرب العربیہ الباردۃ (عرب سرد جنگ) کہا گیا ہے۔

ShafiqAhmad

آبادی کی صورتحال ایسی تھی کہ۔۔۔۔۔۔۔۔کیسی صورتحال؟ وضاحت سے کہئے!

WaharaUmbakar

یہ گنجان آباد شہری علاقہ تھا، جہاں پر تحریکوں سے exposure ہوتا ہے۔اور بڑے مہاجر کیمپ میں concentrated آبادی تھی۔ مصری انٹیلی جنس کی طرف سے قید، تشدد اور ہراساں کئے جانا عام تھا۔ مشہور فلسطینی لیڈروں ابو جہاد اور ابو عیاد نے برسوں بعد اپنے تجربات کا انٹرویو میں ذکر کیا ہے جو انہیں عسکریت پسندی کی طرف لے گئے۔

ShafiqAhmad

کیا مصری خواتین فوج بھی تھی؟ تصویر خواتین فوجیوں کی ہے کیا؟

WaharaUmbakar

جی، 1956 کی سویز جنگ میں مصری خواتین نے شرکت کی تھی اور combat آپریشنز میں حصہ لیا تھا۔ ساتھ لگی تصویر میں 1956 میں مصری فوج کی ہے۔ (موجودہ مصری فوج میں خواتین کو عسکری آپریشنز کے لئے بھرتی نہیں کیا جاتا۔ فوج میں ان کا کردار سپورٹ آپریشنز کے لئے ہے)

ShafiqAhmad

پینتالیس گھر کہاں مسمار کیے؟ پوسٹ میں ہی شامل کر دیجیے۔اس سے کافی ابہام ختم ہو جائے گا

WaharaUmbakar

قبیہ کے دیہات میں۔ یہ آپریشن شوشانہ تھا جو اکتوبر 1953 میں کیا گیا۔اس کی جگہ ساتھ لگی تصویر میں

ShafiqAhmad

یہ تب اسرائیلی قبضہ میں تھا؟

WaharaUmbakar

نہیں، اردن کے پاس تھا۔ اردنی قبضے کے دور میں اسرائیلی ڈیفنس فورس نے مغربی کنارے میں انیس عسکری "انتقامی آپریشن" کئے ہیں۔

ShafiqAhmad

کیا حقیقتا روس ایٹمی حملہ کر سکتا تھا؟ اور کیا اسرائیل جو چند کلومیٹر چوڑی پٹی نما ہے، ایٹم بم کے اثرات اسی تک محدود رکھے جا سکتے تھے؟

WaharaUmbakar

سوویت یونین نے برطانیہ، فرانس اور اسرائیل پر نیوکلیئر حملے کی دھمکی دی تھی۔ اسے اثرات کو مختصر علاقے تک محدود رکھنے میں دلچسپی نہیں تھی۔

ShafiqAhmad

لبریشن بٹالین نے کب گوریلا جنگ لڑی؟

WaharaUmbakar

دوسری عرب اسرائیل جنگ کے دوران

ShafiqAhmad

تب برطانیہ کے خلاف کیسے لڑی؟ برطانوی فوج تو کب کی نکل نہیں چکی تھی؟

WaharaUmbakar

برٹش فوج نے مصر سے انخلا جولائی 1956 میں کیا ہے۔

ShafiqAhmad

جوتے جو پہن رکھے ہیں، وہ جنگ اور خصوصا گوریلا جنگ کے لیے تو بالکل غیر مناسب ہیں۔ اس پر بتائیے!

WaharaUmbakar

اس کا علم نہیں

ShafiqAhmad

مولے کا سیاسی اقتدار/"کردار"/زعم/تفوق/دورانیہ۔ درست لفظ لگائیے!

WaharaUmbakar

ٹھیک کر لیا ہے۔ یہ سیاسی کیریئر تھا۔

ShafiqAhmad

تب فدائی حملے استشہادی ہوا کرتے تھے یا فقط دخیلی ؟

WaharaUmbakar

استشہادی اور دخیلی کا مطلب کیا ہے ؟

ShafiqAhmad

استشہادی، شہادت سے ہے، یعنی اس میں حملہ آور کی جان بچنا ممکن ہی نہیں یعنی بم باندھ کر کسی جگہ حملہ کرنا اور بم پھاڑنا، اس میں حملہ آور کی جان بچنا ممکن نہیں۔ (اس کی شرعی حیثیت میں آراء عمومی حالات میں مضائقہ کی ہیں۔ اسے عامی زبان میں خودکش حملہ کہتے ہیں لیکن یہ لفظ تغلیط ڈالتا ہے) دوسرا طریقہ دشمن کے پڑاو وغیرہ میں گھس کر حملہ کرنا، جس میں جان بچنے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں لیکن امکانات ہوتے ضرور ہیں۔

WaharaUmbakar

یہ فدائی حملے مارو اور بھاگو طرز کے ہوا کرتے تھے۔ جہاں تک شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو فلسطینی تحریکِ آزادی کو ان کی شاید ہی کوئی پرواہ ہو۔ یہ تحریک زیادہ تر سیکولر نیشنلسٹ تحریک رہی ہے۔ (پی ایل او کا مطالبہ ہمیشہ سے سیکولر ریاست کا قیام ہے)۔
جب لبنان جنگ میں اسرائیل نے ہزیمت اٹھائی تو فلسطینی تحریکِ آزادی کا زور توڑنے کے لئے اسرائیل نے غزہ میں اخوانِ اسلامی کی حوصلہ افزائی شروع کی تو اس کے نتیجے میں 1987 میں حماس وجود میں آئی اور تحریک کا کیریکٹر تبدیل ہوا۔

ShafiqAhmad

بہت محنت کرنا پڑتی ہو گی!

WaharaUmbakar

ایک قسط لکھنے پر تقریبًا آدھ گھنٹا لگ جاتا ہے۔ وقت نکل آئے تو کئی اقساط اکٹھی لکھی جاتی ہیں اور روز کی ایک پوسٹ ہو جاتی ہے۔ (اس سیریز کی ستائیس اقساط کچھ روز پہلے تک لکھ لی تھیں)۔

ShafiqAhmad

معلوماتی سلسہ ہے۔ براہ کرم ممکنہ حل اور آپ کا مجوزہ حل بھی پیش کیجیے گا، وگرنہ تمام تفصیل کرشماتی رہے گی!

WaharaUmbakar

آخری اقساط اسی بارے میں ہوں گی کہ اس کے مختلف پیشکردہ حل کیا ہیں

ShafiqAhmad

آپ اپنی رائے بھی دیں گے ناں!!؟؟؟!!!!؟؟

WaharaUmbakar

بالکل بھی نہیں۔ صرف ماہرین کی آراء ہوں گی جو اس تنازعے کو بہترین طریقے سے جانتے ہیں اور اسے حل کرنے کے لیئے کی جانے والی کوششوں کا حصہ رہے ہیں۔

M.Umar

سر آج کل امریکہ کی اسرائیل کو سپورٹ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

WaharaUmbakar

کئی وجوہات ہیں۔ امریکہ میں منظم اور موثر یہودی کمیونیٹی تو ہمیشہ سے رہی ہے، جو ایک فیکٹر ہے (لیکن یہ ہمیشہ سے تھا)۔ سرد جنگ میں کئی عرب ملک کمیونسٹ بلاک کا حصہ تھے۔ جبکہ اسرائیل امریکی بلاک میں۔ (لیکن پھر بھی اسرائیل پر کینیڈی کی طرف سے ایٹمی پروگرام روکنے کا دباؤ تھا)۔ کینیڈی کے بعد آنے والے جانسن اسرائیل کے حق میں تھے اور جب 1967 کی جنگ میں اسرائیل نے ہمسائیوں کے خلاف واضح عسکری برتری دکھائی تو امریکہ نے بھی اس خطے میں اپنا پورا جھکاؤ اسرائیل کی طرف کر لیا۔ 1970 کی دہائی کے بعد سے یہ حمایت بہت مضبوط رہی ہے۔

موجودہ امریکہ میں پرانی نسل کے سیاستدانوں میں اسرائیل کی حمایت زیادہ ہے جس کی وجہ سرد جنگ کی تاریخ کے ڈائنامکس بھی ہیں۔۔ نئی نسل میں اتنی مضبوط نہیں رہی۔ (اسی طرح امریکہ میں اگلی نسل کے یہودیوں میں بھی پرو اسرائیل جذبات ویسے نہیں جیسے ان کی پچھلی جنریشن کے تھے)۔

ShahAfzalSherazi

سر عرب کے کون سے ملک سرد جنگ کے دوران کا کمیونسٹ بلاک کا حصہ تھے

WaharaUmbakar

سوویت یونین کا علاقے میں سب سے بڑا اتحادی سیریا تھا۔ سوڈان 1969 سے 1985 میں اس میں تھا۔ لیبیا میں معمر قذافی بہت عرصہ پین عرب ازم اور سوشلزم کے حامی رہے، پھر تھرڈ انٹرنیشنل وے پر۔ جنوبی یمن سوشلسٹ رہا۔ یمن کی خانہ جنگی اس بنیاد پر ہوئی تھی۔ ماریطانیہ 1984 تک رہا، صومالیہ 1977 تک۔ عراق میں انقلاب کے بعد بعث پارٹی آئی جو سوشلسٹ تھی۔ لیکن صدام کو سوشلزم میں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ مصر کا ناصر ازم سوشلسٹ خیالات پر تھا۔

AqeelaBasit

اب تک کی اقساط پڑھ کر کچھ یوں سمجھ آیا ہے کہ فلسطین مضبوط قیادت سے محروم اور عرب دنیا کا پسماندہ اور اگنور علاقہ تھا. جس وقت اسرائیل مضبوطی سے قدم جما رہا تھا تب عرب اور مصر وغیرہ میں نامور لیڈر تھے جو اپنے ملکی اور سیاسی مفاد سے وابستہ تھے جبکہ دوسری طرف تنازعہ فلسطین مزید بڑھتا رہا. ؟؟

WaharaUmbakar

جی بالکل۔ یہاں مضبوط سیاسی قیادت نہیں تھی۔ زیادہ تر علاقہ دیہی تھا اور یروشلم کے علاوہ پسماندہ تھا۔ علاقے پر عثمانی حکومت بہت دور سے صدیوں تک کی جاتی تھی جس میں مقامی سیاسی اداروں کی کوئی شمولیت نہیں تھی۔ اس وجہ سے یہاں پر سیاسی عمل ڈویلپ نہیں ہوا۔ اس کے مقابلے میں مصر میں مہمت علی بڑی حد تک عثمانیوں سے خود مختار رہے تھے۔ مصر میں سیاسی عمل اور جماعتیں تشکیل پا چکی تھیں اور وفد جماعت نے منظم طور پر کالونیل برٹش کے خلاف سیاسی جدوجہد کی۔

النکبۃ کے بعد فلسطینیوں کے پاس خود کچھ زیادہ کرنے کی آپشن نہیں رہی تھیں۔ لیکن کئی بار قیادت کی طرف سے بڑی غلطیاں بھی کی گئیں۔ (جن کا ذکر سیریز میں آئے گا)۔

SardarIrfanZulfiqar

سر ایک جگہ آپ نے لکھا کہ عرب سرد جنگ میں ایک طرف مصر کی قیادت میں پین عرب ازم کا سیکولر اور سوشلسٹ بلاک تھا جبکہ دوسری طرف سعودی عرب کی قیادت میں پین اسلام ازم کا کنزرویٹو بلاک۔

اور دوسری جگہ لکھا کہ مصر سرد جنگ میں غیر جانبدار رہنے کی کوشش میں تھا۔ اگر سرد جنگ کے ایک فریق کی قیادت غیر جانبدار رہنے کی خواہشمند تھی تو سرد جنگ کے اتنا زیادہ عرصہ تک رہنے کی وجہ کیا تھی؟

WaharaUmbakar

عرب سرد جنگ اور امریکہ سوویت سرد جنگ الگ تھیں۔ یہاں پر جو لکھا ہے، وہ یہ کہ مصر امریکہ اور سوویت سرد جنگ سے الگ رہنے کی کوشش میں تھا۔

SardarIrfanZulfiqar

/مصر نے فرنچ برٹش سویز نہر کمپنی کو قومیا لیا تھا۔ ورلڈ بینک نے اسوان ڈیم کے لیے قرض دینے سے انکار کیا تھا اور یہ اقدام اس کے بدلے میں کیا گیا تھا۔/

اس بات کی سمجھ نہیں آئی، ورلڈ بینک کے قرضہ نہ دینے کا بدلہ برٹش فرنچ کمپنی سے کیوں اور اس بدلے پر اس کمپنی کے مالکان کا فوری

ردعمل کیا تھا؟ اسرائیل سے اتحاد یا کچھ اور بھی؟

WaharaUmbakar

اسوان ڈیم بنانا جمال عبدالناصر کی ترجیح تھی۔ ورلڈ بینک سے قرض نہ ملنے کی وجہ امریکہ اور برطانیہ کا یہ تاثر تھا کہ مصر سوویت بلاک کا حامی ہے اور ان کی مخالفت کی وجہ سے قرض روکا گیا تھا۔ جمال عبدالناصر کا کہنا تھا کہ پھر وہ اس کو سویز نہر کی آمدن سے فائننس کر لیں گے۔

مصر سویز کنال کمپنی کو استعمال کی ادائیگی کرتا رہا تھا۔ نہر 1967 کی جنگ کے بعد آٹھ سال تک بند ہوگئی، کھلنے کے وقت پھر عالمی تیل کا بحران آگیا۔ نہر سے ٹریفک کم رہ گیا تھا، کمپنی بند ہوگئی اور نہر کا انتظام براہِ راست مصر کے پاس آگیا۔

KSyedaMosvi

سوال ۱۔ کیا اسرائیلیوں کو فلسطین میں کہیں سے لاکر آباد کیا گیا یا ان کے اباؤ اجداد پہلے سے وہیں رہتے تھے؟

سوال ۲۔ کیا فلسطینی مسلمانوں نے 40-1930 میں اپنی جائیدادیں اسرائیلیوں کو بیچی تھیں یا نہیں؟

سوال ۳۔ کیا سعودیہ کے پرانے بادشاہوں نے اسرائیل کی مدد کی تھی یا نہیں؟

سوال ۴۔ کیا خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے کیے خود مسلمانوں نے انگریز سے ساز باز کرکے اسرائیلی مملکت کے قیام کا اہتمام نہیں کیا تھا؟

سوال ۵۔ کتنے مسلمان ممالک کے اسرائیل میں سفارت خانے ہیں؟

آپ کی پوسٹ بہت معلوماتی اور عمدہ ہے پوسٹ پڑھنے کے بعد یہ سوالات ذہین میں ائے ان کے جوابات بھی اگلی پوسٹ میں دینے مہربان ہوگی شکریہ

WaharaUmbakar

اسرائیل میں روسی اور یورپی یہودی تارکینِ وطن کی آمد انیسویں صدی سے شروع ہوئی تھی۔ یہ آمد مسلسل جاری رہی تھی۔ سب سے بڑی تعداد اس وقت جب نازی حکومت برسرِاقتدار آئی اور ان کی نسل پرست پالیسیوں کی وجہ سے یورپی یہودی بڑی تعداد میں آئے۔ اس پر تفصیل اس لنک سے

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/3361995877236331/

کئی جاگیرداروں نے اپنی زمینیں فروخت کی تھیں۔ کئی شہر ان خریدی ہوئی زمینوں پر آباد ہوئے تھے۔ اس کی تفصیل دو اقساط میں ہے، ایک قسط یہ رہی۔

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/3356559937779925/

نہیں، سعودی عرب اسرائیل کی ابتدا سے اس کا بڑا مخالف رہا ہے۔
عثمانی قبضے کے خلاف عرب بغاوت اپنی آزادی کی تھی۔ اسرائیلی نیشنلزم الگ تحریک تھی۔ دنیا میں کل اکتیس ممالک ہیں جن کے اسرائیل سے سفارتی تعلقات نہیں۔ اس کے ہمسائیوں میں سے مصر اور اردن کے مکمل سفارتی تعلقات ہیں۔ اس حوالے سے دنیا کا نقشہ ساتھ لگی تصویر میں

KSyedaMosvi

اخری سوال ہے سر٦۔ پاکستان اسرائیل کو اس لیے تسلیم نہیں کرتا کہ انہوں نے فلسطین پر قبضہ کیا ہوا ہے تو پاکستان نے کشمیر پر قبضہ کرنے والے کو کیوں تسلیم کیا ہوا ہے؟

WaharaUmbakar

پاکستان اسرائیل کو اس لئے تسلیم نہیں کرتا کہ اس نے اقوامِ متحدہ کی قرارداد کی حمایت نہیں کی تھی جو اس کے قیام کی بنیاد تھی۔ اسرائیل کو "عرب امن پیشکش" یہ ہے کہ وہ اگر اپنے معاملات سیریا، لبنان اور فلسطین سے طے کر لے تو تمام ممالک اس سے نارمل تعلقات بنا لیں گے۔ پاکستان بھی اس پیشکش کا حامی ہے۔

تیسری جنگ

یہ چھ روز کی جنگ تھی۔ پہلی برق رفتار سٹرائیک نے مصر، سیریا اور اردن کے زیادہ تر جنگی جہازوں کو زمین پر ہی تباہ کر دیا تھا۔ صحرا کی جنگ میں فضائی برتری کا مطلب یہ تھا کہ زمینی فورس کا ہونے والا مقابلہ یک طرفہ تھا۔ اسرائیل نے غزہ کی پٹی، جزیرہ نما سینا، مشرقی یروشلم، مغربی کنارے اور گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔

یہ جنگ کیوں ہوئی؟ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک اہم وجہ فلسطینی کمانڈو گروپس کا ابھرنا تھا۔ اسرائیلی حکومت نے دریائے اردن کے پانی کا رخ اپنی طرف موڑنا شروع کر دیا تھا۔ یکم جنوری 1965 کو فتح نے وسطی اسرائیل میں پانی پمپ کرنے والے سٹیشن کو نشانہ بنایا۔ یہ علامتی اہمیت رکھتا تھا۔ ایسے کئی حملے کئے گئے۔ یہ حکومت کے لئے سبکی کا باعث تھے۔

مصر نے اس کو پسند نہیں کیا۔ مصر اپنی معیشت کی بحالی پر توجہ دے رہا تھا اور اسرائیل کو اس وقت چھیڑا گیا تھا جب مصر ایک اور جگہ ملوث تھا۔ یہ اس وقت یمن میں جاری خانہ جنگی تھی۔

عرب دنیا میں ایک "سرد جنگ" جاری تھی۔ مصر عرب قوم پرستوں کی قیادت کر رہا تھا جبکہ اس کے مقابلے میں سعودی عرب کنزرویٹو بلاک کی۔ یمن اس لڑائی کا فلیش پوائنٹ تھا۔ یمنی بادشاہت کے خلاف انقلاب نے 1962 میں خانہ جنگی شروع کر دی تھی جس میں مصری فوج پھنسی ہوئی تھی۔ ساٹھ ہزار مصری فوجی اور فضائیہ کا بڑا حصہ یمن میں تھا۔

ان حالات میں مصری فوج نے اسرائیل کی طرف پیشقدمی کی۔ ایسے کئی اقدامات لئے جو جارحانہ تھے۔ اسرائیل کے لئے ایلات کی بندرگاہ بند کر دی۔ ایسا کیوں؟ یہ عجیب فیصلہ لگتا ہے لیکن اس کی ایک وجہ سیریا میں آنے والی نئی ریڈیکل حکومت تھی، جو فلسطینیوں کو مدد دے رہی تھی۔ اسرائیل اور سیریا کے درمیان جھڑپیں ہوئی تھیں۔ اپریل 1967 میں اسرائیل نے سیریا کے چھ جنگی طیارے مار گرائے تھے۔ مصر نے سیرین انقلاب میں مدد کی تھی اور سیریا کی بعث پارٹی کو سپورٹ کیا تھا۔ مصر علاقے میں بالادستی کا خواہاں تھا۔ اس کی مدد کے لئے مصر نے سینا میں فوج تعینات کرنا شروع کر دی۔ بہرحال، وجوہات جو بھی رہیں (ان پر کئی آراء ہیں)، سینا میں مصری فوج کی نقل و حرکت کو دیکھتے ہوئے اسرائیل نے پہلی سٹرائیک کر دی۔ ایک مختصر جنگ نے تین عرب ممالک کی فوجوں کو ملیامیٹ کر دیا اور مشرقِ وسطی کا چہرہ بدل دیا۔

یہ جون 1967 میں ہونے والی تیسری عرب اسرائیل جنگ تھی جو چھ روزہ جنگ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

اسرائیل کے حوالے سے امریکی پالیسی تبدیل ہوتی رہی تھی۔ ٹرومین، آئزن ہاور اور کینیڈی نے فلسطینی مہاجرین کا مسئلہ حل کرنے کے لیے اسرائیل پر زور دیا تھا۔ آئزن ہاور نے کامیابی سے زور دے کر سینا اور غزہ کے علاقے اسرائیل سے خالی کروائے تھے۔ کینیڈی نے اسرائیل کو نیوکلیئر پاور بننے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ وہ مصر کے ناصر کو علاقے میں کمیونزم کے خلاف اتحادی کے طور پر دیکھتے تھے۔ اس کی وجہ عراق میں عبدالکریم قاسم کی کمیونسٹ حکومت کی آمد اور وہاں پر سوویت یونین کا اثر جبکہ مصر کی ان کے خلاف شدید مخالفت تھی۔

یمن کی 1962 کی خانہ جنگی میں حالات بدل گئے۔ یہ علاقائی تنازعہ بن گیا۔ سوویت یونین نے یمن کی حکومت کی حمایت کی جن کے ساتھ ملکر مصری حکومت لڑ رہی تھی جبکہ امریکہ، برطانیہ، اسرائیل نے شاہی خاندان کی جن کی حمایت سعودی عرب کر رہا تھا۔
مصر اور امریکہ کے تعلقات اس دوران سرد مہری کا شکار ہو گئے۔ کینیڈی کے بعد آنے والے صدر جانسن اسرائیل کے حامی تھے۔ یہ سب وجوہات تھیں جن کے باعث امریکہ کی 1967 میں امریکی حمایت اسرائیل کی طرف تھی۔

سوویت یونین اس جنگ میں عرب کے ساتھ تھا۔ اقوامِ متحدہ میں جنگ بندی کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔
سوویت یونین نے جنگ بندی کی قرارداد کا تیسرا ڈرافٹ نو جون کو ساڑھے بارہ بجے پیش کیا جس میں فوری جنگ بندی کا مطالبہ تھا۔ یہ پچھلے چھ روز میں ہونے والا گیارہواں سیشن تھا۔ اسرائیلی فوج اپنے پورے ملک سے بھی دگنے علاقے پر قبضہ کر چکی تھی۔ اس وقت گولان کی پہاڑیوں پر سیریا کی فوج کو شکست دے رہی تھی اور دمشق کی طرف رواں دواں تھی۔ دمشق چالیس میل دور رہ گیا تھا۔ سوویت یونین جنگ کو جلد سے جلد بند کروانے کے لئے پوری کوشش میں تھا۔ سوویت سفیر نکولائی فیڈورینکو اس عمل میں رکاوٹ ڈالنے والوں سے زبانی دست و گریباں تھے۔ وہ اس خطے میں اپنے سب سے بہترین دوست ملک سیریا کے لئے فکرمند تھے۔ یہ قرارداد 235 تھی جس کو اتفاقِ رائے سے منظور کر لیا گیا۔ جنگ بندی اس سے اگلی روز صبح ہو گئی۔
پڑوسی ممالک کا بڑا علاقہ اب اسرائیل کے پاس تھا۔ مصر، اردن اور سیریا۔۔۔ تینوں ممالک نے اپنی زمین کھو دی تھی۔ اسرائیل اب سویز نہر کے مشرقی کنارے تک پھیل چکا تھا۔

اسرائیل نے جس علاقے کو فتح کیا تھا، اس میں مشرقی یروشلم اور گولان کے رہائشی عربوں کو مکمل اسرائیلی شہریت کی پیشکش کر دی۔ (کچھ نے اس کو قبول کیا، زیادہ تر نے نہیں)۔ مغربی کنارے کی دس لاکھ عرب آبادی میں سے تین لاکھ کو اپنا علاقہ چھوڑنا پڑا۔ زیادہ تر نے اردن

میں رہائش اختیار کر لی۔ گولان سے ایک لاکھ افراد سیریا کی طرف چلے گئے۔ غزہ سے ستر ہزار فلسطینیوں نے نقل مکانی کر کے مصر یا دوسرے علاقوں میں رہائش اختیار کر لی۔

نکلنے والوں میں سے اکثریت کو اسرائیل نے واپس نہیں آنے دیا۔ بعد میں ایک لاکھ بیس ہزار نے واپس آنے کی درخواست دی۔ صرف سترہ ہزار کو واپس آنے کی اجازت ملی۔

موشے دایان اور شیرون نے سینا کو آباد کرنے کا پلان کیا۔ اس میں نئی بستیاں بسائی گئیں۔ بحیرہ روم کے کنارے دو لاکھ آبادی کا یمات کا شہر بسانے کا پلان بنایا۔ (جب تک اسرائیل نے یہ علاقہ خالی کیا، اس کی آبادی تین ہزار تک پہنچی تھی)۔ جب اسرائیل مصر صلح ہوئی تو اسرائیل کو یہ بستیاں چھوڑنا پڑیں۔

آٹھ سال تک نہر سویز بند رہی۔ یورپ اور ایشیا کا تجارتی شارٹ کٹ منقطع ہو گیا۔

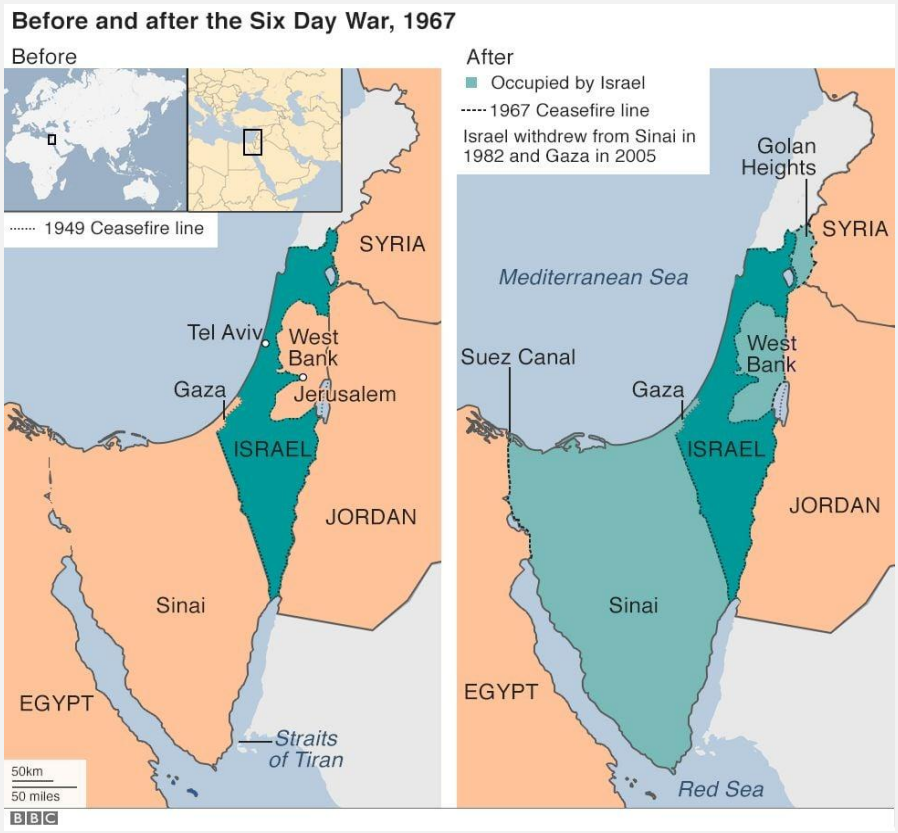

اس جنگ نے فلسطینی قومی شعور اور مزاحمت کو مہمیز دی۔ جیسا کہ ایک مبصر کا تبصرہ تھا، "اس جنگ کا مرکزی تضاد یہ تھا کہ اس میں عربوں کو شکست دے کر اسرائیل نے فلسطین کو زندہ کر دیا تھا"۔ اس کے نتیجے میں دو فلسطینی تنظیمیں منظرِ عام پر آئیں۔

ساتھ لگی تصویر میں بائیں طرف اسرائیل کا نقشہ چھ روزہ جنگ سے پہلے اور دائیں طرف اس جنگ کے بعد۔ ہلکے سبز رنگ میں وہ علاقے ہیں جو اسرائیل نے اس جنگ میں حاصل کئے۔

سوالات وجوابات

SaleemJamali

سر نقشے میں فلسطینی ایریا موجود نہیں

WaharaUmbakar

نقشے میں westbank ہے۔ یہ وہ فلسطینی علاقہ ہے جو اس جنگ میں اسرائیل نے اردن سے حاصل کیا۔ دوسرا Gaza ہے، یہ وہ علاقہ ہے جو اسرائیل نے مصر سے حاصل کیا۔

SaleemJamali

تو کیا 1948 کہ بعد فلسطین کی اپنی کوئی ریاست وجود میں نہیں آئی؟ جس طرح اسرائیل

WaharaUmbakar

نہیں۔ اس سے پہلے 1949 کی جنگ بندی کی سرحدیں تھیں۔ غزہ مصر کا حصہ تھا جبکہ مغربی کنارہ اردن کا۔ اپنی موجودہ شکل میں فلسطینی ریاست اوسلو معاہدوں کے بعد 1995 میں بنی۔

SaleemJamali

سر اسرائیل کے قائم ہونے کہ بعد فلسطین کہ ایریا کا نقشہ اور اس کہ بعد اوسلو معاہدے کے بعد کا نقشہ لگا سکتے ہیں کمنٹ میں

WaharaUmbakar

ساتھ کا نقشہ 1949 کی جنگ بندی کے بعد کا ہے۔

WaharaUmbakar

ساتھ لگا نقشہ اوسلو معاہدوں کے بعد فلسطین کا نقشہ ہے۔ A علاقے وہ ہیں جہاں فلسطینی اتھارٹی کا مکمل کنترول تھا، B پر جزوی کنٹرول جبکہ C علاقوں پر اسرائیل کا کنٹرول۔(ان پر تفصیل آئندہ کی اقساط میں)

SaleemJamali

یعنی فلسطین کی ٹوٹل ملکیت غزہ اور مغربی کنارہ ہیں۔ اور اس وقت فلسطین کا دارالحکومت حکومت مغربی کنارہ میں موجود ہے یا غزہ میں؟

WaharaUmbakar

فلسطینی اتھارٹی کا ایڈمسٹریٹو دارالحکومت مغربی کنارے میں رام اللہ میں ہے۔ غزہ پر فلسطینی اتھارٹی کا کنٹرول نہیں۔ یہ 2007 میں ہونے والی فلسطینی خانہ جنگی کے بعد الگ ہو گیا تھا۔ یہاں پر حماس کا کنٹرول ہے۔

SaleemJamali

حماس کا وجود میں آنا کیسے ممکن ہوا, اور فلسطینیوں کا اس پر کیا ردعمل رہا

WaharaUmbakar

حماس کے بارے میں تفصیل سے اٹھائیسویں قسط میں۔ اس پر تھوڑا سا انتظار

M.Umar

سر کیا اسرائیل کو ابھی تک کسی بھی جنگ میں شکست بھی ہوئی ہے؟؟؟

WaharaUmbakar

کچھ جنگوں میں اسرائیل کو فتح ہوئی، کچھ بے نتیجہ رہیں۔

MuhammadAsadSabir

کیااب مشرق وسطی میں فوجی طاقت کے لحاظ سے اسرائیل کا ہم پلہ ملک ہے یانہیں

WaharaUmbakar

اسرائیل طاقتور ملٹری ہے۔

AyyubMalik

Sir, Pakistan air force ka kia kirdar tha arab Israel war mean especially Israel s war plans destroy kerny mein? Kaha jata hai k Jordan ki air force mein Pakistan k pilots kaam ker rahay thay aur Israel ko naqabil talafi nuqsan punchaya etc.

WaharaUmbakar

پاکستان اور اردن اچھے دوست تھے۔جب اردن نے مغربی کنارے کا الحاق کیا تو دنیا میں اس کو صرف دو ممالک نے تسلیم کیا جو پاکستان اور برطانیہ تھے۔اردن کی افواج کو تربیت دینے والے بھی یہی دو ممالک تھے۔جب یہ جنگ چھڑی تو پاکستان پائلٹ اردن فضائیہ کو تربیت دینے کے لئے اردن میں تعینات تھے۔اس میں ان پائلٹوں نے بھی حصہ لیا۔

اس جنگ میں پاکستانی پائلٹوں نے تین اسرائیلی طیارے گرائے تھے۔یہ تینوں سیف الاسلام نے شکار کئے تھے۔سیف الاسلام بنگلہ دیش کے قیام کے بعد بنگلہ دیش ائیر فورس میں چلے گئے۔پاکستانی پائلٹ کی طرف سے ایک اور جہاز 1974 کی جنگ میں گرایا گیا جو ستار علوی نے شکار کیا۔

اس جنگ میں اسرائیل کے 40 جبکہ عرب افواج کے 452 جہاز تباہ ہوئے۔ان میں سے تین پاکستانی پائلٹ نے گرائے۔اس کو ناقابلِ تلافی نقصان یقیناً نہیں کہا جا سکتا۔

Ayyub Malik

Naqabil e talafi mean 1974 k baad Israel ka Pakistan k bahut ziada against hona her forum py in each and every field aur 1980 s mein India kay Saath mil k Kahuta mein Pakistan k nuclear assets ko destroy kerny ka plans ye sabit kertay hein k Israel ko especially 1974 mein Pakistan sy kafi Dard mila aur phir 1974 k baad Israel ne Arabs k Saath koi baqaida war bhi nai lari since Pakistani special forces are been deployed in

Saudi Arabia since then I think Israel ko bahut ziada Pakistan ki taraf sy dard mila.Aagar dekha jai to Indians are always support PLO s Yasir Arafat but Israel always support India in world forums and against Pakistan s agendas.

You should write about this issue that why Israel is always against Pakistan or why Pakistan is against Israel where even hard core Arabs Bados are wanting good relationship with Israel why not Pakistan.I think if Pakistan have good talks with Israel acceptance issue Israel will give something to Philistine's people. I will wait your in-depth research writing on that issue as well.

WaharaUmbakar

چونکہ ہم پاکستان سے ہیں تو پاکستان centric سوچ رکھنا فطری ہے۔ لیکن اس تنازعے میں پاکستان کا کردار مجموعی طور پر زیادہ نہیں ہے۔ علاقہ پاکستان سے دور ہے۔ پاکستان کی سرکاری طور پر اس مسئلے میں دلچسپی اپنے دوست ممالک کی دلچسپی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ پاکستان کے زیادہ تر عرب ممالک سے، اور خاص طور پر سعودی بلاک سے، اچھے تعلقات رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پاکستان میں عوامی جذبات اور حکومتی پالیسی فلسطین کے حق میں ہے اور یہ تبدیل نہیں ہو گا۔ انڈیا اسرائیل تعلقات زیادہ گرمجوشی والے کبھی نہیں رہے (اندرا گاندھی نے پاکستان کے خلاف اسرائیل سے مدد لینے کی کوشش کی تھی)۔ یہ ایک تضاد ہے کہ پاکستان عملی طور پر فلسطینیوں کے لئے کوئی خاص کردار اس وقت تک نہیں ادا کر سکتا جب تک اسرائیل سے تعلقات نہ بنا لے۔ (فلسطین کاز کے لئے جن ممالک نے سب سے زیادہ کام کیا ہے، وہ ترکی، آئرلینڈ، مصر اور قطر ہیں)۔

فلسطینی تحریک کے پاکستان سے اچھے تعلقات رہے ہیں لیکن اس کے مقابلے میں انڈیا سے تعلقات زیادہ بہتر رہے ہیں۔ (پاکستان کو امریکہ کے بلاک میں سمجھا جاتا رہا ہے)۔ انڈیا کے وزیرِاعظم نریندر مودی فلسطین جانے والے پہلے سربراہِ مملکت تھے۔ فلسطین کا اعلیٰ ترین سول اعزاز مودی کو دیا گیا ہے۔ (ساتھ تصویر میں مودی یاسر عرفات کی قبر پر پھول چڑھا رہے ہیں۔ پیچھے فلسطینی صدر محمود عباس ہیں)۔

JunaidTahir

مصر اور شام دونوں بڑی فوجی طاقتیں ہیں لیکن ان کا اتنی بری پٹنا اور اہم علاقوں سے ہاتھ دھونا بہت حیران کن اور مایوس کن ہے۔ ایسا کیا تھا اسرائیل کے پاس جو مصر شام اردن کے پاس نہیں تھا۔

WaharaUmbakar

اس جنگ کے وقت مصر کی فوج کا ایک حصہ یمن میں جنگ کر رہا تھا۔ جنگ کی عسکری پلاننگ کا فقدان تھا۔ سیریا مستحکم نہیں تھا۔ جنگ میں جب فضائیہ کا پہلے دن صفایا ہو گیا تو جنگ میں عرب افواج کا کوئی چانس نہیں تھا۔ صحرا میں، بغیر کور کے، فضائیہ کا کردار کلیدی ہوتا ہے۔

جنگ سے پہلے اسرائیل کا اندازہ تھا کہ وہ اس جنگ کو تین سے چار روز میں جیت لے گا۔ امریکہ کا خیال تھا کہ سات سے دس روز میں۔ اس جنگ میں اسرائیل کی آسان جیت غیر متوقع نہیں تھی۔

RaoMubashar

سر مشرق وسطی میں کونسے ممالک شامل ہیں؟

WaharaUmbakar

عام طور پر اس سے جو علاقہ مراد لیا جاتا ہے، اس میں عراق، ایران، مصر، سعودی عرب، سوڈان، اسرائیل، سیریا، لبنان، متحدہ عرب امارات، بحرین، عمان، یمن، کویت، ترکی، قبرص، بحرین ہیں۔

YameenKhan

سر سوڈان کیسے وہ تو براعظم افریقہ میں ہے؟؟

WaharaUmbakar

مصر بھی افریقہ میں ہے۔ سوڈان اسکا ہمسایہ ہے۔

کئی بار لیبیا، یا اس سے آگے مراکش، تیونس اور الجیریا کو بھی اس علاقے میں شامل کیا جاتا ہے۔ یہ بھی افریقی ممالک ہیں۔

SardarIrfanZulfiqar

سر دریاؤں کے پانی کے قدرتی راستوں کو نہ موڑنے کے حوالے سے کوئی عالمی قوانین ہیں جن کی خلاف ورزی پر اس ملک کی سرزنش ہوتی ہو؟ فلسطینی کمانڈو گروپس کو ان ممالک کی سپورٹ حاصل تھی؟

دس لاکھ میں سے تین لاکھ کو علاقہ چھوڑنے پہ کیوں مجبور کیا گیا؟ یعنی چھانٹی کس بنیاد پہ کی جا رہی تھی اور واپس آنے کی اجازت ملنے والے

سترہ لاکھ کے متعلق بھی یہی سوال ہے۔

اسرائیل کے اس قدر طاقتور ہونے کی بہت سی وجوہات میں سے سب سے اہم (آپ کی نظر میں) وجہ کیا ہے؟

WaharaUmbakar

دریا کے پانی کے حق پر عالمی قوانین موجود ہیں، جن سے راہنمائی لی جا سکتی ہے۔ چونکہ یہ تقسیم آسان نہیں، اس لئے ان کے باوجود تنازعات ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً، ایتھیوپیا، مصر اور سوڈان کے درمیان اس وقت ایتھیوپیا کے ڈیم پر سنجیدہ تنازعہ جاری ہے (جو ایک وقت میں مسلح جنگ تک پہنچنے کے قریب تھا)۔ اردن اور اسرائیل کے درمیان بھی پانی پر تنازعہ رہا جو آپس میں معاہدے میں طے ہوا۔ لیکن ایک اور مسئلہ ہے جو فلسطینی کاشتکاروں اور اسرائیلی کاشتکاروں کے درمیان پانی کی تقسیم کا ہے۔

فلسطینی کمانڈو گروپس کو اعلانیہ حکومتی سرپرستی حاصل نہیں تھی، لیکن مختلف گروپس کو مختلف حکومتیں اور نجی سپورٹ ملتی تھی۔ مثلاً، ابو ندال کو عراق کی حمایت حاصل تھی۔

علاقہ چھوڑنے والے کچھ لوگ جنگ سے بچ کر بھاگے، کچھ دیہات تھے جنہیں خالی کروایا گیا۔ کچھ جگہوں پر شک کا اظہار کیا گیا کہ یہاں سے عرب فوج کی مدد کی جا رہی ہیں اور علاقے میں کارروائی کی گئی۔

واپس آنے کی اجازت ملنے والے سترہ لاکھ نہیں، سترہ ہزار تھے۔ زیادہ تر انہیں ملی جن کی فیملی منتقسم ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا کوئی خاص میعار نہیں تھا۔

اسرائیل کے طاقتور ہونے کی ایک وجہ siege mentality بھی رہی ہے۔ یعنی اس کے لئے یہ بقا کا معاملہ تھا۔ ملکی دفاع کے معاملے پر کوئی اختلاف نہیں تھا۔ اسرائیلی قومی شناخت بہت مضبوط ہے۔ اس کے پاس تیل یا دوسری معدنی ذخائر نہیں۔ ہیومن ریسورس ڈویلپمنٹ کے لئے یہ مددگار رہتا ہے۔ امریکہ کی مدد اس کو ملتی رہی ہے اور اس کو استعمال ٹھیک جگہ پر کیا جاتا رہا ہے یعنی کرپشن یا بدانتظامی نہیں۔ ہمسائیوں کے برعکس ملک ابتدا سے ہی جمہوری رہا ہے۔ حکمرانوں کی جوابدہی ہوتی رہی ہے۔ participatory democracy، یعنی ایسی جمہوریت جس میں لوگ خود کو ملک کی قسمت میں شریک سمجھیں، افرادی قوت کو unlock کرنے کا ایک بہترین طریقہ سمجھا جاتا ہے۔

SardarIrfanZulfiqar

میری توقع کے برعکس سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہمسایہ ممالک سے آگے ہونا ان اہم وجوہات میں شامل نہیں ہے۔ بہت شکریہ۔

WaharaUmbakar

سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہمسایہ ممالک سے بہت آگے ہے۔ یہ تو بس ایک فیکٹ ہے۔
لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ مصر یا عراق یا سعودی عرب اسرائیل سے آگے کیوں نہیں؟

RizwanAhmad

سر اسرائیل نے اتنی جلدی تینوں ممالک کی فضائیہ کو کیسے تباہ کر دیا، یہ تو بہت حیران کن ہے اور تفصیل طلب ہے۔

WaharaUmbakar

جی۔ یہ حیران کن کامیابی تھی۔ دنیا کی عسکری تاریخ کا شاید کامیاب ترین آپریشن تھا۔ اس کو آپریشن فوکس کا نام دیا تھا۔ اسرائیل نے اس وقت فرانس کے ساتھ ملکر ایک نیا ہتھیار بنایا تھا۔ یہ رن وے تباہ کرنے والا راکٹ تھا، جب بہت کامیاب رہا۔ اس میں دو راکٹ تھے۔ پہلا راکٹ رن وے میں سوراخ کرتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دوسرا راکٹ زیادہ گہرائی میں جا کر پھٹتا تھا اور بڑے علاقے میں گہرا سوراخ بنا دیتا تھا۔ ناکارہ ہو جانے والی رن وے ناقابلِ مرمت بھی ہو جاتی تھی۔ ایک بار رن وے ناکارہ ہو جائے تو زمین پر کھڑے جہاز تو ترنوالہ ہیں۔
اسرائیل کے پاس کل جہاز عرب افواج کے مقابلے میں نصف سے بھی کم تھے۔ تمام جہاز اڑا دئے گئے تھے۔ چار لہروں میں حملے کئے گئے۔ اسرائیل کے 338، سیریا کے 61، اردن کے 29، عراق کے 23 جہاز گرائے گئے۔ اس آپریشن میں اسرائیل کے صرف 19 جہاز گرے۔
صبح پونے آٹھ بجے شروع ہونے والا آپریشن دوپہر بارہ بجے تک بڑی حد تک مکمل ہو چکا تھا۔

RizwanAhmad

سر، کیا تینوں ممالک کے سارے ائیر پورٹس پر اکٹھے حملہ کیا گیا؟ ایک طرف حملے کا مطلب دوسری طرف سے کمک پہنچ جاتی،
دوم اس اچانک حملے کا مطلب ان ممالک کی انٹیلیجنس اداروں کی مکمل ناکامی تھی، جنہیں فرانس کی مدد سے راکٹس تیاری تک کا علم نہیں تھا۔

WaharaUmbakar

جی، یہ بیک وقت ہونے والا حملہ تھا۔ دو سو میں سے 183 اسرائیلی طیارے اکٹھے اڑے تھے اور پہلے گھنٹے میں گیارہ ائیر پورٹ، دو سو جہاز اور آٹھ ریڈار سٹیشن تباہ کر چکے تھے جبکہ اس دوران اسرائیل کے پانچ جہاز گرے تھے۔ جنگ بڑی حد تک اس وقت میں ہی طے ہو چکی تھی۔

مصر نے اسرائیل کی عسکری برتری کا ٹھیک اندازہ نہیں لگایا تھا۔ ورنہ ایلات کی بندرگاہ بند کرنے اور سینا میں اقوامِ متحدہ کے فوجیوں کو نکلنے کا کہہ کر مصری فوج کو اس علاقے میں اسرائیلی سرحد کی طرف بھیجنے کے اقدامات شاید نہ کئے جاتے۔

RizwanAhmad

سر کیا تاریخ میں جنگ عظیم دوم میں جرمنی کے چند ممالک پر برق روز گار فضائی حملے اور قبضہ اس مثال سے زیادہ کامیاب نہیں تھے؟؟

WaharaUmbakar

جی، جرمنی نے بھی ابتدا میں بہت سرعت کے ساتھ کامیابی حاصل کی تھی۔

تاہم آدھے دن میں تین ممالک کی فضائیہ تباہ کر دینا اور چھ روز میں اپنے ملک کے رقبے سے دگنے رقبے میں قبضہ کر لینا ایک بڑی عسکری کامیابی کہی جا سکتی ہے۔

تیسری جنگ کے بعد

چھ روزہ جنگ مختصر تھی لیکن اس کے اثرات طویل مدت تھے۔ اسرائیل کا مغربی کنارے، گولان کی پہاڑیوں اور غزہ پر قبضہ ابھی تک جاری ہے۔ لیکن اس نے خطے کی پوری سیاست کو بدل دیا۔ یہ ناصر ازم اور پان عرب ازم کے نظریاتی زوال کا باعث بنا۔ اس کے بعد عرب طاقت کا توازن رفتہ رفتہ شفٹ ہو کر مصر سے سعودی عرب چلا گیا۔ امریکہ اور سوویت یونین کی خطے میں دلچسپی بڑھ گئی۔

حافظ الاسد نے سیریا میں حکومت کا تختہ الٹا کر 1970 میں اقتدار حاصل کر لیا۔ (آج باون برس بعد بھی انہی کے بیٹے بشار الاسد کے پاس ہے)۔ اسرائیل نے جتنے علاقے حاصل کئے تھے، اس سے اس کا رقبہ تین گنا ہو گیا تھا۔ اس جنگ کا ایک اثر یہ ہوا کہ عرب اسرائیل تنازعہ کمزور پڑ گیا اور اسرائیل فلسطین تنازعہ زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔

اس جنگ کے بعد عرب لیگ کی کانفرنس خرطوم میں ہوئی جہاں پر عرب لیڈروں نے اسرائیل سے تین مشہور "نہیں" پر اتفاق کیا۔ "اسرائیل سے امن نہیں"، "اسرائیل کو تسلیم نہیں"، "اسرائیل سے مذاکرات نہیں"۔ اس میں کہا گیا کہ اسرائیل ان زمینوں کو خالی کر دے جن پر چھ روزہ جنگ میں قبضہ کیا ہے۔ یہ بڑی تبدیلی اس طرح تھی کہ اس سے قبل یہ مقصد "آزادی فلسطین" تھا۔ عملی طور پر پہلی بار ان "تین انکاروں" کی پالیسی کے ساتھ ہی عرب قیادت نے اس جنگ کے بعد اسرائیل کو اور اس کی 1948 کی جنگ کے نتیجے میں کی جانے والی زمین پر قبضے کو تسلیم کر لیا تھا۔

بادلِ نخواستہ، اسرائیل کو حقیقت کے طور پر مان لیا گیا تھا۔ اب مقصد اس سے اپنی زمینوں کی واپسی کا رہ گیا تھا۔ اور اس کے لئے مذاکرات ہی کئے جانے تھے۔

مصر کے انوار سادات نے 1979 میں اسرائیل سے امن معاہدے پر دستخط کر دئے۔ اسرائیل نے سینا میں آبادکار بسانا شروع کر دئے تھے۔ اس معاہدے کے نتیجے میں اسرائیل نے یہ بستیاں خالی کر دیں۔ سینا کا علاقہ مصر کو واپس کر دیا گیا۔ اردن نے اسرائیل سے امن معاہدہ 1994 میں کیا۔

فلسطین میں نیشنلزم ڈویلپ ہونے لگا۔ خاص طور پر مغربی کنارے اور غزہ میں اسرائیل کا مارشل لاء قابلِ قبول نہیں تھا۔ آزادی اظہار، پریس کی آزادی، سیاست کی آزادی نہیں تھی۔ فلسطین کا جھنڈا لہرانا قابلِ گرفت جرم تھا۔ اس کا نتیجہ انتفاح، پاپولر فرنٹ اور دوسرے عسکریت پسند گروپس کی صورت میں نکلا۔

الجیریا میں فرانس کے خلاف آزادی کی جنگ جیتی گئی تھی۔ ویت نام میں ایک سپر پاور کو ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ یہ مثالیں فلسطینی تنظیموں کی راہنمائی کر رہی تھیں۔

اردن کی آبادی کا دو تہائی اب فلسطینی تھے۔ اردن میں پی ایل او کا ہیڈکوارٹر قائم ہوا۔ یہاں سے اسرائیل پر گوریلا حملے کئے جاتے۔ ان کا بھاری جواب آتا جو اردن کے لئے تباہ کن تھا۔ پی ایل او اردن کی آزادی کو بھی چیلنج کر رہی تھی۔ اردن کے شاہ حسین اور پی ایل او کے درمیان کشیدگی بڑھ رہی تھی۔ اس وجہ سے ستمبر 1970 میں خانہ جنگی شروع ہو گئی جو جولائی 1971 تک جاری رہی۔ اس دوران ہزاروں فلسطینی قتل ہوئے اور پی ایل او کو اردن سے لبنان کی طرف دھکیل دیا گیا۔ فلسطینی اس واقعہ کو "سیاہ ستمبر" کہتے ہیں۔

(پی ایل او سے نکلنے والے ایک گروپ نے یہی نام اپنایا۔ ان کی وجہ شہرت 1972 میں میونخ اولمپکس سے گیارہ اسرائیلی ایتھلیٹ اغوا کرنا تھا۔ ان کو چھڑوانے کے آپریشن میں یہ مارے گئے۔ اس کو دنیا بھر میں دکھایا گیا اور یہ واقعہ Munich massacre کہلاتا ہے)۔

پی ایل او کو اقوامِ متحدہ میں 1974 میں "مستقل مبصر" کی حیثیت مل گئی۔ لیکن ابھی اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کے میز تک آنے میں وقت لگنا تھا۔

اسرائیل نے 1967 کی جنگ کے بعد سیریا اور مصر کو تو علاقے واپس کر دئے لیکن مغربی کنارہ اپنے پاس رکھا۔ یہ وہ علاقہ ہے جس کو اسرائیل اپنا حصہ بنانا چاہتا ہے۔ اسرائیل نے تمام مقبوضہ علاقوں میں آبادیاں بنائیں لیکن سب سے زیادہ مغربی کنارے میں۔ اس نے اسرائیلی آبادکار انتہاپسندوں کے سیاسی اور مذہبی گروپ کو جنم دیا جو اسے علاقے کو اسرائیل کا حق سمجھتے ہیں۔ اور یہ گروپ فلسطینیوں کو کسی بھی رعایت دینے کا مخالف ہے۔

جب اسرائیل پیراٹروپر دستے نے مشرقی یروشلم کے پرانے شہر پر قبضہ کیا تو اس پر اسرائیل میں جشن منایا گیا۔ اسرائیل نے اس کا ڈی فیکٹو الحاق کر لیا۔ مغربی اور مشرقی یروشلم کو ملا دیا گیا۔ فلسطینیوں نے اس پر شدید احتجاج کیا۔ (فلسطین اور اسرائیل اس شہر کو اپنا دارالحکومت کہتے ہیں)۔

اسرائیل کے 1967 میں قبضہ کئے گئے علاقے ۔۔۔ مشرقی یروشلم، مغربی کنارہ اور غزہ ۔۔۔ اور ان میں آبادیوں کا پھیلاؤ اب اس تنازعے کا تمام فوکس ہیں۔ فلسطینیوں کا اسرائیل سے جھگڑا ان پر ہے۔ ان پر لڑائی کی گئی ہے۔ بہت سے جانیں جا چکی ہیں۔ 1967 کی جنگ نے اس تنازعے کو شکل دی اور وقت کے ساتھ سمٹ کر یہ اسرائیل فلسطین تک محدود رہ گیا۔

ساتھ لگی تصویر خرطوم کانفرنس میں انیس اگست 1967 کی۔ اس کانفرنس میں مشہور "The three no's" پر اتفاق ہوا تھا۔ تصویر

میں سعودی عرب کے شاہ اس تنازعے کو شکل دی اور وقت کے ساتھ سمٹ کر یہ اسرائیل فلسطین تنازعے تک محدود رہ گیا۔
(فیصل، مصر کے جمال عبدالناصر، یمن کے عبداللہ السلال، کویت کے صباح سوئم اور عراق کے عارف الجمیلی نظر آرہے ہیں۔)

سوالات وجوابات

SardarIrfanZulfiqar

چھ روزہ جنگ میں مغربی کنارہ اور مشرقی یروشلم کا علاقہ اسرائیل نے اردن سے چھینا تھا اور 1994 میں جب اردن اسرائیل امن معائدہ ہوا تو اس میں اردن کی جانب سے شرائط کیا تھیں؟ یہ علاقہ اس کو واپس کیوں نہ مل سکا؟ اور گولان کی پہاڑیاں سیریا کو واپس ملیں؟

WaharaUmbakar

امارہ شرق الاردن کا قیام 1921 میں ہوا۔ شاہ عبداللہ اور ان کی فوج نے اس علاقے پر کنٹرول حاصل کیا تھا۔ قاہرہ کانفرنس کے نتیجے میں یہ علاقہ شاہ عبداللہ کو مل گیا۔ شرق الاردن کا مطلب تھا کہ دریائے اردن کا مشرقی کنارہ۔ یہ اس ملک کی سرحدیں تھیں۔ (چرچل نے فیصل اور عبداللہ کو یقین دلایا تھا کہ یہودی ریاست دریائے اردن کے مغرب تک محدود رہے گی)۔
مغربی کنارہ اردن کا حصہ نہیں تھا۔ جب پہلی عرب اسرائیل جنگ ہوئی تو اس میں اردن کی فوج نے دریائے اردن کے مغرب میں جس حصے پر قبضہ کر لیا تھا، یہ مغربی کنارہ کہلاتا ہے۔ اس کا اردن کے ساتھ الحاق 1950 میں شاہ عبداللہ نے کیا۔ دنیا کے صرف دو ممالک (پاکستان اور برطانیہ) نے اس الحاق کو تسلیم کیا۔ شاہ عبداللہ کے بعد اردن کو اس علاقے کو اپنا حصہ بنانے میں اتنی دلچسپی نہیں تھی۔ 31 جولائی 1988 کو رسمی طور پر قرار فک الارتباط کے تحت اردن اس علاقے پر اپنے دعوے سے دستبردار ہو گیا اور یہاں پر تنظیمِ آزادی فلسطین کا حق تسلیم کر لیا۔ یہ علاقہ اردن اور اسرائیل کے درمیان متنازعہ نہیں۔
اردن اسرائیل معاہدے میں کئی طرح کے معاملات طے ہوئے تھے۔ سرحدوں پر اتفاق ہوا تھا۔ جسر الجامع، تسوفار، الغمر کے علاقے اردن کو مل گئے۔ (یہ علاقے اسرائیل کے پاس 1949 سے تھے)۔ پانی کی تقسیم کا معاہدہ ہوا۔ منشیات اور جرائم کی سدِباب پر ہوا۔ سیکورٹی اور دفاع پر اتفاق ہوا۔ ویزہ، تجارت، سفارتی تعلقات پر معاہدہ ہوا۔ ایک دوسرے کے خلاف پراپیگنڈا نہ کرنے اور عسکریت پسندوں کے بارے میں پالیسی طے ہوئی۔ فلسطینی مہاجرین کی مدد کا فنڈ قائم ہوا۔
گولان کا علاقہ اسرائیل کے پاس ہے۔ سیریا اور اسرائیل کا آپس میں معاہدہ نہیں ہوا۔

SardarIrfanZulfiqar

تفصیل سے سمجھانے کا بہت شکریہ سر۔

یعنی گولان کا علاقہ سیریا اور اسرائیل کے درمیان متنازعہ ہے؟ نیز مصر اور ادن کا اسرائیل سے کسی علاقے پہ تنازعہ نہیں۔ درست؟

WaharaUmbakar

جی بالکل۔ گولان کا تنازعہ اسرائیل اور سیریا کا ہے۔ مصر اور اردن کے ساتھ اسرائیل کا سرحدی معاملات پر کوئی تنازعہ نہیں۔ (لبنان کے ساتھ بھی تنازعہ تھا۔ یہاں پر قبضے میں لی گئی زمین اسرائیل نے ایہود باراک کے دور میں خالی کر دی تھی)۔

MuhammadAkram

سر، اردن کی فوج کے مغربی کنارے پر قبضہ سے قبل یہ علاقہ کس ملک کا حصہ تھا؟

WaharaUmbakar

اس سے پہلے یہ British mandate for Palestine کا حصہ تھا۔

SardarIrfanZulfiqar

عرب لیگ کا "تین نہیں" پر اتفاق کتنا عرصہ چل سکا؟

WaharaUmbakar

مصر نے اسرائیل کے ساتھ امن مذاکرات اور معاہدہ کیا تھا، اس پر عرب لیگ نے احتجاج کرتے ہوئے مصر کو کچھ عرصے کے لئے عرب لیگ سے نکال دیا تھا۔

دوسری طرف مصر کا مسئلہ یہ تھا کہ اس کا بڑا حصہ اسرائیل کے پاس تھا۔ نہر سویز بند پڑی تھی۔ اسرائیل مصر کی وقتاً فوقتاً جھڑپیں ہوتی تھیں۔ اسرائیل کی طرف تو صحرا تھا لیکن اسرائیلی گولہ باری سے اسماعیلیہ، سویز اور دوسری آبادیوں میں زندگی متاثر ہو رہی تھی۔

SardarIrfanZulfiqar

غزہ اور مغربی کنارے میں چھ روزہ جنگ کے بعد بچ جانے والے فلسطینیوں کی تعداد کتنی تھی جن کو پابندیوں کا سامنا تھا؟ اسرائیلی علاقے میں رہائش پذیر فلسطینیوں کی طرف سے تو کوئی مزاحمت نہیں سامنے آئی ہو گی؟

WaharaUmbakar

مغربی کنارے میں دس لاکھ آبادی میں سے تین لاکھ آبادی نے علاقہ چھوڑا تھا۔ غزہ کی زیادہ تر آبادی وہیں رہی تھی۔ اسرائیل کے اندر عرب آبادی پر سے پابندیاں اس جنگ سے پہلے 1966 میں اٹھائی گئی تھیں۔ اس جنگ میں ان کا خاص کردار نہیں تھا۔ اسرائیلی عربوں

میں سے بدو (انہیں یہی کہا جاتا ہے)، اسرائیلی فوج میں شرکت کرتے ہیں، باقی عربوں میں سے بہت کم۔ جنگ میں فلسطینیوں کا بالعموم کردار بہت کم تھا۔

SardarIrfanZulfiqar

آپ کا سلسلہ ہمیشہ کی طرح بہت شاندار جارہا ہے لیکن میری رائے میں یہ موضوع اس سے زیادہ وضاحت کا طالب ہے، وہ لوگ جو اس موضوع پر زیادہ تفصیل سے پڑھنا چاہیں ان کے لیے کسی اچھی کتاب (اردو میں) کا نام بھی بتادیں۔

WaharaUmbakar

اردو میں اس پر اچھی کتاب کا علم نہیں۔ لیکن ایک بہت آسان سی کتاب جو اس تنازعے کو عام طور پر پوچھے گئے سوال جواب کی صورت میں پیش کرتی ہے، وہ یہ ہے The Israel-Palestine Conflict: What Everyone Needs to Know
اس سیریز میں تاریخ کا وہ حصہ جس کا فلسطین سے براہِ راست تعلق نہیں، اسے بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ ورنہ مصری سیاست اور تحریکیں، سیریا کی تاریخ، اردن کا قیام، عراق میں شاہ فیصل کی سلطنت، لبنان کی تاریخ یا 1967 کی جنگ وغیرہ جیسے موضوعات کے لئے الگ اور مکمل کتاب کی ضرورت ہے۔

SardarIrfanZulfiqar

شکریہ سر۔ آپ کی بات بالکل درست ہے لیکن تنازعے کو گہرائی میں سمجھنے کے لیے ان ممالک کی تاریخ اور جنگوں کے اسباب کو سمجھ لینا بہت مفید ہے، مجھے ذاتی طور پر کسی معاملے کی تب تک سمجھ نہیں آتی جب تک اس سے منسلک تمام واقعات کو ایک تسلسل سے سمجھ نہ لوں شاید سب کے ساتھ ایسا نہ ہو۔

WaharaUmbakar

آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے کہ کسی معاملہ کی سمجھ اس وقت تک ٹھیک سے نہیں آتی جب تک اس سے منسلک واقعات کا علم نہ ہو۔ (ایسا سب کے ساتھ ہے، شاید ہر کسی کو پتا نہیں لگتا)۔

AyyubMalik

Sir 1971 Jordan mein phelestines k Jis massacre ka ilzam general zia per lagaya jata wo kis had tak real hai.

WaharaUmbakar

بریگیڈیئر ضیاالحق پاکستان آرمی کی طرف سے تعینات تھے۔ ان کا کام اردنی فوج کی تربیت کا تھا۔ جب اردن نے فلسطینی عسکری گروہوں

پر حملہ کیا تو ضیاالحق بھی اس کا حصہ تھے اور انہوں نے اردنی دستوں کو کمان کیا تھا۔ اردن کو اس جنگ میں کامیابی ہوئی تھی۔ فلسطینیوں کی طرف سے اس میں تین سے چار ہزار مارے گئے تھے (اردن کی طرف سے پانچ سے چھ سو کے درمیان ہلاکتیں تھیں) اور شکست دے کر انہیں ملک بدر کر دیا گیا تھا۔

ضیاالحق نے اکیلے تو جنگ نہیں لڑی تھی۔ اردن کی طرف سے فلسطینیوں کے خلاف بڑے آپریشن کی پلاننگ اور کمان کی تھی۔

SardarIrfanZulfiqar

غزہ پر ابھی تک اسرائیل کا قبضہ ہے کیا؟ وکی پیڈیا کے مطابق تو ایسا نہیں جب کہ تحریر کے شروع میں آپ کے جملے کا مجھے یہی مطلب سمجھ آ رہا، یہ کلیئر کر دیں۔

WaharaUmbakar

جب شیرون وزیرِاعظم تھے تو انہوں نے غزہ میں موجود اسرائیلی آبادکاروں کو زبردستی نکال دیا تھا اور اسرائیلی آبادکار بستیاں ختم کر دی تھیں۔ پھر فوج کا مکمل انخلا بھی کر دیا تھا۔

جب فلسطینی خانہ جنگی ہوئی (2007 میں ہونے والی غزہ کی جنگ) تو اس کے نتیجے میں غزہ کا کنٹرول حماس کے پاس آ گیا اور یہ فلسطین اتھارٹی سے الگ ہو گیا۔ اسرائیل نے غزہ کی مکمل ناکہ بندی کر دی۔ زمینی راستے سے بھی اور سمندری راستے سے بھی۔ جو تاحال جاری ہے۔ یعنی اسرائیل اس کو اندر سے کنٹرول تو نہیں کرتا لیکن باہر سے کرتا ہے۔

اس پر آنے والی اقساط میں تفصیل سے۔۔۔۔

فلسطینی تحریکیں

"عرب قوم پرست تحریک" کے بانی جارج حبش تھے۔ یہ بیروت سے پڑھے ہوئے ڈاکٹر تھے جنہیں لد سے بے دخل کیا گیا تھا۔ جارج حبش نے نوجوانوں کے ساتھ ملکر یہ تنظیم بنائی تھی اور یہ تنظیم مارکسسٹ خیالات کی تھی۔ اس کو مصر کی حمایت حاصل تھی۔ حبش اور ان کے کامریڈ عرب نیشلسٹ تھے لیکن 1967 میں ہونے والی عربوں کی شکستِ فاش کے بعد انہوں عرب ریاستوں سے توقع چھوڑ دی تھی۔ جنگ کے بعد اس تحریک کو ختم کر کے آزادی فلسطین کی پارٹی PFLP بنائی۔ اس جماعت نے ہوائی جہازوں کے اغوا کرنے سے شہرت پائی۔ بائیں بازو کی سیاست میں یہ تحریک مقبول رہی۔

دوسری جماعت فتح تھی۔ اس نے سیاست میں غیر نظریاتی اپروچ رکھی۔ عرب قوم پرست، کمیونسٹ، لیفٹسٹ، اسلامسٹ گروہوں سے الگ راستہ لیا۔ نظریاتی جماعتوں کا نعرہ تھا کہ کسی بھی مسئلے کو حل کرنے سے پہلے معاشرتی تبدیلی لائی جائے اور پھر کچھ اور کیا جائے۔ فتح کے ساتھ ایسے کسی نظریاتی ساز و سامان کا بوجھ نہیں تھا۔ اس کے چارٹر میں معیشت، سماج، مذہب، طبقات، قوم وغیرہ کسی چیز کا ذکر نہیں تھا۔ اس کا نعرہ سادہ تھا اور یہ صرف فلسطین کاز کا تھا۔ سادہ اور فوری ایکشن۔ یہ کسی بھی نظریاتی وابستگی والے کے لئے پرکشش تھا اور اس گروپ نے جلد ہی بہت مقبولیت حاصل کر لی جس میں ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔

یکم جنوری 1965 کو وسطی اسرائیل میں پانی کے پمپ کو سبوتاژ کیا جانے والا ایکشن اس تنظیم کا پہلا عملی قدم تھا۔

مصر نے 1964 میں تنظیم آزادی فلسطین (PLO) قائم کروائی تھی لیکن 1967 کی جنگ کے بعد مصر کی بنائی گئی قیادت کو جلد ہی ایک طرف کر دیا گیا اور فلسطینی گروپس نے اس کو ٹیک اوور کر لیا۔ سب سے بڑے گروپ فتح کے سربراہ یاسر عرفات 1969 میں اس کی ایگزیکٹو کمیٹی کے چیئرمین بن گئے۔ یہ عہدہ انہوں نے 2004 میں اپنی وفات تک اپنے پاس رکھا۔

اور اسرائیل کے لئے یہ ایک عجیب ستم ظریفی تھی۔ 1967 جنگ میں پڑوسیوں کو کچل دینا اس کی بڑی کامیابی تھی لیکن اس کے ساتھ فلسطینیوں کی واپسی اس کے لئے ناخوشگوار تھی۔ فلسطینیوں کا غائب ہو جانا صیہونی پراجیکٹ کی آخری فتح ہوتی۔ بن گوریان کا کہنا تھا کہ "بوڑھے مر جائیں گے، نوجوان بھول جائیں گے"۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اگرچہ یہ اسرائیل کے لئے کوئی عسکری خطرہ نہیں تھے لیکن یہ چیلنج ایک اور طرز کا تھا۔ فلسطین کا نام ہی صیہونی انتہا پسندوں کے لئے چیلنج

تھا۔ اور اس کو ختم کرنے کی کوشش سالہاسال کی گئی تھی۔ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں سے لے کر عالمی سیاست تک اس تنازعے کو عرب اسرائیل تنازعے کے طور پر دیکھا جاتا رہا تھا۔ عربوں کے پس منظر میں جانے کا مطلب فلسطینیوں کے نام کا واپس آجانا تھا۔ اور یہ ایک دردِ سر تھا۔

ایڈورڈ سعید کہتے ہیں کہ فلسطینیوں کی فتح "خود اپنی کہانی بیان کرنے کی اجازت" تھی۔ عرب دنیا میں اس کو تقویت اس وقت ملی جب مارچ 1968 میں اسرائیل نے اردن کے دیہات کرامہ پر پندرہ ہزار کی فوج سے حملہ کیا۔ یہ فلسطینیوں کا تربیتی مرکز ختم کرنے کی کوشش تھی۔ حملہ آوروں کو غیر متوقع طور پر اردن کی آرمی اور تنظیمِ آزادی فلسطین کے جنگجوؤں کی طرف سے سخت مزاحمت ملی۔ اس میں دو سو اسرائیلی فوجی مارے گئے۔ کئی ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں تباہ ہوئیں۔ ناقابلِ شکست سمجھی جانے والی اسرائیلی آرمی کے لئے یہ بڑا دھچکا تھا جس میں اسرائیلی فوج کو پسپائی اختیار کرنا پڑی تھی۔

اگرچہ اس میں زیادہ کردار اردن کی آرٹلری اور بکتر بند دستوں کا تھا لیکن کرامہ میں لڑنے والے فلسطینیوں نے توجہ حاصل کی۔ چھ روزہ جنگ میں عربوں کو شرمندگی اٹھانا پڑی تھی۔ لیکن اب، اسرائیلی فوج کی معرکے میں پسپائی عربوں کے وقار کی بحالی کے لئے اہم تھی۔ اس نے فلسطینی مزاحمتی تحریک کو عرب دنیا کا ہیرو بنا دیا۔ اور ان کو مرکزی سٹیج پر لے آئی۔

البتہ، پی ایل او کسی قسم کا عسکری چیلنج پیش نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا دوبدو یا روایتی لڑائی میں کھڑے ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اور ان کے پاس گوریلا جنگ کے لئے بھی کوئی اچھی حکمت عملی نہیں تھی۔

اس کی کامیابی ڈپلومیسی میں رہی۔ اس نے فلسطینیوں کی نمائندہ تنظیم کی حیثیت اختیار کر لی۔ عرب لیگ نے یہ حیثیت باقاعدہ طور پر 1974 میں تسلیم کر لی۔ یاسر عرفات کو اقوامِ متحدہ میں بولنے کے لئے بلایا گیا۔ یہ فلسطینی تاریخ کی سب سے بڑی سفارتی کامیابی تھی۔ دہائیوں تک ان کی شناخت کا انکار کئے جانے کے بعد یہ ایک بڑی کامیابی تھی۔

بنگلہ دیش ستمبر 1974 کو اقوامِ متحدہ کا ممبر بنا تھا۔ یاسر عرفات نے تقریر کا آغاز بنگلہ دیش اور گنی بساؤ کو مبارک دے کر کیا اور امید ظاہر کی کہ جیسے ان ممالک کو اپنی زمین پر آزادی ملی ہے، ویسے ہی جلد زمبابوے، نمیبیا اور فلسطین کو بھی ملے گی۔ پھر انہوں نے 1885 سے لے کر اس وقت تک فلسطین کی کہانی سنائی۔

تقریر کا اختتام ان الفاظ سے کیا۔ "ہمیں آزادی کا حق چاہیے۔ میرے ایک ہاتھ میں زیتون کی شاخ ہے، دوسرے میں آزادی کے لئے لڑنے کے لئے بندوق۔ اس زیتون کی شاخ کو گرنے نہ دینا۔ فلسطین میں جنگ کا شعلہ بھڑک رہا ہے۔ اور فلسطین ہی ہے جہاں سے

پائیدار امن پیدا ہو گا"۔ان الفاظ کے ساتھ انہوں نے یہ تقریر تالیوں کی گونج میں ختم کی۔ اہم چیز الفاظ نہیں تھے بلکہ یہ کہ فلسطین کی کہانی اردن یا مصر یا عرب لیگ یا کوئی اور نہیں بلکہ ایک فلسطینی نے سنائی تھی۔ پچیس برس کے انتظار کے بعد فلسطین کو دنیا کے آگے "خود اپنی کہانی بیان کرنے کی اجازت "ملی تھی۔
ساتھ لگی تصویر 1974 کی، جب یاسر عرفات نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقریر کی۔

سوالات و جوابات

SardarIrfanZulfiqar

سر یاسر عرفات کا تعلق کس فلسطینی علاقے سے تھا؟ گوگل کے مطابق ان کی پیدائش عمان میں ہوئی اور شہریت اردن کی تھی کیا وہ مہاجر ہوئے تھے؟

WaharaUmbakar

یاسر عرفات کی پیدائش قاہرہ میں ہوئی ہے۔ والدین کا تعلق فلسطین سے تھا۔ والد کا غزہ سے، والدہ کا یروشلم سے۔ 1948 کی جنگ غزہ کے علاقے میں لڑی۔ جنگ بند ہوئی تو غزہ مصر کا علاقہ تھا۔ یہاں سے مصر نے تمام فدائین کو نکال دیا جن میں یاسر عرفات بھی تھے۔ قاہرہ یونیورسٹی سے سول انجینرنگ کی۔ کینیڈا جانے کی کوشش کی۔ ویزہ نہیں ملا۔ سول انجینرنگ کی بنیاد پر 1957 میں کویت کا ویزہ مل گیا۔ یہاں پر صلاح خلف اور خلیل الوزیر سے دوستی ہوئی، جن کا تعلق غزہ سے تھا (یہ تینوں فتح کے بانی ممبران تھے)۔ فلسطینی مہاجرین سے تعلقات بنے۔ 1959 میں اپنی تنظیم قائم کی جس کا مقصد مسلح جدوجہد سے فلسطین کی آزادی تھا۔۔۔۔
(صلاح خلف کو اسرائیل نے قتل کیا۔ یہ کام کرنے والے ایہود باراک تھے جو بعد میں اسرائیل کے وزیرِاعظم بنے۔ خلیل الوزیر کو فلسطینی تنظیم ابوندال نے خلیج جنگ سے کچھ دن پہلے قتل کیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عراق کے ایما پر کیا گیا تھا۔ ابوندال عراقی پراکسی تھی اور خلیل کویت پر عراقی قبضے کے سخت ناقد تھے)۔

SajidMehmood

وہارا سر! جارج حبش کو کہاں سے بے دخل کیا گیا۔؟

WaharaUmbakar

جارج حبش کی تنظیم "پاپولر فرنٹ" نے چھ ستمبر 1970 کو چار طیارے اغوا کئے تھے جو لندن اور نیویارک کی طرف جا رہے تھے۔ انہیں زرقہ میں ایک ائیر فیلڈ پر اتارا گیا تھا۔ مطالبہ فلسطینی قیدیوں کی رہائی کا تھا۔ 12 ستمبر کو طیارے تباہ کر دئے گئے تھے۔ مغوی شدہ

مسافروں کے بدلے قیدیوں کی رہائی ہوگئی تھی۔

یہ وہ واقعہ تھا جس وجہ سے بلیک ستمبر ہوا۔ اردن کا اپنے علاقے پر کنٹرول نہیں رہا تھا۔ سولہ ستمبر کو شاہ حسین نے مارشل لاء لگایا اور فلسطینی گروہوں کا صفایا کر دیا گیا۔ تیس ستمبر کو آپریشن ختم ہوا۔

جارج حبش کی تنظیم کے جنگجو لبنان چلے گئے (کچھ عراق بھی گئے اور جبہۃ الرفض میں شامل ہوئے)۔ جارج حبش نے یاسر عرفات سے تعلق اس وقت بالکل توڑ لیا جب انہوں نے دو ریاستی حل کو قبول کر لیا۔ 2006 میں فلسطینی انتخابات میں شرکت کی اور چار فیصد ووٹ حاصل کئے۔ اس وقت تک کمیونزم فلسطین سے تقریباً ختم ہو چکا تھا۔

جارج حبش کا فلسطین میں احترام کیا جاتا ہے اور جب 2008 میں ان کی وفات ہوئی تو فلسطینی صدر نے تین روزہ سوگ کا اعلان کیا۔

(ساتھ لگی تصویر لیلیٰ خالد کی 1970 میں جب وہ رہا ہو کر دمشق پہنچیں۔ ایک طیارہ انہوں نے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی جو ناکام رہی۔ قیدیوں کے تبادلے میں انہیں رہا کر دیا گیا)۔

چوتھی جنگ

جمال عبدالناصر کی 1970 میں وفات کے بعد ان کے نائب انوار السادات مصر کے صدر بنے۔ مصری بادشاہت کا خاتمہ کرنے والی فری آفیسرز موومنٹ میں سادات نمایاں کردار تھے۔ 1973 کی عرب اسرائیل جنگ ان کا آئیڈیا سمجھا جاتا ہے۔

سادات کا عرب دنیا میں ناصر جیسا اثر نہیں تھا۔ انہوں نے مصری داخلہ اور خارجہ پالیسی میں جمال عبدالناصر سے مختلف راہ لی۔ نظریاتی کم اور عملی زیادہ۔ ناصر کا پین عرب ازم ترک کر دیا۔ ان کی توجہ مصر پر تھی، نہ کہ عرب دنیا کی قیادت پر۔ مصر کی ریاستی معیشت کو بیرونی سرمایہ کاری کے لئے کھول دیا۔ وہ مصر کا دفاع پر ہونے والا بڑا خرچ کم کرنا چاہتے تھے، سویز نہر کو دوبارہ کھولنا چاہتے تھے اور سینا کا علاقہ واپس لینا چاہتے تھے، جہاں پر تیل کے کنویں تھے۔ سادات کو احساس ہوا کہ اس سب کا طریقہ اسرائیل کے ساتھ امن کا قیام ہے، خواہ انہیں پسند ہو یا نہیں۔ ان کے لئے چیلنج یہ تھا کہ اسرائیل کو امن میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ مصر کو سینا کا علاقہ واپس نہیں دینا چاہتا تھا۔ گولڈا میئر نے مصر کی صلح کی پیشکش کو 1971 میں نظرانداز کر دیا تھا۔ اپنی عسکری فتوحات پر اسرائیلی پراعتماد تھے اور کسی مصالحت کے موڈ میں نہیں تھے۔

سادات نے فیصلہ کیا کہ اسرائیل کے ساتھ امن قائم کے لئے اسرائیل کے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ امن کا عمل شروع ہو سکے اور اسرائیل کو مذاکرات کی میز پر لایا جا سکے۔ جنگ کا مقصد اسرائیل پر کاری ضرب لگانا تھا اور عرب فخر کی بحالی تھا۔ اس کا مقصد اسرائیل کو تباہ کرنا نہیں تھا اور نہ ہی سینا کو واپس فتح کرنا۔ (سادات جانتے تھے کہ یہ ممکن نہیں)۔

سادات کا پلان تھا کہ مصری افواج سویز نہر پار کریں گی جس کے مشرق میں اسرائیلی مورچہ بند تھے۔ سینا کے کچھ علاقے پر قبضہ کریں گی۔ اسرائیل کو ملٹری نقصان پہنچائیں گی۔ اس دوران سپر پاورز کود پڑیں گی اور یہ جنگ مختصر رہے گی، لیکن اس سے جمود ٹوٹ جائے گا۔ سادات نے سیریا کے لیڈر حافظ الاسد سے اتحاد کیا جو خود بھی گولان کی پہاڑیوں کا علاقہ لینا چاہتے تھے۔ دونوں محاذوں پر بیک وقت کئے جانے والے اور سرپرائز حملے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ اور اس کے لئے بہترین دن یوم کپور کا تھا جب زیادہ تر اسرائیلی یہودی روزہ رکھتے ہیں، عبادت اور آرام کرتے ہیں۔

چھ اکتوبر 1973 کی دوپہر مصر اور سیریا نے بیک وقت سینا اور گولان پر حملہ کیا۔ اسرائیل کو اس کی پہلے ہی خبر ہو چکی تھی۔ یہ خبر اسرائیل کو اردن کے شاہ حسین نے دی تھی، جنہوں نے پچیس ستمبر کو اسرائیلی وزیرِاعظم کو تل ابیب جا کر خبردار کر دیا تھا (شاہ حسین خوفزدہ تھے کہ

1967 کی طرز کی جنگ دوبارہ ہوئی تو انہیں بڑے علاقے کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ انہیں دوسرا بڑا مسئلہ فلسطینیوں کے ساتھ تھا جن کے ساتھ ان کی بڑی جنگ ہوئی تھی)۔ اسرائیل کو جمال عبدالناصر کے داماد اشرف مروان نے بھی خبردار کیا تھا۔ اشرف مروان سادات کے قریبی ساتھی بھی تھے اور اسرائیل کے لئے جاسوسی بھی کرتے تھے۔ لیکن اسرائیل نے ان خبروں کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اسرائیلی قیادت کو اعتماد تھا کہ مصر اور سیریا حملہ کرنے کی جرات نہیں کریں گے کیونکہ عسکری طاقت کا توازن مکمل طور پر اس کے پاس تھا۔ دوسرا یہ کہ مروان نے مئی میں جنگ کا بھی بتایا تھا جس وجہ سے اس سورس پر اسرائیلی اعتبار کم تھا۔ تاہم مروان کے مہیا کردہ جنگی پلان نے اسرائیل کو اس جنگ کے دفاع میں مدد کی۔

اسرائیل کو اس جنگ میں شروع میں بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ شروع کے دنوں میں مصری فوجی نہر سویز عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سیریا کے ٹینک گولان کی پہاڑیوں میں آگے بڑھ رہے تھے۔

ابتدائی دنوں کے بعد جب جنگ آگے بڑھتی گئی تو اسرائیل نے واپس برتری لے لی۔ (اس میں امریکہ سے آنے والی مدد عسکری سپلائی کا بھی ہاتھ تھا جو نکسن نے منظور کی تھی)۔ سیریا پر کامیابی سے حملہ کیا اور اس کی فوج دمشق کے قریب پہنچ گئی۔ دوسری طرف سویز نہر پار کر کے اس کے مغرب کے حصے پر قدم جما لئے اور قاہرہ سے صرف سو کلومیٹر دور رہ گئے تھے۔

اس ڈرامائی تبدیلی کے بعد سوویت میدان میں کود گئے۔ اسرائیلی ڈیفنس فورس کے مقابلے میں گھری ہوئی مصری تھرڈ آرمی کے ساتھ سوویت آن کھڑے ہوئے۔ صورتحال قابو سے باہر ہوتی دیکھ کر امریکہ نے نیوکلیئر اسلحے کو ہائی الرٹ پر کر دیا اور اسرائیل پر دباؤ ڈالا کہ جنگ بندی کی جائے۔ تین ہفتے تک گھمسان کی جنگ رہنے کے بعد 26 اکتوبر کو جنگ بندی ہو گئی۔

اسرائیل نے میدانِ جنگ پر تو کامیابی حاصل کی تھی لیکن یہ مہنگی پڑی تھی۔ اس میں 2688 فوجی مارے گئے تھے۔ اس کی خوشی نہیں منائی گئی۔ ملک میں عسکری اور سیاسی قیادت کے خلاف غصہ تھا کہ انہوں نے باوجود وارننگ کے تیاری کیوں نہیں کی۔ وزیرِ اعظم مئیر اور وزیرِ دفاع موشے دایان کو مستعفی ہونا پڑا۔ لیبر پارٹی کی حکومت ختم ہو گئی۔ رائٹ ونگ لیکود پارٹی حکومت میں آ گئی۔ بیگن 1977 کا انتخاب جیت کر وزیرِ اعظم بن گئے۔

اس نے اسرائیلی عسکری پاور کی مکمل بالادستی کا تاثر توڑ دیا۔ جنگ سے پہلے ہر ایک کا خیال تھا کہ اسرائیل اس قدر طاقتور ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ اسے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مصر اور سیریا افواج نے یہ دکھایا تھا کہ وہ برتری سے خوفزدہ نہیں، اسرائیل کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ "ناقابلِ شکست" کا تاثر ٹوٹ گیا تھا۔ یہ یقین کہ اسرائیل عرب علاقوں پر قبضہ رکھ سکتا ہے اور اسے کچھ قیمت نہیں دینا پڑے گی، ختم ہو گیا تھا۔

اور اس نے اسرائیل کو امن کے قیام کے لئے مذاکرات کے میز تک آنے پر مجبور کیا۔ سادات یہ جنگ ہار کر بھی مقصد کامیابی سے حاصل کر چکے تھے۔ مصریوں کے لئے 1967 کی سبکی کے بعد یہ نفسیاتی فتح تھی۔ مصر نے اس جنگ کو عظیم فتح کے طور پر منایا۔ 6 اکتوبر وہ دن تھا جب مصری فوج نے نہر سویز پار کی تھی۔ اس روز آج مصر میں قومی تعطیل ہوتی ہے۔ اس قومی تفاخر نے یہ اعتماد بھی دیا کہ وہ اسرائیل سے برابری کی بنیاد پر مذاکرات کر سکتے ہیں۔

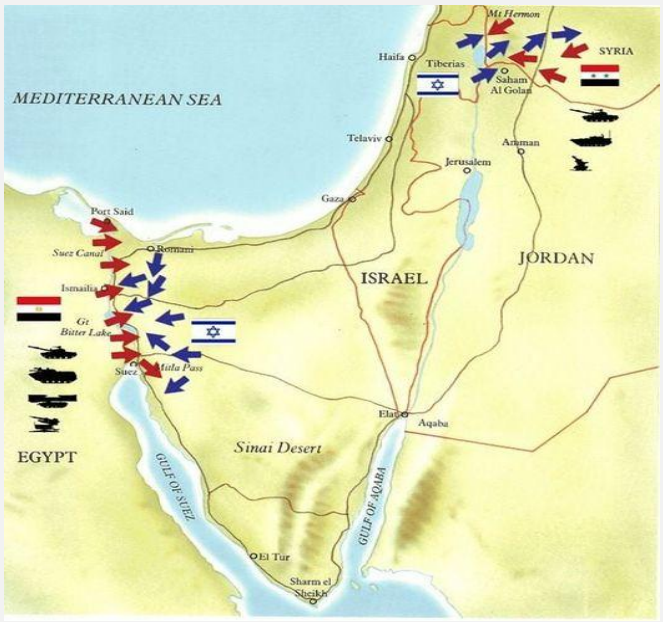

نفسیاتی فتح کے علاوہ یہ سادات کے لئے سیاسی اور سٹریٹیجک کامیابی بھی رہی۔ اگرچہ ان کا ملٹری پلان ناکام ہوا تھا لیکن ان کے اس جراتمندانہ اقدام نے کام کر دیا۔ بہت سے اسرائیلی اس کے بعد قائل ہو گئے کہ امن کے لئے سینا کی زمین دینا برا سودا نہیں۔ (تاہم اس کے لئے سادات کو ابھی ایک اور جراتمندانہ قدم لینا پڑا، جو یروشلم کا تین روزہ دورہ تھا جس میں انہوں نے اسرائیلی پارلیمنٹ سے خطاب بھی کیا)۔

دو سال جاری رہنے والے مذاکرات کے بعد کیمپ ڈیوڈ میں 1979 کے امن معاہدے میں سینا کا تمام علاقہ مصر نے واپس لے لیا۔

امن معاہدے کے کئی دوسری اثرات بھی تھے۔ سادات مصر کو سوویت کیمپ سے امریکی کیمپ لے گئے۔ اس نے مشرقِ وسطی میں سوویت اثر کو محدود کر دیا۔

اس کی بھاری قیمت انوار السادات کو ادا کرنی پڑی۔ 6 اکتوبر 1981 کو چوتھی عرب اسرائیل جنگ کی یاد میں قاہرہ میں منعقد ہونے والی وکٹری پریڈ کے دوران الجہاد الاسلامی المصری کے خالد اسلامبولی نے انوار السادات کو اسرائیل سے کئے جانے والے امن معاہدے کی پاداش میں قتل کر دیا۔ اس حملے میں زخمی ہونے والے نائب صدر حسنی مبارک نے اقتدار سنبھالا اور اگلے تیس برس تک مصر کے صدر رہے۔

اس جنگ میں اسرائیل کی مدد کرنے کی وجہ سے عرب ممالک نے 1973 میں امریکہ اور نیدرلینڈز کو تیل کی فروخت پر پابندی لگا دی جس کے عالمی اثرات ہوئے۔ اس نے عالمی کساد بازاری پیدا کر دی۔ اور خاص طور پر سعودی عرب کو خطے کا اہم ملک بنا دیا۔

سوالات و جوابات

عباس گوندل

انور السادات اسرائیلی ایجینٹ تھا؟

WaharaUmbakar

نہیں۔انوار السادات مصر کے صدر تھے۔

عباس گوندل

صدر تو تھے کیا غدار نہیں تھے ؟

WaharaUmbakar

پوسٹ دوبارہ پڑھ لیں۔غدار کا لفظ اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز لگنے لگے گا جتنا عام استعمال میں لگتا ہے۔

ShafiqAhmad

سوویت کی آمد کے بعد امریکہ پر جنگ بندی کا دباو کیسے بڑھا، جبکہ اسرائیل تو آگے بڑھ رہا تھا؟ اور پچھلی سوویت دھمکی ایٹم بم چلانے کی، اس مرتبہ امریکہ نے خاموشی سے دے ڈالی!

WaharaUmbakar

امریکی اور سوویت بحری افواج آمنے سامنے آچکی تھیں۔امریکہ کا چھٹا بحری بیڑہ اور سوویت کے پانچویں سکواڈرن کے 52 جنگی بحری جہاز ایک دوسرے کے سامنے تھے۔یہ جنگ بڑھ رہی تھی۔ سوویت کے کہنے پر دوسرے ممالک کی طرف سے مصر کی مدد کے لئے افواج بھیجی جانے لگی تھیں، جن میں الجیریا، کویت، لیبیا، مشرقی جرمنی، سوڈان، شمالی کوریا تھے

ShafiqAhmad

شکریہ، شام کوئی علاقہ واپس نا لے سکا؟

WaharaUmbakar

نہیں۔حافظ الاسد کے اسرائیل کے ساتھ مذاکرات میڈرڈ کانفرنس کے بعد شروع ہوئے، لیکن ان میں کچھ خاص پیشرفت نہیں ہو سکی۔

JunaidTahir

اسرائیل کی عسکری بالادستی کی کیا وجوہات ہیں ؟ مصری اور شامی سویت کے اہم اتحادی ہونے کے باوجود اسرائیل جتنی طاقتور عسکری قوت کیوں نا حاصل کر سکے۔

WaharaUmbakar

اس کی وجوہات پر یہ ایک اچھی ویڈیو ہے

https://youtu.be/jdgg0uDhrOs

لبنان پر حملہ

لبنان اور اسرائیل کا زمین پر تنازعہ نہیں۔ دوسرے ہمسائیوں کے برعکس لبنان نے اسرائیل سے جنگ نہیں لڑی تھی (اگرچہ 1948 میں علامتی شرکت کی تھی)۔ لبنان جغرافیائی لحاظ سے چھوٹا، ملٹری کے لحاظ سے کمزور اور مذہبی لحاظ سے متنوع ملک ہے۔ یہ اپنے مشکل اندرونی مسائل کا شکار رہا ہے۔ لبنان میں ایک لاکھ فلسطینی مہاجرین گئے تھے۔ ان کو شہریت یا برابری کے حقوق نہیں ملے اور زیادہ تر مہاجر کیمپوں تک محدود رہے۔ اردن سے تنظیمِ آزادی فلسطین کی جبری بے دخلی کے بعد لبنان اس کا ہیڈکوارٹر بن گیا۔ مہاجر کیمپوں سے اس کے ممبر بننے لگے۔ یہاں ملٹری تربیتی کیمپ قائم ہوئے۔ لبنان کی جنوبی سرحد اسرائیل کے شمال سے ملتی ہے۔ یہاں پر آرٹلری پوزیشنز بنیں جہاں سے اسرائیل پر گولہ باری اور گوریلا حملے ہوا کرتے۔ سب سے مہلک ترین حملہ گیارہ مارچ 1978 کو ہوا جو coastal road massacre کے نام سے جانا جاتا ہے جب پی ایل او کے کمانڈوز جنوبی لبنان سے کشتی کے ذریعے اسرائیلی ساحل تک پہنچے۔ ایک ٹیکسی اور دو بسوں کو ہائی جیک کیا۔ تیرہ بچوں اور ایک سیاح سمیت 37 لوگوں کو قتل کیا۔

لبنان میں ایک اور پہلو شیعہ بمقابلہ سنی کا تھا جس میں پی ایل او اور شیعہ آبادی کے درمیان کی کشیدگی تھی۔

لبنان اسرائیلی حملوں کا ٹارگٹ بن گیا، ویسے ہی جیسے اس سے پہلے اردن کے ساتھ ہوا تھا۔ ان مہلک حملوں نے پی ایل او کے حملے تو نہیں روکے لیکن لبنانی کرسچن اور دروز آبادی کی پی ایل او سے کشیدگی میں اضافہ کر دیا، جن کے لئے یہ پرائی لڑائی تھی۔ اور ان وجوہات کی بنا پر لبنان میں 1975 میں ایک بدترین خانہ جنگی چھڑ گئی۔

اس میں سیریا کی فوج بھی شامل ہو گئی اور پینتیس ہزار فوجی لبنان میں آ گئے۔ اس خانہ جنگی کے درمیان مارچ 1978 کو اسرائیل نے جنوبی لبنان میں بڑا آپریشن (آپریشن لیطانی) کیا۔ اس کا مقصد پی ایل او کو اسرائیلی سرحد سے پیچھے دھکیل کر "سیکورٹی زون" قائم کرنے کا تھا جو لبنان کی کرسچن ملیشیا "فری لبنان آرمی" کے زیرِ تحت ہو۔ ایک ہفتے کے اندر ایک سے دو ہزار کے درمیان لبنانی اور فلسطینی اس میں مارے گئے جبکہ ایک لاکھ لوگوں کو گھر چھوڑنا پڑا۔ اقوامِ متحدہ میں اسرائیل کے خلاف دو قرارداد یں منظور ہوئیں اور اسرائیل کو جنوبی لبنان تین ماہ بعد چھوڑنا پڑا۔ اس علاقے میں اقوامِ متحدہ کی فورس آ گئی۔

برطانیہ میں اسرائیلی سفیر پر 3 جون 1982 پر حملہ کیا گیا جس میں وہ شدید زخمی ہو گئے۔ یہ حملہ ابو ندال تنظیم نے کیا تھا۔ اس تنظیم کا ہیڈکوارٹر عراق میں تھا اور اس کو عراق کی حکمران بعث پارٹی کی سپورٹ تھی۔ شاید یہ اسرائیل کی طرف سے عراق کے نیوکلیئر ری ایکٹر پر 1981 میں کئے گئے حملے کا جواب ہو۔ جو بھی تھا، اسرائیلی انٹیلی جنس کو معلوم تھا کہ یہ پی ایل او کی طرف سے نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن

دائیں بازو کی جماعت لیکود اس وقت حکومت میں تھی۔ بیگن وزیرِاعظم تھے اور ایریل شیرون وزیرِ دفاع۔ شیرون کا لبنان پر حملے کا پلان دیر سے تھا۔ اس سے انہیں موقع مل گیا۔ بیگن نے پی ایل او کو ذمہ دار قرار دیا اور لبنان میں پی ایل او کے ٹھکانوں پر حملہ کرنے کا حکم کر دیا۔

چار جون 1982 کو اسرائیلی کابینہ نے جنگ کی منظوری دے دی۔ اس کا نام "آپریشن پیس فار گلیلی" تھا۔ سرکاری طور پر یہ کہا گیا کہ لبنان میں پچیس میل سے زیادہ اندر نہیں جایا جائے گا اور یہ آپریشن 48 گھنٹے سے زیادہ نہیں رہے گا۔ اس میں اعلانیہ مقصد سرحد کے قریب پی ایل او کے بیس ختم کرنا تھا۔ لیکن کابینہ نے جس پلان کی منظوری دی تھی، شیرون اور بیتن کا بنایا ہوا پلان اس سے بہت زیادہ کا تھا۔ وہ پی ایل او کا پورے لبنان سے خاتمہ چاہتے تھے۔ ان کا یہ بھی پلان تھا کہ لبنان سے فلسطینوں کو اردن ہجرت پر مجبور کر دیں۔

(بیتن اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ فلسطین کا مطلب اردن ہے)۔ شیرون کا گرینڈ پلان یہ تھا کہ سیریا کی فوج کو لبنان سے نکال دیا جائے اور میرونائٹ کرسچن ملیشیا "فلانج" کی پروا اسرائیل حکومت قائم ہو۔ اور یہ حکومت اسرائیل سے امن معاہدہ کر لے۔ فلسطین کا مسئلہ اس طریقے سے ختم کر دیا جائے۔

چھ جون کو اسی ہزار کی فوج اور ٹینکوں نے لبنان پر پوری طاقت سے حملہ کیا۔ جلد ہی اسرائیلی کابینہ اور پبلک کو سمجھ آ گئی کہ انہیں غلط بتایا گیا تھا۔ جس طرح اسرائیلی افواج آگے بڑھتی گئیں، عوام میں جنگ کی مخالفت بڑھنے لگی۔ اسرائیل کی تاریخ میں پہلی مرتبہ جنگ کے خلاف عوامی احتجاج شروع ہو گئے۔ اور اس سے بھی زیادہ یہ ہوا کہ کئی اسرائیلیوں نے اعلانیہ طور پر جنگ میں لڑنے سے انکار کر دیا۔ ایسے معترضین نے "یش گوول" (ہر چیز کی حد ہے) کے نام سے تنظیم بنائی۔

اسرائیل نے مغربی بیروت کا دو ماہ تک محاصرہ کیا۔ یہ چودہ جون سے اکیس اگست تک جاری رہا۔ اس میں بھاری بمباری کی گئی۔ اس سے موصول ہونے والی تصاویر نے عالمی غم و غصہ پیدا کر دیا۔ دنیا بھر میں ان کو ٹیلی ویژن پر روزانہ دکھایا جاتا۔ اسرائیل کو بین الاقوامی میڈیا اور حکومتوں کی تنقید کا سامنا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے سب سے پکے دوست امریکہ نے بھی پابندیاں لگانے کی دھمکی دے دی۔

بیگن اور شیرون نے اندرونی اور بیرونی، ہر طرح کی تنقید سنی ان سنی کر دی۔ ان کا مقصد ہر قیمت پر پی ایل او کو جڑ سے اکھاڑ دینا تھا۔

سوالات و جوابات

ShafiqAhmad

جنوبی لبنان کا کتنا حصہ، کتنا عرصہ اسرائیلی کنٹرول میں رہا؟

WaharaUmbakar

لبنان میں اسرائیلی فوج 1985 تک رہی۔ سرحد سے دس میل آگے تک کا علاقہ 2000 میں خالی کیا گیا۔

ShafahdKakar

اس جنگ میں شیعہ تنظیم حزب اللہ کا کیا کردار رہا؟

WaharaUmbakar

حزب اللہ اس وقت تک قائم نہیں ہوئی تھی۔ اس کا کردار دوسری لبنان جنگ میں تھا۔

SardarIrfanZulfiqar

اسرائیل کے اس دہشتگردانہ اقدام کے بعد امریکہ کی عالمی پابندیوں کی دھمکی صرف باتوں تک ہی رہی یا کچھ پابندیاں عائد بھی کی گئیں؟

WaharaUmbakar

نہیں۔ پابندی عائد نہیں ہوئی۔ ریگن انتظامیہ نے جنگ بند نہ کرنے کی صورت میں اسرائیل سے دفاعی تعاون معطل کر دینے کی دھمکی دی تھی۔ جنگ بندی کے بارے میں بیرونی دباؤ سے زیادہ اندرونی دباؤ تھا۔ جنگ دس ہفتے میں ختم ہوگئی تھی۔ اور اس جنگ کے منصوبہ سازوں کے احداف میں سے کوئی بھی پورا نہیں ہو سکا تھا۔ نہ لبنان میں اپنی مرضی کی حکومت قائم کی جاسکی۔ نہ لبنان سے معاہدہ کیا جا سکا۔ نہ سرحد کو محفوظ کیا جا سکا اور نہ ہی پی ایل او کو ختم کیا جا سکا۔ تمام منصوبہ سازوں کو مستعفی ہونا پڑا تھا۔ اس پر تفصیل اگلی دو اقساط میں۔

RizwanAhmad

سر اس جنگ میں لبنان کا کس کس ملک نے عملی، یا مالی، یا سفارتی ساتھ دیا

WaharaUmbakar

لبنان اس وقت مستحکم ملک نہیں تھا۔ خانہ جنگی جاری تھی۔ کئی متحارب مسلح گروپ ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ حکومتی رٹ موجود نہیں تھی۔ اسرائیل کے جنگی پلان سے سوویت یونین نے لبنانی اور فلسطینی لیڈروں کو آگاہ کیا تھا۔ یہ پیغام ڈاکٹر یوگنی پریماکاف نے دیا تھا۔ اور کہا تھا کہ سوویت یونین اس جنگ میں اپنے فلسطینی اور لبنانی اتحادیوں کو بچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ان کی کوشش صرف یہ ہوگی کہ جنگ کو سیریا تک پھیلنے سے روکا جائے۔ لبنان کی خانہ جنگی میں سیرین فوج پہلے سے حصہ لے رہی تھی اور لبنان میں موجود تھی۔ یہ تین ہفتے میں جنگ سے الگ ہوگئی تھی۔ کسی اور ملک نے اس جنگ میں عملی کردار ادا نہیں کیا۔

RizwanAhmad

مطلب بالکل بے یارو مددگار اور خانہ جنگی کے شکار ملک پر ایک اور ملک کا حملہ, اور کسی عالمی ملک نے روکنے کی کوشش نہیں کی

WaharaUmbakar

لبنان کے صدر بہت کم مارجن سے بشیر جمال منتخب ہوئے تھے۔ان کی جماعت لبنان فرنٹ تھی جو اسرائیل کی اتحادی تھی (صابرا اور شتیلا کا قتلِ عام اسی فرنٹ نے کیا تھا)۔ سیریا کی فوج ایک اور ملیشیا کی حامی تھی۔لبنان پر کنٹرول کس کا ہو؟ اس جنگ کا ایک پہلو یہ تھا۔

SajidMehmood

سر جی۔۔اگر ممکن ہو تو ابوندال تنظیم کے بارے تو کچھ بتائیے۔

اور دوسری بات یہ کہ انیس سو اکیاسی کے اسرائیل کے عراقی نیوکلیئر پلانٹ پہ حملے بارے بھی کچھ روشنی ڈالیں جیسا کہ یہ کیسے ممکن ہوا اور اس حد تک اسرائیل کیوں گیا اور صدام نے کس لیول تک یورینیم افزودہ کر لی تھی وغیرہ۔۔

WaharaUmbakar

ابوندال کی تنظیم سب سے زیادہ انتہا پسند فلسطینی تنظیم تھی۔اس کی کوئی آئیڈیولوجی نہیں تھی۔ یہ سیکولر تھی لیکن نہ ہی یہ سوشلسٹ تھی، نہ اسلامسٹ، نہ ہی کچھ اور۔ اس نے دنیا کے بیس ممالک میں ڈیڑھ ہزار سے زائد قتل کئے، جس میں اسرائیلی بھی تھے اور فلسطینی بھی (اس کی نظر میں "جو عسکریت پسند نہیں، غدار ہے")۔اس کی فنڈنگ شروع میں عراق کرتا تھا، بعد میں سیریا اور لیبا۔کراچی میں پین ایم فلائٹ 73 کی ہائی جیکنگ اس تنظیم نے کی تھی جس پر پاکستان کمانڈوز نے آپریشن کیا تھا جس میں اکیس ہلاکتیں ہوئی تھیں اور ہائی جیکر گرفتار ہوئے تھے۔

اسرائیل نے جس عراقی ری ایکٹر پر حملہ کیا تھا، اس پر اس سے ایک سال پہلے ایران بھی حملہ کر چکا تھا۔(یہ حملہ ایران عراق جنگ میں کیا گیا تھا)۔ یہ ری ایکٹر فرانس کی مدد سے نصب کیا گیا تھا اور اسرائیل حملے میں ایک فرنچ انجینیر کی بھی ہلاکت ہوئی تھی۔اسرائیل کے مطابق عراق نیوکلئر صلاحیت حاصل کر لینے کے بالکل قریب تھا۔لیکن یہ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔زیادہ اہم شاید یہ تھا کہ انتخابات تین ہفتے بعد تھے۔فرانس نے اس ری ایکٹر کی دوبارہ تعمیر کی حامی بھری لیکن بعد میں اسے نہیں بنایا گیا۔

اس حملے کے نتیجے میں صدام حسین نے مغربی فضائی دفاع کے سربراہ کرنل فخری حسین کو سزائے موت دے دی۔اس کے ساتھ ان کے یونٹ میں میجر اور ان سے اوپر کے تمام افسران کو بھی۔23 پائلٹوں کو حملہ نہ روکنے کے جرم میں جیل بھیج دیا گیا۔

پہلی لبنان جنگ

پہلی لبنان جنگ 6 جون 1982 کو شروع ہوئی تھی۔ اگرچہ کابینہ سے منظوری صرف پچیس میل علاقے میں اڑتالیس گھنٹے کی کارروائی کا بتا کر لی گئی تھی لیکن شیرون اور بیتن کے احداف اس سے بہت وسیع تھے۔

اردن نے فلسطینی عسکریت پسند گروہوں کو 1970 میں اپنی زمین پر شکست دے کر لبنان کی طرف دھکیلا تھا۔ انہیں لبنان میں مہاجر کیمپوں سے ریکروٹ آسانی سے مل گئے تھے۔ لبنانی خانہ جنگی 1975 میں شروع ہوئی تھی، جن میں یہ گروپ بھی فریق تھے۔ پندرہ سال تک رہنے والی اس خانہ جنگی کے نتیجے میں سوا لاکھ ہلاکتیں ہوئیں۔ اس میں اتحاد بنتے تھے، ٹوٹتے تھے۔ کئی بار یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا تھا کہ کون کس سے لڑ رہا ہے۔

لبنان نے سیریا کے صدر حافظ الاسد سے مارچ 1976 میں فوج بھیجنے کی درخواست کی۔ یکم جون کو سیریا کی بارہ ہزار فوج لبنان میں بھیج دی گئی تھی۔ اس وقت تک لبنان میں دو صدر تھے۔ سلیمان فرنجیہ جو عہدہ چھوڑنے سے انکاری تھے اور الیاس سرکیس جو شہر سے دور ایک ہوٹل میں صدارتی حلف اٹھا چکے تھے۔ ملک میں انارکی جاری تھی۔

سیریا کی اس خانہ جنگی میں دلچسپی اپنے اندرونی معاملات کی وجہ سے تھی۔ سیرین حکومت مخالف عناصر لبنان سے کام کر رہے تھے۔ اسے مسئلہ بعث پارٹی مخالف گروہوں سے اور اخوان الاسلامی کے حامیوں تھا۔ سیریا نے مقامی میرونائٹ کرسچن ملیشیا سے ملکر آپریشن شروع کیا۔ تنظیمِ آزادی فلسطین اس کے مقابلے پر تھی۔ (فلانج ملیشیا کی 1976 میں تل الزعتر مہاجر کیمپ میں ہونے والے جھڑپ میں دو ہزار کے قریب فلسطینی ہلاک ہوئے۔ سیریا کی فوج فلانج کے ساتھ تھی)۔

اکتوبر 1976 میں عرب لیگ نے لبنان کے لئے عرب امن فوج کی منظوری دی اور اس کو تمام لبنانی عسکری گروہوں کو غیر مسلح کرنے کا مینڈیٹ دیا۔ جلد ہی باقی عرب ملک اس سے الگ ہو گئے اور عرب امن فوج (قوات الرداع العربیہ) کا مطلب سیریا کی فوج رہ گیا۔

ابتدا میں اسرائیل اور سیریا دونوں ہی لبنان فرنٹ کے حامی تھے لیکن اتحاد بدلتے رہے۔ جلد ہی اسرائیل اور سیریا الگ دھڑوں کی حمایت میں تھے۔ بعد کے برسوں میں سیریا نے اپنی ملیشیا "جیش التحریر الفلسطینی" بنائی اور شیعہ سیاسی پارٹی حرکت العمل کی ملیشیا کی حمایت کی۔ جبکہ دوسری طرف اسرائیل لبنان فرنٹ کا حامی تھا۔

پہلی لبنان جنگ جب 1982 میں شروع ہوئی، تو نصف سے زائد لبنان سیریا کے قبضے میں تھا۔ اسرائیلی اتحادی لبنان فرنٹ کے بشیر جمال نے اس وقت لبنانی پارلیمان میں صدارت کا انتخاب جیت لیا تھا۔

جنگ کے وقت سیریا کی پینتیس ہزار فوج لبنان میں تھی۔ اسرائیل کے لئے لبنان پر حملے کا ایک حدف ان کو باہر نکالنا بھی تھا۔ پہلے معرکے میں جزین کا شہر سیریا کے قبضے سے نکل گیا۔ اس سے اگلے دنوں میں سیریا کو مزید نقصان اٹھانا پڑا۔ 26 جون کو سیریا نے الگ سے جنگ بندی کر لی اور اس جنگ سے باہر ہو گیا۔ اس کے بعد جنگ کا ٹارگٹ پی ایل او تھی۔ بیروت پر ہونے والی دس ہفتے کی بمباری سے انیس ہزار فلسطینی اور لبنانی مارے گئے۔ اسرائیل کے خلاف سخت مزاحمت صیدا کے قریب عین الحلوۃ کے مہاجر کیمپ سے آئی جہاں چالیس ہزار مہاجرین تھے۔ اس کیمپ کو مکمل تباہ کر دیا گیا۔

عرب حکومتوں کی طرف سے پی ایل او کو سپورٹ نہیں ملی۔ عرب عوام میں غصہ پایا جاتا تھا لیکن غیر جمہوری حکومتوں اور سخت گیر حکمرانوں کا ایک مطلب یہ تھا کہ عرب شہروں میں اس جنگ کے خلاف مظاہرے نہیں ہوئے۔ اور یہ عجیب ستم ظریفی تھی کہ لبنان میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف ہونے والا مشرقِ وسطیٰ کا سب سے بڑا مظاہرہ تل ابیب میں ہوا تھا۔

پی ایل او لبنان میں غیر مقبول تھی۔ اس کے لبنانی آبادی سے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ایک واقعے میں فلسطینی کرنل محمد ضعیم نے اپنے گھر کے باہر گاڑی روک کر لبنانی میاں بیوی کو گولی مار دی تھی۔ تنظیم نے ان سے کسی قسم کی جوابدہی نہیں کی تھی۔ یہ واقعہ مشہور ہوا تھا اور اس نے پی ایل او کے خلاف منفی جذبات پیدا کئے تھے۔ اور یہ اس نوعیت کا واحد واقعہ نہیں تھا۔ کئی لبنانی گروہوں سے وہ براہِ راست جنگ میں تھی، جبکہ اپنے حامیوں کو بھی اپنے طرزِ عمل سے دور کیا تھا۔ اسرائیل کے اس حملے کا ایک اثر یہ ہوا کہ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرف سے حمایت بھی ختم ہو گئی تھی۔ ان کی نظر میں یہ پرائی آگ تھی جو ان کے گھر پہنچ گئی تھی۔

بارہ اگست کو طویل مذاکرات کے بعد پی ایل او کا جانا لبنان سے جانا طے ہو گیا۔ پی ایل او نے ہتھیار ڈال دئے۔ سینئیر راہنماؤں اور جنگجوؤں سمیت یاسر عرفات نے بیروت چھوڑ دینے کی حامی بھر لی۔

ہزاروں جنگجوؤں نے اکیس اگست اور یکم ستمبر کے درمیان لبنان چھوڑ دیا۔ بیروت میں جذباتی مناظر تھا۔ کہیں روتے، کہیں گاتے اور کہیں خوشی سے نعرے لگاتے ہجوم کے درمیان میں فلسطینیوں کے ٹرک بندرگاہ کی طرف نامعلوم منزل کو جا رہے تھے جس کا انہیں خود معلوم نہیں تھا۔ ان کو چھ الگ ممالک میں بکھیر دیا گیا۔

لبنان میں اگرچہ جنگ سے قبل ان کے لئے اچھے جذبات کی کمی رہی تھی لیکن اس جنگ کے بعد کئی لبنانیوں کی نظر میں یہ ہیرو بن گئے، جنہوں نے دس ہفتے، بغیر کسی بیرونی مدد کے، مشرقِ وسطیٰ کی سب سے طاقتور آرمی کا مقابلہ کیا تھا۔ (بعد کے برسوں میں فلسطینی راہنما ابوعیاد نے انٹرویو میں بتایا کہ اس جنگ میں ان ہفتوں کے دوران انہیں ملنے والی ایندھن، اسلحے اور خوراک کی سپلائی لبنان فرنٹ ملیشیا کے ایجنٹوں کی مدد سے جاری رہی جو اسرائیل کے اتحادی تھے۔ ابوعیاد کے مطابق "کاروبار سے کون انکار کرتا ہے")۔

آخری جہاز کے جاتے ہی یکم ستمبر کو عارضی طور پر جنگ بندی کی نگرانی کرنے کے لئے چند روز کے لئے آنے والے فرانسیسی، اطالوی اور امریکی فوجی بھی لبنان چھوڑ گئے۔ سویلین آبادی اب غیر محفوظ تھی۔

لبنان کے اگلے ہونے والے صدر بشیر جمال تھے، جو لبنان فرنٹ کے کمانڈر اور کرسچن ملیشیا فلانج کے لیڈر تھے۔ نیشنل اسمبلی نے انہیں صدر منتخب کر لیا تھا۔ اسرائیل کو امید تھی کہ ان کے صدر بن جانے کے بعد لبنان سے مرضی کے معاہدے کئے جا سکیں گے۔ چودہ ستمبر 1982 کو فلانج ہیڈکوارٹر میں ہونے والے بڑے دھماکے میں چھبیس دوسرے سیاستدانوں سمیت بشیر جمال مارے گئے۔ اسرائیل نے جنگ بندی کا معاہدہ توڑ دیا اور فوری طور پر مغربی بیروت پر قبضہ کر لیا۔

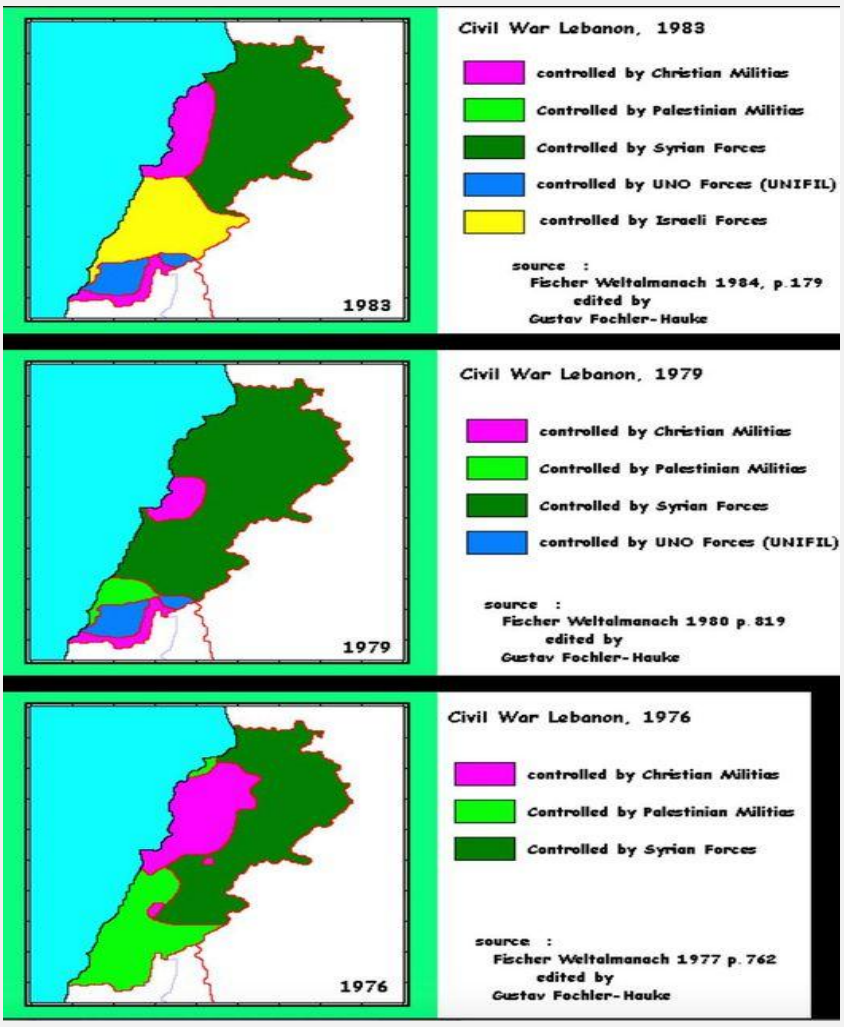

بشیر جمال کو مارنے والے سیریا سوشلسٹ پارٹی کے حبیب الشرتونی تھے جو لبنان فرنٹ کے مخالف تھے۔ وہ دو روز بعد گرفتار ہو گئے۔ (جب سیریا نے بعد میں لبنان پر قبضہ کیا تو حبیب آزاد کروا لئے گئے۔ دھماکے سے 35 سال بعد 2017 میں ان پر لبنان میں مقدمہ چلا اور سزائے موت سنا دی گئی)۔

اگرچہ یہ دھماکہ فلسطینیوں نے نہیں کیا تھا لیکن اپنی قیادت کے قتل پر بپھرے ہوئے لبنان فرنٹ کا نشانہ فلسطینی بنے۔

لبنان فرنٹ نے گھر گھر جا کر لوگوں کو قتل کیا۔ تین روز تک یہ قتلِ عام چلتا رہا جبکہ قابض اسرائیلی فوج نے اس کو روکنے کے لئے ایکشن نہیں لیا۔ اس دوران 800 سے 2750 کے درمیان قتل ہوئے جس میں زیادہ تر بچے، خواتین اور بوڑھے تھے (جوان فلسطینیوں کی بڑی تعداد جلاوطن ہو چکی تھی)۔

یہ "صابرا اور شتیلا قتلِ عام" تھا، جس نے دنیا کو دہلا دیا۔ اسرائیلی فوجیوں نے اسے ہونے سے روکا نہیں تھا۔ نہ صرف باقی دنیا میں بلکہ اسرائیل کے اندر یہ مناظر دیکھ کر شہری احتجاج کرنے نکل آئے۔ اسرائیل کی تاریخ کا سب سے بڑا مظاہرہ تل ابیب میں ہوا جس میں اس واقعے کی انکوائری اور فوج کو واپس بلانے کا مطالبہ تھا۔ اسرائیلی سپریم کورٹ کے صدر اسحاق کاہان کی قیادت میں کاہان کمیشن بنایا گیا جس نے شیرون اور ایتن کو مجرمانہ غفلت کا قصوروار قرار دیا۔ شیرون کو اس کے نتیجے میں وزارتِ دفاع سے استعفیٰ دینا پڑا۔

اسرائیل کے لئے طویل قبضہ رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ بیگن نے اگست 1983 میں استعفیٰ دے دیا۔ ان کی جگہ لیکود پارٹی کے اسحاق شامیر آ گئے۔ اگلے اڑھائی سال میں جون 1985 تک فوج لبنان سے واپس آ چکی تھی۔ اسرائیل کی سرحد سے دس میل آگے سیکورٹی زون بنایا گیا تھا۔ یہاں پر کچھ فوج باقی رہی تھی۔ یہ علاقہ ایک اور کرسچن ملیشیا ساؤتھ لبنان آرمی کے سپرد کر دیا گیا تھا جسے اسرائیل فنڈ اور ہتھیار دیتا تھا۔

مئی 2000 میں اس وقت کے وزیرِاعظم ایہود باراک نے یہاں سے یکطرفہ طور پر فوج کا مکمل انخلا کر دیا۔ یہ ان کے انتخابی منشور میں کیا گیا وعدہ تھا۔ اور اس کے ساتھ اسرائیل کا لبنان چیپٹر اختتام پذیر ہوا۔

سوالات و جوابات

MdSaleem

نہایت عمدہ مضمون ہے۔ لیکن تبصرہ کرنا یا کچھ حقائق کی نشاندہی مشکل ہے۔ اگر کچھ اونچ نیچ ہو جائے تو لوگ دلیل کا جواب دلیل سے دینے کی بجائے فوراً گالم گلوچ شروع ہو جاتے ہیں۔

WaharaUmbakar

گالم گلوچ شاذ و نادر ہی کبھی ہوتی ہے

ShafahdKakar

اس قتل عام کے بعد اقوام متحدہ نے کوئی ردعمل ظاہر کی؟

حبیب آزاد کو صرف سزائے موت سنائی گئی, یا سزا پر عمل درآمد بھی ہو؟

WaharaUmbakar

کونسے والے قتلِ عام کے بعد؟ لبنان کی خانہ جنگی میں تو بے شمار قتلِ عام ہوئے ہیں

ShafiqAhmad

معلومات۔ اس قسط میں کئی گروہوں اور پے در پے واقعات کا تذکرہ ہے، جیسے خانہ جنگی میں بعض اوقات پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون کس سے لڑ رہا ہے، وہ اس عکاسی سے بھی جھلک ہو رہی ہے۔ لیکن تاریخ کے بیان میں یہ مسئلہ کبھی آ ہی جاتا ہے۔ دوبارہ پڑھتا ہوں تاکہ بہتر تفہیم ہو سکے!

WaharaUmbakar

ساتھ تصویر میں چار الگ فریقین اور اتحادوں کا ذکر ہے جو آپس میں لڑ رہے تھے۔ (اس کے علاوہ بھی بہت سے دیگر گروپ تھے، لیکن یہ ایک اجمالی جائزہ ہے)

ShafiqAhmad

جب دو صدر تھے تو کس نے فوج بھیجنے کی درخواست کی؟

WaharaUmbakar

درخواست سلیمان فرنجیہ نے مارچ میں کی۔ مئی میں لبنانی پارلیمان میں وہ انتخاب ہار گئے۔ یہ خاصا جھگڑے والا انتخاب تھا جس کے بعد انہوں نے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ انتخاب الیاس سرکیس نے جیتا تھا جنہیں شام کی حمایت حاصل تھی اور انہیں "دمشق کا امیدوار" کہا جاتا تھا۔ الیاس نے دارالحکومت سے پچیس میل دور کے شہر میں حلف اٹھایا تھا کیونکہ پارلیمان میں انہیں جان کا خطرہ تھا۔

دسمبر میں جا کر الیاس سرکیس نے وزیرِاعظم نامزد کیا۔ الیاس چھ سال صدر رہے۔ ان کو شام کی حمایت رہی۔ سلیمان فرنجیہ کے بیٹے تونی فرنجیہ بھی شام کی اتحادی ملیشیا کا حصہ رہے۔۔۔۔

RizwanAhmad

سرکرسچین ملٹری کے زیر اہتمام علاقے کو اس جنگ سے کوئی فرق نہیں پڑا، اسرائیل، پی ایل او، شام سمیت کسی نے بھی اس کو نہیں چھیڑا، کیوں؟

WaharaUmbakar

ساتھ لگا نقشہ یہ دکھا رہا ہے کہ لبنان کے کونسے علاقے میں کس کی اکثریت ہے۔ گہرے سبز رنگ میں شیعہ، ہلکے سبز رنگ میں سنی، سرخ میں میرونائٹ کرسچن، نیلے میں دروز، زرد میں آرتھوڈوکس کرسچن اور نارنجی میں کیتھولک اکثریتی علاقے ہیں۔ میرونائٹ کرسچن ملیشیا فلانج کا اور ان کی سیاسی جماعت لبنان فرنٹ کا زور میرونائٹ کرسچن اکثریت کے علاقوں پر رہا ہے۔ (اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی ایک پارٹی کے کنٹرول کے علاقوں میں جنگ نہیں ہوتی رہی)۔

SohailHassan

حزب اللہ اسرائیل جنگ کب ہوئی تھی؟

WaharaUmbakar

2006

عفان الدین

WaharaUmbakar

عفان الدین آپ نے جو گرافک شئیر کی ہے، یہ 1967 میں ہونے والی تیسری عرب اسرائیل جنگ پر بنایا گیا اسرائیلی پراپیگنڈا پوسٹر ہے۔ یہ پوسٹ اس جنگ پر نہیں، پہلی لبنان جنگ پر ہے۔

تیسری جنگ کے بارے میں یہاں سے

https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/permalink/3385838328185419/

لبنان جنگ کے بعد

پہلی لبنان جنگ اسرائیل کے لئے مہنگی ثابت ہوئی۔ یہ اسرائیل کے لئے ویسا رہا جیسا امریکہ کے لئے ویت نام۔ دنیا میں اس کا تاثر مجروح ہوا۔ اس کے عالمی تعلقات خراب ہوئے۔ مصر کے ساتھ تعلقات کے جو بحالی ہوئی تھی، حسنی مبارک کے دور میں وہ پھر سرد مہری میں بدل گئی۔ بیگن، شیرون اور ایتن کے "بڑے خوابوں" میں سے کوئی پورا نہیں ہوا۔ اس میں بارہ سو اسرائیلی فوجی مارے گئے۔ (مرنے والے لبنانیوں اور فلسطینیوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی)۔ اگرچہ پی ایل او کا ملٹری انفراسٹرکچر تباہ کر دیا گیا لیکن اسرائیلی قبضے نے مقامی شیعہ آبادی کو اسرائیل مخالف بنا دیا (اگرچہ اس نے شروع میں پی ایل او سے اپنے تلخ تعلقات کی وجہ سے اس حملے کا خیر مقدم کیا تھا)۔ اینٹی اسرائیل شیعہ تحریک کی حمایت بہت بڑھ گئی اور اس سے حزب اللہ نے جنم لیا۔ سیریا اور ایران کی فنڈنگ اور اسلحے کی وجہ سے حزب اللہ 1985 تک جنوبی لبنان کی سب سے بڑی فورس بن چکی تھی۔

حزب اللہ نے جنوبی لبنان میں اسرائیلی فورس اور اس کی اتحادی ساوتھ لبنان آرمی کے خلاف موثر گوریلا جنگ لڑی۔ حزب اللہ بھی پی ایل او کی طرح ہی اسرائیل کی طرف گولے اور راکٹ داغا کرتی تھی۔ مئی 2000 تک ایسے چار ہزار راکٹ پھینکے جا چکے تھے۔ اسرائیلی آرمی نے اس کو روکنے کے لئے دو بڑے آپریشن کئے۔ 1993 میں "آپریشن جوابدہی" اور 1996 میں "آپریشن قہر والے انگور"۔ لیکن راکٹ جاری رہے۔

اس جنگ کے اٹھارہ سالہ بعد 2000 میں اسرائیل نے لبنان مکمل طور پر چھوڑ دیا۔۔۔ لیکن راکٹ نہیں رکے۔

حزب اللہ کے قائد حسن نصر اللہ نے 2005 کے آغاز میں اعلان کیا تھا کہ وہ اسرائیل کی قید سے چار قیدی چھڑوائیں گے۔ اسرائیلی فوجی اغوا کرنے کی کوشش کر رہی تھی تاکہ ان کے بدلے یہ سودا کیا جا سکے۔ یہ چار قیدی:

سمیر القنطار: ایک دروز تھے۔ ایک پولیس افسر سمیت کئی شہریوں کو قتل کرنے کے الزام میں 1979 سے سزا کاٹ رہے تھے۔

نسیم نصر: اسرائیلی تھے۔ ان کی فیملی نے یہودیوں کی واپسی کے پروگرام کے تحت اسرائیل ہجرت کی تھی۔ حزب اللہ کے لئے جاسوسی کرنے کے الزام میں 2002 میں گرفتار ہوئے تھے۔

یحییٰ سکاف: جنہیں 1978 میں کئے گئے coastal road massacre میں ملوث ہونے کے الزام میں سزا دی گئی تھی اور فتح کے ممبر تھے۔

علی فاراتان: ایک لبنانی مچھیرے تھے، جن کی تفصیل حزب اللہ نے نہیں بتائی۔(اسرائیل کے مطابق یہ ان کی قید میں نہیں تھے)۔
حسن نصر اللہ کے اعلان کے بعد اگلے ایک سال میں حزب اللہ نے تین ناکام کارروائیاں کیں۔ کامیابی چوتھی کوشش میں ہوئی۔ 12 جولائی 2006 کو حزب اللہ نے سرحد پار اسرائیلی سرحدی فورس کی دو بکتر بند گاڑیوں پر اینٹی ٹینک راکٹوں سے حملہ کیا۔ اس سے تین فوجی مارے گئے۔ دو فوجیوں کو لبنان لے جایا گیا۔ ان کو چھڑوانے کا آپریشن ناکام رہا اور اس میں پانچ مزید اسرائیلی فوجی ہلاک ہو گئے۔
اس واقعے کے جواب میں اسرائیل نے پورے سکیل کا جنگی حملہ کیا جس میں بیروت پر حزب اللہ کے ہیڈکوارٹر پر حملہ بھی تھا۔ اس دوران لبنانی انفراسٹرکچر بھی تباہ کیا گیا۔
دوسری لبنان جنگ (حربِ تموز) 12 جولائی 2006 کو شروع ہوئی اور 14 اگست تک جاری رہی۔ چونتیس روز کی اس جنگ میں 165 اسرائیلی ہلاکتیں ہوئیں جن میں 44 سویلین تھے جبکہ 1100 لبنانی جس میں زیادہ تر سویلین تھے۔ دس لاکھ لبنانی سویلین آبادی اور تین لاکھ اسرائیلی سویلین آبادی کو گھر چھوڑنا پڑے۔

دوسری لبنانی جنگ میں ایران، سیریا اور یمن نے حزب اللہ کی حمایت کی۔ امریکہ، جرمنی، آسٹریلیا اور کینیڈا نے اسرائیل کے حقِ دفاع کی۔ جبکہ فلسطینی اتھارٹی، سعودی عرب، مصر، اردن، کویت، عراق، امارات، بحرین اور عرب لیگ نے لبنان کی حمایت کی اور اس جنگ کا ذمہ دار حزب اللہ کو قرار دیا۔ اور اس کے ایکشنز کی مذمت کی جن کی وجہ سے لبنان کو نقصان اٹھانا پڑا۔

جنگ کے بعد حزب اللہ نے فتح کا اعلان کیا۔ اس کے لیڈر حسن نصر اللہ عرب دنیا میں ہیرو بن گئے۔ ان کا مقامی اثر و رسوخ بڑھ گیا۔ سیاسی پوزیشن مضبوط ہوئی اور اس وقت یہ لبنانی سیاست میں شیعہ جماعتوں میں حرکت الامل کے بعد دوسری بڑی جماعت ہے۔ اس کی پارلیمنٹ میں چودہ نشستیں ہیں۔
اسرائیلی وزیرِ دفاع، چیف آف سٹاف اور کئی سنیئر جنرلوں کو اس جنگ کی وجہ سے مستعفی ہونا پڑا۔ اسرائیلی وزیرِاعظم ایہود اولمرٹ کو سیاسی طور پر نقصان اٹھانا پڑا اور وہ سیاست سے باہر ہو گئے۔ ان کی جگہ بنجمن نیتن یاہو نے لے لی۔

پہلی لبنان جنگ نے اسرائیل کے لئے ایک حریف (پی ایل او) کی جگہ نیا حریف (حزب اللہ) پیدا کر دیا۔ اس کے ذریعے علاقے میں ایران کے لئے موقع بن گیا۔ جنگ کا مقصد لبنان میں دوستانہ حکومت کا قیام تھا جو ناکام رہا۔ لبنان کی پارلیمان نے مئی 1983 میں اسرائیلی امن معاہدہ منسوخ کر دیا۔

پہلی لبنان جنگ کا پی ایل او پر بھی وہ اثر نہیں ہوا جو جنگ پلاننگ کرنے والوں نے سوچا تھا۔ تنظیم کمزور تو ہو گئی، ختم نہیں ہوئی۔ اس کی لیڈر شپ تیونس میں جمع ہوئی جہاں نیا ہیڈ کوارٹر بنا۔ فلسطینیوں میں یہی تنظیم مقبول رہی، مغربی کنارے اور غزہ میں بھی۔

پی ایل او نے اگلے برسوں میں مسلح جدوجہد کے بجائے سفارت کاری اور مذاکرات کی راہ لی۔ یاسر عرفات نے بعد میں اسرائیل کو تسلیم کر لیا جس نے امن کے پراسس کی راہ ہموار کی۔

اس جنگ کی وجہ سے پی ایل او نے عملیت پسندی اپنا لی، جو کہ بیگن اور شیرون کی توقعات کے خلاف تھا۔ اور ان کے لئے ستم ظریفی یہ کہ اس تنظیم کو کچل دینے کا پلان ہی تھا جس وجہ سے پی ایل او مغربی کنارے اور غزہ میں بعد پاور میں آئی۔ اس نے بہت سے اسرائیلیوں کو قائل کیا کہ عسکری برتری کے باوجود مسئلے کا جنگی حل نہیں ہے۔ اسرائیل کو اپنی سخت پوزیشن چھوڑ دینا پڑی اور مذاکرات کی میز پر آنے کا راستہ بن گیا۔

نوٹ: جولائی 2006 میں پکڑے گئے دو اسرائیلی فوجیوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ 2008 میں ان کی لاشوں کے بدلے سمیر قنطار اور نسیم نصر سمیت پانچ قیدی آزاد ہوئے۔ قنطار سیرین خانہ جنگی میں حزب اللہ کی طرف سے کمانڈر بنے اور بشار الاسد حکومت کی طرف سے لڑے رہے تھے۔ فری سیرین آرمی کے حملے میں دمشق کے قریب جرمانا کے علاقے میں 2015 میں مارے گئے۔

ساتھ تصویر لبنان اسرائیل سرحد کی ہے۔

سوالات و جوابات

SadiaMalik

دنیا سے مسئلے کب ختم ہوں گے لڑائی جھگڑے فسادات

WaharaUmbakar

کئی بار جھگڑے حل ہو جاتے ہیں۔ لڑنے والے صلح کر بھی لیتے ہیں۔ سابق دشمن دوست بھی بن جاتے ہیں۔ آسان نہیں لیکن ایسا ہوتا بھی رہا ہے۔۔۔

RizwanAhmad

سر لبنانی اور اسرائیلی مہاجرین گھر بار چھوڑ کر کہاں گئے، اور ان کا دونوں ممالک کی سیاست پر کیا اثر ہوا؟

WaharaUmbakar

اسرائیل اور لبنان کے سرحدی علاقوں کے لوگوں کو گھر چھوڑنا پڑے تھے۔ یہ دوسرے ملک نہیں بلکہ اس جنگ کے دوران عارضی کیمپوں میں یا دوسرے شہروں میں رہائش گاہوں میں گئے تھے۔جنگ بندی کے بعد واپسی ہوگئی تھی۔

RizwanAhmad

سریاسر عرفات کے بعد پی ایل او کا اثرکم ہوگیا ہے کیا؟

WaharaUmbakar

فلسطین اتھارٹی میں حکومت پی ایل او کی ہی ہے۔اگرچہ فلسطین میں سیاسی قیادت کو(جس میں پی ایل او اور حماس شامل ہیں)، بالعموم کرپٹ اور نااہل سمجھا جاتا ہے، لیکن مغربی کنارے میں پی ایل او کی حمایت موجود ہے۔
فلسطین کی اندرونی سیاست پر کچھ تفصیل آئندہ کی اقساط میں آئے گی۔۔

SohailHassan

اگر یاسر عرفات نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا تھا تو اب کیا مسئلے ہے جن کی وجہ سے فلسطین اور اسرائیل اپنی اپنی سرحدوں کا تعین نہ کر سکے۔

WaharaUmbakar

فلسطین اور اسرائیل ایک دوسرے کو تو بہت عرصے سے تسلیم کرتے ہیں۔ سرحد کیا ہو؟ مہاجرین کا کیا حل ہے؟ پانی تقسیم کس طرح ہو؟ دفاع کی صورتحال کیا ہو گی؟ سیکورٹی کیسے بنے گی؟ یروشلم کا حل کیا نکلے گا؟ اس طرح کے حل طلب سوالات ہیں جن پر مذاکرات ہوتے رہے ہیں۔

انتفاضہ اول

اسرائیلی قبضے کو دو دہائیاں گزر چکی تھیں۔ فلسطینیوں کی نئی نسل جوان ہو چکی تھی جس نے ملٹری قبضے کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا۔ آزادی اظہار پر پابندی تھی، فلسطینی جھنڈے کی نمائش پر پابندی تھی، پی ایل او کے حق میں بات کرنے پر پابندی تھی۔ انفرادی واقعات پر جرمانہ اور جیل، جبکہ اجتماعی واقعات میں گھروں کی مسماری اور جلاوطنی تھی۔ نئی نسل زیادہ بے خوف تھی۔ طویل قبضے کے خلاف بغاوت چھڑ گئی۔

انتفاضہ گراس روٹ سطح سے یکایک اٹھنے والی تحریک تھی۔ یہ کسی سیاسی لیڈر شپ نے شروع نہیں کی تھی۔ پورے علاقے میں شروع ہوئی۔ اس میں حصہ لینے والوں میں مرد بھی تھے اور خواتین بھی، دیہاتی، کسان، تاجر، غریب، طلباء، دکاندار اور ہر شعبے کے لوگ۔

اس میں کئی حربے اپنائے گئے۔ ہڑتال، بائیکاٹ، ٹیکس نہ دینا اور دوسری سول نافرمانی۔ کبھی سیکورٹی فورس سے ٹکراؤ ہو جاتا جہاں پر پتھروں کا مقابلہ ربڑ کی گولیوں سے ہوتا۔ لیکن زیادہ تر یہ غیر مسلح اور پرامن رہا۔ اور اس نے عالمی توجہ حاصل کی۔ کئی سال سے جاری کامیاب اسرائیلی پراپیگنڈا کی دھجیاں اڑ گئیں جس میں تاثر دیا جاتا تھا کہ مقبوضہ علاقوں میں فلسطینی مطمئن زندگی گزار رہے ہیں۔ (استعمال کی جانے والی اصطلاح enlightened occupation کی تھی)۔

پہلا انتفاضہ عوامی مزاحمت کی کامیاب مثال تھا اور یہ ہر لحاظ سے فلسطینی کامیابی رہی۔ اس سے پہلے فلسطینیوں کی بغاوت 1936 میں ہوئی تھی جس دوران ان میں آپس میں زبردست پھوٹ پڑ گئی تھی۔ اس کے برعکس 1987 میں شروع ہونے والی اس تحریک میں کوئی تقسیم نہیں تھی۔ اور بڑی حد تک تشدد اور اسلحے کا عنصر نہیں آیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا نہ صرف عالمی سطح پر، بلکہ اسرائیل کے اندر بھی بڑا مثبت اور طویل مدت اثر گیا۔ اس سے پہلے اسرائیل فلسطینیوں کو دہشتگرد کے طور پر پیش کرتا رہا تھا۔

نوے کی دہائی کے ابتدائی برسوں تک اس تحریک نے کامیابی سے یہ باور کروا دیا تھا کہ قبضہ ہمیشہ کے لئے ایسے نہیں جاری نہیں رہ سکتا۔

پی ایل او قیادت 1982 کے بعد سے تیونس میں اور دوسرے عرب ممالک میں تھی۔ پی ایل او کو پہلے بھی جنگی راستہ ترک کرنے کا مشورہ دیا جا چکا تھا۔ تنظیم کی قیادت نے پاکستانی انٹلکچوئل اقبال احمد کو عسکری حکمتِ عملی بنانے کا کام سونپا تھا۔ (اقبال احمد الجیریا میں مسلح مزاحمت کے حق میں تھے)۔ انہوں نے لبنان میں دورے کر کے پی ایل او کے مسلح مزاحمت کے طریقے پر تنقید کی تھی اور اسے غیر موثر کہا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسا کرنا اسرائیلی مظلومیت کا تاثر بناتا ہے اور اسرائیلی قوم کو متحد کرتا ہے۔ الجیریا کا طریقہ فلسطینی جدوجہد کے لئے موزوں نہیں۔ اس طریقے نے نقصان پہنچایا ہے۔ اقبال احمد کی تجویز کو فلسطینی قیادت نے ناپسند کیا تھا۔ لیکن انتفاضہ کی کامیابی نے پی

ایل او قیادت کو اپنی رائے پر نظر ثانی کا موقع دیا۔

پی ایل او کا ایک اور مسئلہ نئی آنے والی تنظیم تھی۔ پی ایل او قیادت جلاوطن تھی۔ اس وقت غزہ میں 1987 میں نئی قائم ہونے والی یہ تنظیم حماس تھی جس کو فلسطینیوں کی طرف سے سپورٹ ملی۔

ایک اور بڑا فیکٹر سرد جنگ کا خاتمہ تھا۔ فلسطینیوں کو سوویت بلاک سے سپورٹ ملتی رہی تھی۔ سرد جنگ میں سوویت شکست اور کمیونسٹ پراجیکٹ کی عالمی ناکامی کے بعد اب اس کی توقع نہیں رہی تھی۔ دنیا میں دو سپر پاورز کا دور ختم ہو گیا تھا۔ 1991 تک سوویت یونین دنیا کے نقشے سے غائب ہو گیا تھا۔

یاسر عرفات نے ایک بہت بڑی سیاسی غلطی خلیج کی جنگ میں کی۔ جب عراق نے کویت پر قبضہ کر لیا تو اگست 1990 میں تمام عرب ممالک، بشمول سیریا اور مصر، نے عراق کے خلاف اتحاد کا ساتھ دیا۔ عراق نے عرب لیگ کے ایک ممبر کو ہڑپ کر لیا تھا۔ عسکری برتری کی بنیاد پر علاقے فتح کرنا کالونیل دور کی یادگار تھا۔ بیسویں صدی کے آخر میں اور کالونیل دور کے خاتمے کے بعد ایسا کرنا ناقابلِ قبول تھا۔ ایک ساتھی ممبر پر قبضہ کر لئے جانا تو عربوں کے لئے برداشت کے قابل نہیں تھا۔ اس موقع پر یاسر عرفات نے عرب ممالک کے ساتھ کھڑے ہونے کے بجائے "نیوٹرل" رہنے کی کوشش کی، اور خلیج جنگ کی مخالفت کی۔

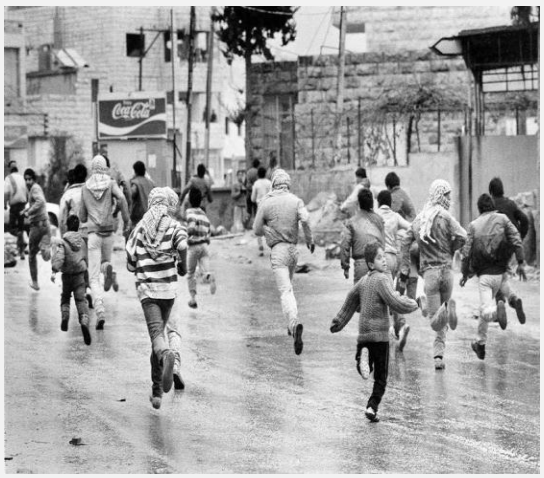

یاسر عرفات کے اس حیرت انگیز فیصلے کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک وجہ عراق سے ملنے والی سیاسی، عسکری اور اقتصادی مدد تھی۔ دوسرا یہ کہ عرفات کا عراقی ملٹری صلاحیت کے بارے میں خیالات غیر حقیقی تھے۔ حالانکہ ایران عراق جنگ میں دنیا بھر سے مدد ملنے کے باوجود عراقی فوج نے اوسط درجے کی کارکردگی دکھائی تھی۔ "صدام عظیم عرب ہیرو ہیں جو نئے صلاح الدین ایوبی ہیں۔ امریکہ اور اتحادیوں کو شکست دیں گے"۔ اردن اور لبنان کے کچھ عام لوگوں میں پائے جانے والے اس جذباتی نکتہ نظر میں شاید عرفات بھی بہہ گئے تھے۔ (صلاح الدین ایوبی اور صدام، دونوں کا تعلق تکریت سے تھا)۔

اور یہ حیرت انگیز ہونے کے ساتھ افسوسناک اس لئے بھی تھا کہ کویت وہ ملک تھا جہاں یاسر عرفات کئی سال رہے تھے۔ اپنی تنظیم کی ابتدا یہیں پر کی تھی۔ یہاں پر فلسطینیوں کی بڑی کمیونیٹی تھی۔ کویت فلسطین کاز کا بھرپور حامی تھا اور واحد عرب ملک تھا جہاں پر

فلسطینیوں کو اظہارِ رائے کی آزادی تھی۔

پی ایل او کے اس فیصلے کے نتائج فوراً ہی آ گئے۔ مختصر سی جنگ میں عراق کو فاش شکست ہوئی۔ تمام خلیج ریاستوں نے پی ایل او کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ کویت سے فلسطینی بے دخل کر دئے گئے۔ پی ایل او تنہا اور کمزور پوزیشن پر رہ گئی۔

اسرائیل پر انتفاضہ کا دباؤ، سوویت یونین کا انہدام اور پی ایل او کا تنہا رہ جانا۔۔۔۔ یہ وہ پس منظر تھا جہاں سے اسرائیل فلسطین مذاکرات کا آغاز ہوا۔

سوالات و جوابات

SaleemJamali

عراق کو ایران کے خلاف جنگ میں کن کن ممالک کا تعاون حاصل رہا۔

WaharaUmbakar

عرب ممالک میں صرف سیریا اور لیبیا ایران کے ساتھ تھے۔ باقی سب عراق کے ساتھ۔ مغربی ممالک عراق کے ساتھ تھے۔ سعودی عرب اور امریکہ نے جنگ میں عراق کی خاصی مدد کی۔ (اگرچہ امریکہ نے ایران کو بھی ہتھیار فروخت کئے)۔ فرانس بھی عراق کو ہتھیار دیتا رہا۔ سوویت یونین بھی عراق کے ساتھ تھا (اگرچہ اس نے ایران کو بھی ہتھیار فروخت کئے)۔
ایران کے پاس سب سے زیادہ ہتھیار چین سے آئے (جو عراق کو بھی ہتھیار فروخت کرتا رہا)۔ اس کے ساتھ ایک اور ملک شمالی کوریا تھا۔

SaleemJamali

جنگ کرنے کی کیا وجوہات تھیں۔

WaharaUmbakar

ایران اور عراق کے درمیان ایک بڑا سرحدی تنازعہ شط العرب کے علاقے کا ہے۔ عراق اس جنگ میں اس تنازعے کو طاقت کے زور پر حل کرنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ اس جنگ میں عراق خوزستان کے صوبے پر قبضہ کرنے کا خواہشمند تھا جہاں سے تیل کی اچھی پیداوار ہوتی ہے۔

عراق کو ایک بڑا مسئلہ ایران کے انقلاب سے تھا۔ عراق میں شیعہ اکثریت ہے۔ پڑوس میں شیعہ مذہبی حکومت کا ایران میں برسرِاقتدار آجانا عراقی حکومت کے لئے خطرہ تھا جسے شیعہ آبادی سے بغاوت کے خطرات رہے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ ایرانی انقلاب عراق کی طرف ایکسپورٹ نہ ہو جائے۔ دوسری طرف ایران لیڈر خمینی صدام حسین کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے اور ان کو اقتدار سے نکالنا چاہتے تھے۔ صدام نے خمینی کو 1978 میں عراق سے بے دخل کیا تھا۔

SaleemJamali

جنگ میں فضائی فوج کا کتنا کردار تھا اور کتنے روز تک جنگ جاری رہی؟

WaharaUmbakar

آٹھ سال تک جاری رہی تھی۔ 1988 میں جنگ بندی ہوئی۔ جنگ بے نتیجہ رہی تھی۔ دونوں طرف کی ملا کر دس لاکھ ہلاکتیں ہوئی تھیں۔

SaleemJamali

جنگ بندی ثالثی کے تحت ہوئی یا بغیر کسی ثالث کے

WaharaUmbakar

اقوامِ متحدہ کی طرف سے ثالثی کی کوشش کی جاتی رہی۔ جنگ بندی کے لئے قرارداد 598 کی منظوری ہوئی۔ 1988 میں بڑی عسکری جھڑپیں ہوئیں۔ ان کے بعد ایران اور عراق کے نمائندوں نے اس قرارداد پر اتفاق کر لیا اور جنگ بندی اگست 1988 میں ہو گئی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے کی پوزیشنوں پر اتفاق کر لیا گیا اور فوجیں ان جگہوں پر واپس چلی گئیں۔ سرحد پر جو اتفاق 1975 میں ہوا تھا، اسے قبول کر لیا گیا۔

حافظ شعیب رحمانی

کہا جاتا ہے پاکستان نے عراق ایران جنگ میں ایران کا ساتھ دیا تھا حتیٰ کہ امریکن ٹینک بھی ایران کو دے دیے تھے اس میں کتنی سچائی ہے؟

WaharaUmbakar

حافظ شعیب رحمانی جی۔ اس جنگ میں پاکستان ایران کے ساتھ تھا۔ عراق پاکستان تعلقات 1958 کے بعد خراب ہوئے۔ اس وقت کے عراق اور پاکستان بغداد معاہدے میں اکٹھے تھے۔ بادشاہ کی معزولی کے بعد عراق اس معاہدے سے نکل گیا اور پاکستان سے اس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ عراق بلوچستان میں علیحدگی پسندوں کو امداد دیتا رہا تھا۔ عراق حکومت کی کوشش تھی کہ اس کی مدد سے ایران کو بلوچستان میں الجھایا جائے۔

دس فروری 1973 کو اسلام آباد میں عراق ایمبیسی میں کئے گئے آپریشن میں اسلحے کی بھاری مقدار ملی تھی جو بلوچ علیحدگی پسندوں کے

لئے تھے۔اس وقت پاکستان کے وزیرِاعظم بھٹو نے نکسن کو خط لکھا تھا جس میں عراق، افغانستان، سوویت یونین اور انڈیا کے پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کی سازش کے خلاف مدد مانگی تھی۔

پاکستان نے بلوچستان میں ایران آرمی کے ساتھ ملکر آپریشن کیا تھا اور اس بغاوت کو ختم کیا تھا۔ایران عراق جنگ کے دوران صدام حکومت نے 1981 میں ایک بار پھر بلوچ علیحدگی پسندوں کی مدد کے ذریعے ایران اور پاکستان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی تھی جو ناکام رہی۔صدام حسین کے جانے کے بعد پاکستان عراق تعلقات میں کچھ بہتری آئی ہے۔

SadoonKhan

سر یہ انتفاضہ کیا تھا؟

SaleemJamali

زلزلہ، زلزلے کی طرح ہلانا،

WaharaUmbakar

پہلا انتفاضہ فلسطینیوں کی طرف سے اسرائیل کے خلاف چلائی گئی تحریک تھی جس میں مظاہرے اور احتجاج تھے۔یہ دسمبر 1987 میں شروع ہوئی اور 1993 میں اس کا اختتام ہوا۔

NomanSial

انتفاضہ کا لفظ عرب میں "بغاوت" کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

RizwanAhmad

سر احمد اقبال کون تھے

WaharaUmbakar

اقبال احمد پاکستان سے تعلق رکھنے والے دانشور تھے۔قیامِ پاکستان کے وقت کچھ عرصہ آرمی میں رہے اور کشمیر جنگ میں حصہ لیا۔امریکہ میں پرنسٹن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔لیفٹ ونگ سے تعلق رکھتے تھے۔امریکہ میں ویت نام جنگ کے مخالفت کی تحریک میں تھے۔الجیریا کی آزادی کی تحریک میں شرکت کی۔فلسطین کی قیادت سے قریبی تعلقات تھے۔ایڈورڈ سعید نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ان کی فکر پر سب سے زیادہ اثر جس نے ڈالا، وہ اقبال احمد تھے جنہیں عالمی سیاست کی گہری سمجھ تھی۔

پاکستان میں انہیں زیادہ نہیں جانا جاتا۔ملٹری اسٹیبلشمنت کے خلاف تھے۔1990 کی دہائی میں ڈان اخبار میں مضامین لکھا کرتے تھے۔وفات 1999 میں اسلام آباد میں ہوئی۔

ShafiqAhmad

یہ کس خاندان اور علاقہ سے تھے؟ کون سی کتب لکھیں؟

WaharaUmbakar

بہار سے پاکستان ہجرت کی تھی۔ لاہور میں ایف سی کالج سے پڑھ کر امریکہ چلے گئے تھے۔ بعد کے برسوں میں اسلام آباد آتے جاتے رہے تھے۔

ان کی لکھی کتابوں کی فہرست

https://www.amazon.com/Eqbal-Ahmad/e/B001IYZDWC%3F

ShafiqAhmad

ساتھ لگی تصویر چند لوگوں کی ہے جو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟

WaharaUmbakar

یہ والی تصویر جنوری 1988 میں غزہ کی ہے۔ ایک ٹرک حادثہ ہوا تھا جس میں ایک ٹرک اور ٹیکسی کی ٹکر میں ٹیکسی کے مسافر ہلاک ہوئے تھے۔ ڈرائیور اسرائیلی تھا جبکہ مسافر فلسطینی۔ یہ والا مظاہرہ اس حادثے کے نتیجے میں شروع ہوا تھا۔

اوسلو معاہدے

دہائیوں تک اسرائیلی اور فلسطینی ایک دوسرے سے بات کرنے سے انکار کرتے رہے تھے۔ فلسطینی لیڈر اسرائیل کا نام تک ادا نہیں کرتے تھے۔ اسرائیلی لیڈر فلسطینیوں کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے تھے، ان کو عرب کہا جاتا تھا اور پی ایل او کو دہشتگرد تنظیم۔ اسرائیلی قانون کے مطابق اسرائیلی شہری کے لئے پی ایل او کے ممبر سے ملنا اور بات کرنا جرم تھا۔

یہ بائیکاٹ 1991 میں ختم ہوا جب میڈرڈ میں فریقین نے ایک کانفرنس میں شرکت کی۔ دسمبر 1991 سے جولائی 1993 تک مذاکرات کے کئی راونڈ بالواسطہ ہوئے۔ بالآخر، اسرائیلی وزیرِاعظم اسحاق رابین اور پی ایل او نے خفیہ مذاکرات کا فیصلہ کیا جن کے نتیجے میں اوسلو معاہدہ کیا گیا۔

تیرہ ستمبر 1993 کو عرفات اور رابین، دو دیرینہ دشمنوں کا مصافحہ ایک یادگار لمحہ تھا۔ یہ بڑی امید کا وقت تھا۔ لگتا تھا کہ امن قریب ہے۔ "اپنی آزاد اور خودمختار ریاست ہوگی"۔ فلسطینیوں کا خیال تھا کہ یہ وقت اب قریب ہے۔ "ایک بار معاملات طے ہو جائیں تو سیر کرنے دمشق کے قہوہ خانوں میں قہوہ پینے جایا کریں گے۔ مشرقِ وسطیٰ میں نہ سرحدی پابندیاں ہوں گی اور نہ افواج"۔ کسی دیوانے کا خواب لگنے والا مستقبل کا یہ نقشہ اس وقت کے اسرائیل کی اخباروں میں تھا۔ فضا میں امید تھی کہ امن قریب ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بعد والے واقعات ایسے نہیں رہے۔

پہلے معاہدے کا نام " عبوری حکومتی انتظامات کے اصولوں کا اعلامیہ" تھا۔ معاہدوں کی اس سیریز کو مجموعی طور پر اوسلو اکارڈ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ خفیہ مذکرات جنوری سے اگست 1993 تک ناروے کے شہر اوسلو میں ہوئے تھے۔

تیرہ ستمبر کو ہونے والا معاہدہ امن معاہدہ نہیں تھا، لیکن اگلا قدم تھا۔ اس میں اسرائیل نے غزہ سے اور مغربی کنارے کے شہر اریحا سے انخلا کرنا تھا۔ اس کے بعد اگلے پانچ سال میں مغربی کنارے کے کچھ اور علاقوں سے۔ اس دوران، فلسطین میں ایک نیم خودمختار حکومت کا قیام ہونا تھا جس کا کام اسرائیلی فوج کے نکل جانے کے بعد روزمرہ کا انتظام سنبھالنا تھا۔ امن و امان، پولیس، صحت، ٹیکس، تعلیم، سوشل ویلفیئر، کلچر اور سیاحت کے شعبے اس کے پاس آجانے تھے۔

اس میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ مستقبل میں کن امور پر بات چیت ہونی ہے۔ فلسطینی سرحدیں، اسرائیلی آبادیاں، مہاجرین کا مسئلہ، یروشلم کا

سٹیٹس ان میں شامل تھے۔ یاسر عرفات نے "اسرائیل کو امن سے رہنے کا حق "تسلیم کر لیا تھا اور اسرائیل نے "پی ایل او کو فلسطینیوں کا نمائندہ "تسلیم کر لیا تھا۔

اٹھائیس ستمبر 1995 کو دوسرے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ اس میں مغربی کنارے کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ شہری علاقے جہاں پر فلسطین اتھارٹی کا مکمل کنٹرول ہو گا۔ دیہی علاقے جہاں پر سیکورٹی اسرائیل کی ہو گی، سول معاملات فلسطین اتھارٹی کے پاس۔ اور اسرائیلی آبادیاں اور ملٹری بیس، زرعی زمین اور بڑی سڑکیں جو اسرائیلی کنٹرول میں ہوں گے۔ یہ انتظام عارضی طور پر پانچ سال کے لئے کیا گیا تھا اور مذاکرات کے ٹائم ٹیبل میں طے کیا گیا تھا کہ یہ اس وقت تک ایسا رہے گا جب تک 1999 میں سارے معاملات طے نہیں ہو جاتے۔ لیکن مذاکرات کبھی بھی اس نہج تک نہیں پہنچے۔ یہ ابھی تک اسی طرح ہی ہے۔

پی ایل او کو یہ دکھانا تھا کہ وہ حکومت کر سکتی ہے، اپنی آبادی پر کنٹرول رکھ سکتی ہے اور اسرائیل کے ساتھ امن قائم رکھ سکتی ہے۔ اسرائیل کے انخلا کے بعد اس کے شہریوں کو فلسطین کی طرف سے خطرہ نہیں ہو گا۔ جبکہ دوسری طرف، اسرائیل کو رفتہ رفتہ فلسطین کو مکمل طور پر چھوڑ دینا تھا۔ ایسا نہیں ہوا۔ اپنی ناکامی کے باوجود اسحاق رابین، شمعون پیریز، یاسر عرفات اور محمود عباس کی یہ بڑی کامیابی تھی۔

اوسلو اکارڈ سے مشرقِ وسطی میں امن قائم نہیں ہوا۔ ان سے لگائی گئی بلند توقعات پوری نہیں ہوئیں۔ نہ فلسطینیوں کو آزادی ملی، نہ ہی اسرائیلیوں کا "دمشق کے قہوہ خانے میں کافی کا کپ "کا خواب پورا ہوا۔

فلسطینیوں کے لئے بڑے شہروں سے اسرائیلی فوج کے انخلا نے اور فلسطینی اتھارٹی کے قیام نے زندگی کچھ آسان کر دی۔ اسرائیل اور فلسطین نے ایک دوسرے کو بطور حقیقت تسلیم کر لیا۔ کسی شکل میں فلسطین کی ریاست کا قیام ہو گیا۔ فلسطینی پاسپورٹ کا اجرا بھی ہو گیا۔ فلسطینیوں کو اپنے ملک کی شہریت مل گئی۔ بہت سے بڑے مسائل حل نہیں ہوئے۔

سوالات و جوابات

ShafiqAhmad

ان ادوار سے پہلے فلسطینی کون سا پاسپورٹ استعمال کرتے تھے؟

WaharaUmbakar

مغربی کنارے میں رہنے والوں (اور اردن چلے جانے والوں) کے پاس اردن کی شہریت کی پیشکش 1988 تک رہی تھی۔ بہت سے

فلسطینیوں نے یہ لے لی تھی۔ سیریا نے بھی مہاجرین کو اپنا پاسپورٹ دے دیا تھا۔لبنان نے سفری کاغذات دئے تھے۔ یہ شہریت نہیں تھی لیکن مہاجر پاسپورٹ تھا۔

ShafiqAhmad

غزہ والے؟

WaharaUmbakar

غزہ کے رہائشیوں کے پاس سفری کاغذات نہیں تھے۔بغیر کسی ویزہ کے مصر جاسکتے تھے،لیکن مصر کا پاسپورٹ نہیں تھا۔(غزہ کے رہائشی اب بھی بغیر ویزہ کے مصر جاسکتے ہیں،لیکن 2007 کے بعد یہاں کی سرحد (رفح کراسنگ) اب ہر چند ماہ بعد تین روز کے لئے ہی کھلتی ہے)۔

ShafiqAhmad

غزہ والے حج، عمرہ کیسے کرتے ہیں؟

WaharaUmbakar

حج اور عمرہ کے لئے عارضی پاسپورٹ جاری ہوا کرتا تھا۔ اسرائیل کے مسلمانوں کو یہ مسئلہ رہا تھا کہ سعودی عرب ان کا پاسپورٹ تسلیم نہیں کرتا تھا۔قیامِ اسرائیل کے تیس سال بعد تک اسرائیل کے مسلمانوں کے پاس اس کا طریقہ نہیں تھا۔1978 میں اردن نے حج کے لئے عارضی پاسپورٹ پچاس دینار (تقریباً دس ہزار روپے) کے عوض اسرائیل کا پاسپورٹ دکھانے والوں کو بھی جاری کرنا شروع کر دیا۔ 1993 میں عمرہ کے لئے بھی۔ سعودی عرب نے 2018 میں عارضی پاسپورٹ پر سفر کرنے پر پابندی لگا دی ہے۔اب اسرائیلی مسلمان یا پھر وہ فلسطینی مہاجرین جو لبنان میں ہیں یا اردن کے مہاجرین جنہوں نے شہریت نہیں لی، حج یا عمرہ نہیں کر سکتے۔

FahadKhan

Nice sir ye nakam kesy houa?

WaharaUmbakar اگلی قسط اس کی ناکامی پر۔۔۔

FahadKhan یاسر عرفات اور محمود عباس دونوں ایک جماعت میں تھے

WaharaUmbakar جی، یہ دونوں "فتح" کے لیڈر رہیں۔

FawadMarwat

Yasir arfat aik ghadar mulk farosh leader hai or kisi palestani ne israel ko aj tak tasleem ni kia q k aj b palestini bhai khud kash kar rahe hai or in yahahodio ko jahanam rasid kar rahe hai

WaharaUmbakar

فلسطینی کاز کے لئے اپنی زندگی کھپا دینے والے، پچاس سال تک فلسطین کی قیادت کرنے والے اور فلسطین میں انتہائی احترام سے دیکھی جانے والی شخصیت کو اپنے گھر بیٹھ کر "غدار اور ملک فروش" کے لقب دینے پر آپ کو اور آپ کے کئے گئے اس کمنٹ کو صرف حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔نہ جانے کہاں سے آتے ہیں یہ دوست۔۔۔

Fawad Marwat

iski palestine cause k liye 50 sal waqf karne ka andaza iski yahodi aurat se shadi se lagay ja sakta hai k inho ne kitni bari koshish ki yahodi in jesa leader talash karne k liye charagh hat me liye phir raje hai lekin is jese mulk farosh aj tak inko ni mila

WaharaUmbakar

بزرگ کہتے ہیں کہ بولنے سے پہلے پڑھ لینا مفید رہتا ہے۔آپ کو کسی نے سراسر غلط انفارمیشن دے دی ہے۔
اگر کوئی سوال ہے تو پوچھ لیجئے، ورنہ کچھ پڑھے بغیر مِس انفارمیشن پھیلا کر آپ اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کر رہے ہیں

IrfanKhan

اگر فلسطین نے ہی اسرائیل کو ایک ریاست کے طور پر تسلیم کر لیا ہے تو باقی ممالک کو بھی چاہئے کہ اسے تسلیم کریں اور مذاکرات کے زریعے اس پر دباؤ بڑھائیں... شاید راستہ نکل ہی آئے.. ورنہ مقام لد تو کہیں نہیں گیا ..

WaharaUmbakar

سعودی عرب نے Arab peace initiative کے تحت عرب لیگ کی طرف سے اسرائیل کو پیشکش کی تھی کہ اگر اسرائیل اپنے حل طلب معاملات فلسطین اور سیریا سے طے کر لیتا ہے تو تمام عرب ممالک اسرائیل کے ساتھ مکمل اور نارمل سفارتی تعلقات قائم کر لیں گے۔یہ پیشکش ابھی بھی کھلی ہے اور پاکستان بھی اس کی حمایت میں ہے۔تاہم معاہدہ ابراہیمی کے تحت ستمبر 2020 سے کچھ عرب ممالک الگ سے اسرائیل کو تسلیم کر چکے ہیں۔ان میں متحدہ عرب امارات، بحرین، سوڈان، مراکش شامل ہیں۔اس کے بدلے سوڈان دہشتگردی کی فہرست سے خارج ہو گیا۔مراکش کا مغربی صحارا پر قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔جبکہ امارات اور بحرین کے لئے کشش تجارتی مواقع کی تھی۔مسئلہ تسلیم کرنے کا نہیں بلکہ یہ ہے کہ ایسا کیا کیوں جا رہا ہے۔جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو اس مسئلے میں اس کی اہمیت زیادہ نہیں ہے۔اسرائیل کے نکتہ نظر سے بڑا پرائز سعودی عرب ہے۔

امن میں ناکامی

چار نومبر 1995 کو اسحاق رابین تل ابیب میں ایک بڑے جلسے سے خطاب کر کے واپس آ رہے تھے کہ انہیں ایک انتہا پسند اسرائیلی نے گولی مار کے قتل کر دیا۔ قاتل کو امن کے عمل پر غصہ تھا اور اس کا کہنا تھا کہ اسرائیلی زمین فلسطینیوں کو دی جا رہی ہے۔ اس کے مطابق اسحاق رابین غدار تھے۔ ان کے سیاسی مخالف بنجمن نیتن یاہو بھی سیاسی جلسے میں اسحاق رابین کو "ملک کی زمین کا سودا کرنے والا قوم کا غدار" کہہ چکے تھے۔ (رابین اسرائیل میں سیاستدان ہونے کے علاوہ جنگی ہیرو بھی تھے۔ 1949 کی جنگ میں ایلیٹ کمانڈو فورس میں تھے اور 1967 کی جنگ میں اسرائیلی فوج کے کمانڈر انچیف تھے)۔

رابین کا قتل امن عمل کے لئے دھچکا تھا لیکن یہ عمل اگلے پانچ سال لنگڑا کر چلتا رہا اور پھر دوسرا انتفاضہ شروع ہو گیا۔

رابین کے قتل نے اسرائیلی سوسائٹی کو تقسیم کر دیا۔ اپوزیشن لیڈر نیتن یاہو امن عمل کے بڑے مخالف تھے۔ رابین کو "غدار" کہنے پر رابین کی لیبر پارٹی نے نیتن یاہو پر قتل پر اکسانے کا الزام لگایا۔ گرما گرم ماحول میں انتخابات ہوئے۔ اس میں نیتن یاہو نے بڑے معمولی مارجن سے فتح حاصل کی۔ ان کا وزیرِ اعظم بننا امن عمل کے لئے بڑا سیٹ بیک تھا۔

نیتن یاہو کی کامیابی کی ایک وجہ حماس تھی۔ فروری اور مارچ 1996 میں چار بسوں پر خودکش حملے کئے گئے جس میں 59 اسرائیلی ہلاک ہوئے۔ شمعون پیریز انتخابات میں "نئے مشرقِ وسطیٰ" کا خواب دکھا رہے تھے جس میں نہ فوجیں ہوں گی اور نہ سرحدی پابندیاں۔ ان حملوں کے تناظر میں یہ غیر حقیقی اور خطرناک سراب لگتا تھا۔ اس کے مقابلے میں نیتن یاہو کا وعدہ "سیکورٹی" کا تھا۔ نیتن یاہو جیت گئے۔

رابین کے قاتل کی طرح حماس بھی امن پراسس کی مخالف تھی۔ ان کی کارروائیاں امن پراسس میں خلل ڈالنے کے لئے تھیں اور اپنا مقصد حاصل کرنے میں موثر رہیں۔

نیتن یاہو اوسلو معاہدوں کے سخت ناقد تھے اور پی ایل او سے کسی بھی تعلق کے مخالف بھی۔ لیکن حکومت میں آنے کے بعد عمل ختم نہیں کیا۔ تاہم اس کی رفتار سست پڑ گئی۔ اوسلو معاہدوں کے مطابق غزہ میں ائیرپورٹ اور بندرگاہ کی تعمیر کروایا جانا تھا۔ ان میں بار بار تاخیر کی گئی۔ فلسطینی اتھارٹی کو فنڈ ٹرانسفر کرنے میں تاخیر کی گئی۔ مغربی کنارے میں بستیوں کی تعمیر دوبارہ شروع کر دی گئی۔

تعلقات خراب ہونے کے باوجود امن پراسس زندہ رہا۔ جنوری 1997 میں نیتن یاہو اور یاسر عرفات نے ہیبرون پروٹوکول پر دستخط

کئے جس کے تحت ہیبرون (قدیم نام: الخلیل) کا شہر فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کر دیا گیا۔ اکتوبر 1998 میں اگلا معاہدہ ہوا جس میں مزید زمین فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کی گئی۔ کچھ جزوی اور کچھ مکمل کنٹرول میں۔ ان معاہدوں کی وجہ سے نیتن یاہو رائٹ ونگ حامیوں کی سپورٹ کھو بیٹھے اور ان کی حکومت گر گئی۔ جلد انتخابات کروانے پڑے جس میں انہیں شکست ہوئی۔ ایہود باراک اگلے وزیرِ اعظم بنے۔ باراک سابق جنرل تھے جو اسرائیلی تاریخ میں سب سے زیادہ عسکری اعزازات لے چکے تھے۔ انہوں نے انتخابی منشور میں اسرائیلی عوام سے سیریا اور فلسطین سے امن قائم کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ صرف دو سال اقتدار میں رہے۔ اگرچہ انہوں نے لبنان پر اسرائیلی قبضہ ختم کیا لیکن انہی کا دور تھا جب امن پراسس مصر میں جنوری 2001 میں آخر کار اپنے اختتام کو پہنچا۔

اور یہاں پر آگے جانے سے پہلے ایک نظر اس پر کہ وہ بڑے مسائل کیا ہیں جن میں امن مذاکرات میں اتفاق نہیں ہو سکا۔

نوٹ: غزہ میں تعمیر ہونے والے یاسر عرفات انٹرنیشنل ائیرپورٹ پر پہلی پرواز 1998 میں اتری جو قاہرہ سے آئی تھی۔ انتفاضہ الاقصیٰ میں اسرائیلی فورس نے کارروائی میں اس کا رن وے اکھاڑ دیا جو کبھی ٹھیک نہیں ہوا۔

ساتھ لگی پہلی تصویر غزہ کے ائیرپورٹ کی 2000 میں لی گئی ہے۔

دوسری تصویر 14 دسمبر 1998 کی، جب اس ائیرپورٹ پر امریکی صدر اترے تھے۔ پہلی بار کسی امریکی صدر کا فلسطین جانا ایک بڑا اہم علامتی دورہ تھا۔

تیسری تصویر 19 اکتوبر 1999 کی جب اس ائیرپورٹ پر نیلسن منڈیلا نے لینڈ کیا۔

اس وقت یہ ائیرپورٹ کھنڈر ہے جس کے جلد واپس مرمت ہونے اور کھلنے کا امکان نہیں۔ اب یہ عمارت اس دقت کی یادگار ہے جب اس خطے میں امن کی امید کچھ عرصے کے لئے زندہ ہوئی تھی۔

سوالات وجوابات

SaleemJamali

سر وہ نقشہ لگا سکتے ہیں جو اوسلو معاہدے کے تحت 1997 کے بعد فلسطین کو دی گئی

WaharaUmbakar

ساتھ تصویر میں ایریا اے، بی اور سی دکھائے گئے ہیں۔ ایریا اے وہ شہر ہیں جہاں پر فلسطینی اتھارٹی کا مکمل کنٹرول تھا، ایریا بی وہ علاقے جہاں پر جزوی کنٹرول اور ایریا سی وہ علاقے جو اسرائیلی کنٹرول میں۔ پلان یہ تھا کہ یہ صورتحال پانچ سال تک رہے گی۔ اس وقت تک سرحدوں کا تعین ہو جائے گا۔ (اس بارے میں جو مشکلات ہیں، وہ اگلی قسط میں) اور سیکورٹی کے معاملات طے پا جائیں گے (اس بارے میں جو مشکلات ہیں، وہ اس سے اگلی قسط میں) تو تمام علاقہ رفتہ رفتہ سی سے بی اور بی سے اے کی طرف آتا جائے گا۔ (غزہ کا تمام علاقہ اے کلاس میں تھا)

SaleemJamali

اس معاہدے کہ بعد ناکام ہونے کہ بعد اب بھی اس نقشے کی طرح ہی اسرائیل کا کنٹرول ہے یا کچھ علاقے خالی کروائے گیے ہیں

WaharaUmbakar

اسرائیل نے علاقے خالی کر دئے تھے۔ پھر انتفاضہ الاقصٰی شروع ہوا۔ پچھلے انتفاضہ کے برعکس دوسری والی تحریک پر تشدد تھی۔ پہلی بار اسرائیل کے اندر خودکش حملے ہونے لگے تھے۔ اس کے بعد اسرائیلی فوج واپس مغربی کنارے میں آ گئی۔ فوج کے واپس کنٹرول سنبھالنے، چیک پوسٹس بنانے اور دیوار کی تعمیر سے خودکش حملے بند ہوئے۔ فی الحال، یہ ایسا ہی ہے۔ یہ سب اگلی اقساط میں ہو گا۔۔۔

SaleemJamali

سر کیا یاسر عرافات کا حماس پر کنٹرول نہیں تھا

WaharaUmbakar

حماس اور فتح سیاسی حریف تھے۔ اور یہی اسرائیل کی طرف سے ایک بڑی شرط رہی ہے جس کی وجہ سے مذاکرات ختم ہوئے۔ اگر پی ایل او حماس یا اسلامی جہاد کی طرف سے معاہدوں پر عملدرآمد نہیں کروا سکتی تو پھر مذاکرات میں کچھ طے کرنے کا فائدہ نہیں۔

SaleemJamali

حماس اور اسلامی جہاد کا سربراہان کون تھے؟

WaharaUmbakar

حماس شیخ یاسین نے شروع کی تھی۔ ان کی فلاحی تنظیم غزہ میں دیر سے کام کر رہی تھی۔ اسلامی جہاد مصر کے اسلامی جہاد سے نکلی (جس سے تعلق رکھنے والے ایمن الظواہری نے القاعدہ کے سربراہ کی حیثیت سے بعد میں شہرت پائی)۔ اسلامی جہاد نے خودکش حملوں کا طریقہ شروع کیا جو دوسری تنظیموں نے بھی اپنا لیا۔

اس وقت حماس اور اسلامی جہاد بھی غزہ میں حریف جماعتیں ہیں۔ حماس بڑی جماعت ہے جس کا علاقے پر کنٹرول ہے۔

MuddasarAli

سر آپکے مطابق مستقبل قریب یا بعید میں امن کا قیام کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟

پاکستان بطور ریاست کس حد تک اسکے حل میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے؟

WaharaUmbakar

قیامِ امن خاصا مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ اس پر تفصیل سے انشاء اللہ آئندہ کی اقساط میں ہو گا۔ سلسلہ پڑھتے رہیے۔

پاکستان کا خاص کردار نہیں ہو سکتا کیونکہ پاکستان کے نہ ہی اسرائیل سے تعلقات ہیں اور نہ ہی خطے میں اثر ہے۔(یہ علاقہ پاکستان سے خاصا دور ہے)۔ سفارتی طور پر پاکستان دو ریاستی حل کی حمایت کرتا ہے اور فلسطینی علاقوں پر اسرائیلی قبضہ ختم کرنے کی کسی بھی کوشش کی حمایت کرتا ہے۔ جہاں تک حل طلب مسائل کی باریکیوں کا تعلق ہے، تو اس کو فریقین ہی طے کر سکتے ہیں۔

MuhammadAqibMuneeb

تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حماس اور دوسری فلسطین لڑاکا تنظیموں کا بھی امن معاہدہ نہ ہونے میں کسی حد تک عمل دخل تھا..؟

WaharaUmbakar

حماس اسرائیل کے ساتھ ہونے والے معاہدوں کو قبول نہیں کرتی۔ اس نے اوسلو اکارڈ مسترد کر دئے تھے۔

موجودہ صورتحال میں حماس ایک طاقتور سیاسی گروپ ہے جس کا فلسطین کے ایک حصے پر کنٹرول ہے۔ فلسطینی اتھارٹی خود دو میں تقسیم ہے۔ حماس نے ابھی تک کسی بھی معاہدے کو تسلیم نہیں کیا۔ اس صورت میں اسرائیل کے سابق وزیراعظم نیتن یاہو اور موجودہ وزیراعظم نتفالی بینیٹ کا موقف رہا ہے کہ جب تک فلسطینی اتھارٹی سے مذاکرات کا فائدہ نہیں کیونکہ وہ اس پوزیشن میں ہی نہیں کہ کئے گئے کسی معاہدے پر عملدرآمد کروا سکے۔ یہ عمل تعطل کا شکار ہے۔

(حالیہ برسوں میں حماس نے اپنا موقف نرم کیا ہے۔ اب ان کا کہنا ہے کہ امن معاہدوں پر ریفرنڈم کروایا جائے۔ اگر لوگ حق میں ووٹ دیں گے تو حماس ان کی پابندی کرے گی)۔

حل طلب مسائل (1)

اس تنازعے کے حل میں چار بڑی رکاوٹیں ہیں۔

۱۔ یروشلم

۲۔ مہاجرین

۳۔ سرحدیں

۴۔ سیکورٹی

اس کے علاوہ دیگر اہم مسائل بھی ہیں جن کا تعلق معیشت یا ذرائع سے ہے، جیسا کہ پانی کی تقسیم کا مسئلہ لیکن دونوں اطراف اس پر متفق ہیں کہ سب سے زیادہ اہمیت کے حامل یہ چار ہیں۔ یہ مسائل کیا ہیں اور دونوں طرف سے اس پر پوزیشن کیا ہے؟ ایک نظر اس پر۔

یروشلم:

اس شہر کی تاریخی اہمیت ہے۔ جب اقوامِ متحدہ نے تقسیم کا پلان دیا تھا تو اس میں یروشلم کو عالمی انتظامیہ کے زیرِ نگرانی دئے جانے کا پلان تھا۔ ایسا نہیں ہوا۔ 1949 کی جنگ بندی کے وقت اس شہر کا مغربی حصہ اسرائیل کے پاس آگیا جبکہ مشرقی حصہ اردن کے پاس۔ (جس میں حرم شریف اور پرانا شہر ہے مشرقی حصے میں ہے)۔ یہ شہر 1967 تک اسی طرح تقسیم رہا۔ 1967 کی تیسری عرب اسرائیل جنگ کے بعد اسرائیل نے مشرقی حصہ اردن سے حاصل کر لیا۔ عملی طور پر اسرائیل نے اسے ضم کر لیا ہے اور یہاں رہنے والے فلسطینیوں کو رہائش کا حق دے دیا ہے۔ اگرچہ یہاں رہنے والے اسرائیلی شہریت کے لئے درخواست دے سکتے ہیں لیکن ایسا کم لوگ کرتے ہیں۔ یروشلم کے شہری اسرائیل کے مستقبل رہائشی کا سٹیٹس رکھتے ہیں اور اسرائیل میں کام کر سکتے ہیں۔ (یہ حق باقی فلسطینی علاقوں میں رہنے والوں کو حاصل نہیں۔ باقی فلسطینیوں کو پرمٹ کی ضرورت پڑتی ہے جس کا حصول آسان نہیں)۔ اسرائیل نے یروشلم کی شہری حدود پھیلا دیں اور مشرقی یروشلم میں درجن بھر یہودی بستیاں بنا دی ہیں جہاں 280,000 کے قریب اسرائیلی آباد ہیں۔

مشرقی یروشلم میں رہنے والوں کے لئے میونسپل سروسز کا معیار کمتر ہے۔ کچرا اٹھانا، صفائی، نکاسی آب، سڑکوں پر روشنی، پبلک ہیلتھ جیسے سہولیات کے معیار میں فرق ہے۔ فلسطینی آبادی 1967 کے مقابلے میں پانچ گنا ہو کر 370,000 تک پہنچ چکی ہے جو پورے شہر کی کل آبادی کا چالیس فیصد ہے۔

اسرائیلی اور فلسطینی دونوں یروشلم کو اپنا دارالحکومت کہتے ہیں۔ فلسطینی پورے شہر کو اپنا دارالحکومت اب نہیں کہتے اور ان کا دعویٰ مشرقی یروشلم پر ہے۔ جبکہ اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ یروشلم اسرائیل کا غیر منتقسم دارالحکومت ہے۔ اگرچہ عوام کے آگے اسرائیلی سیاستدان یہی کہتے ہیں لیکن مذاکرات میں مشرقی یروشلم پر فلسطینی آزادی کا حق تسلیم کرنے پر آمادہ رہے ہیں۔ ایہود باراک نے فلسطینیوں کو یروشلم کے مضافات میں اپنا دارالحکومت بنانے کی پیشکش کی تھی جبکہ ایہود اولمرٹ (جو 2006 سے 2009 تک وزیرِاعظم رہے) نے محمود عباس کو شہر کے فلسطینی علاقے دینے کی پیشکش کی۔ محمود عباس نے فارمولا تسلیم کر لیا لیکن حار ہوما کا علاقہ تھا، جس پر اتفاق نہیں ہو سکا تھا۔

لیکن یہ تقسیم کاغذ پر آسان ہے، عملی طور پر نہیں۔ مشرقی یروشلم کی نصف آبادی مغربی یروشلم میں کام کرتی ہے۔ الگ ہو جانے کا مطلب ان سب کے لئے بیروزگاری ہو گا۔

ایک اور بڑا مسئلہ مقاماتِ مقدسہ کا کنٹرول ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اور پہلو یہ ہے کہ مقاماتِ مقدسہ پر بڑی تعداد میں سیاح آتے ہیں جو اس شہر کی آمدنی کا پرکشش ذریعہ ہے۔ دونوں اطراف کا مطالبہ پرانے شہر کا کنٹرول ہے۔ اس پر اتفاق نہیں ہو سکا۔ مشترک کنٹرول کی تجویز پیش کی گئی ہے لیکن اس کو کسی سائیڈ نے قبول نہیں کیا۔

اولمرٹ نے ایک اور تجویز پیش کی تھی کہ دونوں اطراف اس علاقے سے دستبردار ہو جائیں اور اس کا کنٹرول عالمی کنسورشیم کے پاس دے دیا جائے جس میں اسرائیل، فلسطین، اردن، مصر، امریکہ اور سعودی عرب ہوں۔ محمود عباس نے اس سے اتفاق کر لیا تھا لیکن اس پر اتفاق نہیں ہو پایا تھا کہ انٹرنیشنل کنٹرول میں دیا گیا علاقہ کتنا بڑا ہو۔ اور اس کی سرحد کیا ہو۔

اولمرٹ کو بعد میں اندرونی معاملات کی وجہ سے استعفیٰ دینا پڑا (ان پر کرپشن کے مقدمات تھے)۔ اگلے وزیرِاعظم نیتن یاہو نے ایسی کسی بھی تجویز کو مسترد کر دیا جو یروشلم کو تقسیم کرتی ہو۔

مستقبل میں کسی حل کے لئے شہر کی تقسیم ضروری ہو گی اور اگرچہ یہ متنازعہ ہو گی لیکن ایسے حل کی حمایت بڑھی ہے۔ اب یہ اسرائیلی عوام میں ناقابلِ قبول آئیڈیا نہیں۔ فلسطینی پہلے ہی اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ مغربی یروشلم اسرائیل کے پاس رہے گا۔

مہاجرین:

مہاجرین کو "واپسی کا حق" دینا اسرائیل کے لئے نگلنے کی سب سے کڑوی گولی ہے۔ فلسطینی شناخت کا ایک اہم حصہ 1948 میں ہونے والی بے دخلی (نکبہ) ہے جس میں سات لاکھ فلسطینیوں کو گھر چھوڑنا پڑا تھا۔ فلسطینیوں کا دعویٰ ہے کہ ان کو اور ان کی اگلی نسل کو واپسی کا حق ہے اور چھوڑی گئی جائیداد پر دعویٰ ہے۔ اس کے علاوہ تین لاکھ لوگ جو بعد میں ہونے والی جنگ کے نتیجے میں بے گھر ہوئے، ان کو

بھی یہی حق دینا فلسطینیوں کی پوزیشن ہے۔ کئی فلسطینی مہاجرین ہیں جن کے پاس اپنے گھروں کی چابیاں بھی ہیں جو خاندان میں چلی آ رہی ہیں۔ واپسی کو مہاجرین اپنا حق کہتے ہیں۔

دہائیوں سے فلسطینی مہاجرین کو واپس آنے کی اجازت سے انکار کرنا فلسطینیوں کی نظر میں اسرائیل کا سب سے بڑا جرم ہے۔ اس لئے فلسطینیوں کی طرف سے امن قائم کرنے کی شرط فلسطینی مہاجرین کے ساتھ تاریخی ناانصافی کا قبول کرنا رہی ہے۔ ان کی اولاد میں سے اگر کوئی واپس آنا چاہے تو واپس آنے کی اجازت دینا اور چھینی گئی زمین کا معاوضہ دینا شرائط میں رہا ہے۔

النکبہ سے ستر سال بعد بھی بہت سے فلسطینی بغیر ریاست کے مہاجر کیمپوں میں ہیں۔ اس وجہ سے فلسطینوں کے لئے یہ مسئلہ ہے جس پر سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسرائیل کی سرکاری پوزیشن اس مطالبے سے الٹ ہے۔ اسرائیل فلسطینیوں کے اس حق کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی پوزیشن ہے کہ 1947 سے 1949 کے درمیان لوگوں نے اپنی مرضی سے علاقہ چھوڑا تھا۔ اور اس کی ذمہ داری عرب ریاستوں اور فلسطینی سیاسی قیادت کی ہے جس نے اقوامِ متحدہ کا پلان مسترد کر دیا تھا اور اسرائیل پر جنگ مسلط کر دی گئی تھی۔ جو لوگ اس جنگ کے خوف سے بھاگے تھے، انہیں عرب ریاستوں نے بسانے کے بجائے، اسرائیل سے جنگ میں مہرے کے طور پر استعمال کیا۔ اور اسرائیل پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ ان کی نسلوں کو واپس آنے کی اجازت دے۔

اسرائیل کو عملی مسئلہ یہ ہے کہ فلسطینی مہاجرین کی واپسی سے ڈیموگرافک توازن خراب ہو جائے گا۔ اسرائیل میں یہودی اور عرب آبادی کے تعلقات مسائل کا شکار رہے ہیں۔ اضافی عرب آبادی کی آمد ریاست کے لئے خودکشی ہو سکتی ہے۔

اس وجہ سے فلسطینیوں کی واپسی کا حق اسرائیل کے لئے ناقابلِ قبول ہے جبکہ فلسطینیوں کے لئے لازمی۔ یہ مسئلہ بظاہر ناقابلِ حل لگتا ہے لیکن جب اس پر مذاکرات ہوئے تو دونوں اطراف نے بند کمروں میں اپنے پبلک بیانات کی نسبت خاصی لچک دکھائی۔

فلسطینی نمائندگان نے یہ تسلیم کیا کہ اسرائیل کے لئے کھلی اجازت دینا ممکن نہیں۔ رفتہ رفتہ کر کے اور تھوڑی تعداد میں واپس آنے دے۔ انہیں اسرائیلی شہریت دی جائے۔ باقیوں کو مستقبل میں فلسطینی ریاست میں یا پھر عرب دنیا میں جگہ دے دی جائے گی۔

ڈیڑھ لاکھ لوگ دس سال کے عرصے میں واپس آئیں۔ (لیک ہونے والی "فلسطین پیپرز" کے مطابق فلسطینی سائیڈ اس سے بھی خاصی کم تعداد پر تیار تھی)۔

اسرائیلی لیڈران باراک اور اولمرٹ نے کچھ تعداد میں مہاجرین کی واپسی قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا تھا۔ شرط یہ کہ ان کو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر فیملی ری یونین کے تحت لایا جائے نہ کہ واپس آنے کے حق کے طور پر۔ اولمرٹ نے پچیس سے تیس ہزار مہاجرین کی

واپسی کا عدد پیش کیا تھا۔ یہ پیشکش بھی کی تھی کہ فلسطینی مہاجرین کو ان کے نقصان کا معاوضہ دینے کے لئے عالمی فنڈ بنایا جائے جس میں اسرائیل اپنا حصہ ڈالے گا۔ واپسی کے اس پروگرام کے تحت لوٹنے والے مہاجرین کو مکمل اسرائیلی شہریت اور حقوق دئے جائیں گے۔

یعنی دونوں اطراف معاملے کے حل کے اصولوں پر اتفاق سے بہت دور نہیں تھیں۔ تعداد اور معاوضے کی رقم پر فرق اتنا نہیں کہ یہ ناقابلِ عبور خلیج ہو۔ لیکن ذمہ داری قبول کرنا رکاوٹ رہا ہے۔

اسرائیلی یہودی آہستہ آہستہ اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ ملک کے قیام کے وقت بڑی تعداد میں لوگ بے دخل اور قتل کئے گئے تھے۔ اس بات کو بھی اب تسلیم بھی کیا جاتا ہے کہ فلسطینی آبادی نے اس دوران بہت تکالیف اٹھائیں۔ لیکن اس کا سختی سے انکار کیا جاتا ہے کہ اس کی ذمہ داری ان پر آتی ہے۔

دوسری طرف فلسطینیوں نے اسرائیل کی طرف سے ذمہ داری قبول کرنے اور النکبہ پر معافی مانگنے کے مطالبے سے پیچھے ہٹنے کا کوئی عندیہ نہیں دیا۔

یہ حساس موضوع حل طلب ہے۔

ساتھ لگا آرٹ ورک فلسطینیوں کے مسئلے کو نمایاں کرنے کے لئے۔ اقوامِ متحدہ کی قرارداد 194 میں مہاجرین کی جلد واپسی کا کہا گیا تھا۔ اس میں قرارداد کا نمبر لکھا ہے اور چابی بنی ہے۔ کئی فلسطینی گھروں میں پرانے گھروں کی چابیاں محفوظ ہیں۔ چابیاں اور حنظلہ فلسطینی مہاجرین کے مصائب کی علامت ہیں جن کو فلسطین میں استعمال کیا جاتا ہے۔

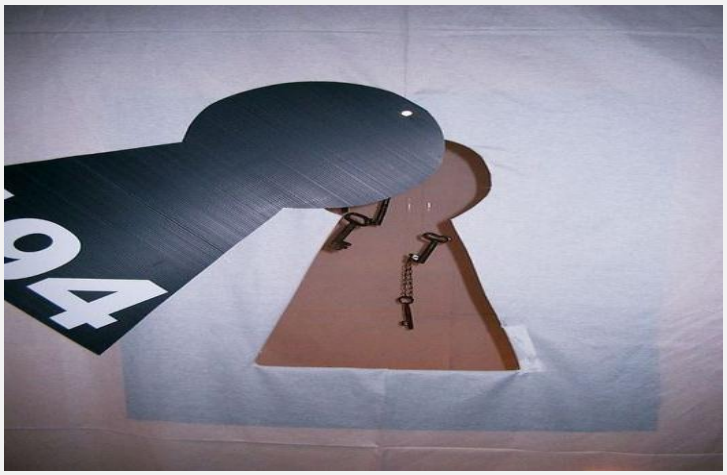

سوالات وجوابات

ShafiqAhmad

حنظلہ کیا ہے؟

WaharaUmbakar

یہ ایک فلسطینی کارٹونسٹ کا بنائی ہوئی علامت ہے۔اس پر یہاں سے

https://en.wikipedia.org/wiki/Handala

M.Umar

اس میں عرب ملکوں کی بھی غلطی ہے جب مشرقی یروشلم عرب کے پاس تھا تو اسرائیل سے جنگ کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی

WaharaUmbakar

ایک تو یہ کہ ستر کی دہائی تک عرب ممالک اسرائیل کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔کسی حصے پر بھی نہیں۔

دوسرا یہ کہ 1967 کی جنگ میں پہل اسرائیل نے کی تھی۔

جب اس جنگ کا نام رکھنا تھا تو کئی ناموں میں سے اسرائیلی کمانڈر انچیف نے "چھ روزہ جنگ" کا انتخاب کیا۔ان کے مطابق اس کی وجہ تخلیقِ کائنات کا ایک استعارہ تھی۔ان کا کہنا تھا کہ یہ وہ چھ روز تھے، جب اسرائیل کی ریاست تخلیق ہوئی۔اور اس کا وجود، ایک حقیقت کے طور پر سب نے تسلیم کر لیا

Sohail Hassan

PLO stands for?

Wahara Umbakar

Palestinian Liberation Organization

حل طلب مسائل (2) سرحدیں

اگرچہ بہت سے برس لگے اور بہت سا خون بہا، لیکن دونوں اطراف سرکاری طور پر اس اصول پر اتفاق کر چکی ہیں کہ فلسطین اور اسرائیل کی الگ ریاستیں ہوں گی۔ فلسطینی سائیڈ نے اس دو ریاستی حل پر 1988 میں اتفاق کیا تھا۔ اس سے بارہ سال بعد وزیرِاعظم ایہود باراک نے اسرائیل کی طرف سے۔ دائیں بازو کے نیتن یاہو نے بھی جون 2009 کی اہم تقریر میں اس اصول سے اتفاق کر لیا تھا۔

مہاجرین کے مسئلے پر فریقین کی طرف سے موقف میں عملی طور پر زیادہ دوری نہیں، فرق اصول کا ہے۔ سرحد کے معاملے میں اس سے الٹ ہے۔ اصول پر اتفاق ہے، جبکہ عملی طور پر دوری ہے۔ ان ریاستوں کی سرحدیں کیا ہوں گی؟ مسئلہ اس کا ہے۔

پی ایل او کا مطالبہ ہے کہ فلسطینی ریاست کی سرحد 1949 کی جنگ بندی کی لکیر "گرین لائن" ہو۔ اسرائیل کے لئے یہ قابلِ قبول نہیں کیونکہ اس سے سرحد "ناقابلِ دفاع" ہو جاتی ہے۔ مغربی کنارے میں کئی اسرائیلی بستیاں ہیں اور چار لاکھ اسرائیلی آبادکار ہیں۔ ان کو خالی کرنے کی سیاسی، معاشی اور سوشل قیمت کسی کے لئے بھی بہت بڑی ہے۔ اس لئے اسرائیل کا مطالبہ ہے کہ سرحد ایسے بنائی جائے کہ گرین لائن کے قریب آباد بستیاں اسرائیلی سائیڈ پر آ جائیں۔

یہ ایک بڑا مسئلہ ہے اور اس پر بڑا اختلاف رہا ہے اور بظاہر ناقابلِ حل لگتا ہے لیکن ایسا نہیں۔

جب کیمپ ڈیوڈ مذاکرات ناکام ہوئے تو ایک نیا آئیڈیا پیش کیا گیا جو "زمین کے تبادلے" کا تھا۔ اسرائیل مغربی کنارے کی کچھ زمین کے بدلے اپنی مساوی زمین دے دے۔ جنوری 2001 میں اسرائیل کی طرف سے فلسطین کی ریاست کے لئے مغربی کنارے کی 94 فیصد زمین کی پیشکش کی گئی اور ساتھ تین فیصد اسرائیلی زمین کی۔ لیکن یہ فلسطین کی طرف سے مسترد کر دی گئی۔ بعد میں اولمرٹ نے مغربی کنارے کی چھ فیصد زمین رکھنے کے بدلے (80 فیصد اسرائیلی آبادکار یہاں پر ہیں) پانچ فیصد اسرائیلی زمین کی پیشکش کی اور مغربی کنارے اور غزہ کے درمیان محفوظ راستہ اور سڑک دینے کی۔

محمود عباس نے جواباً تجویز کیا کہ اسرائیل مغربی کنارے کا دو فیصد حصہ رکھ لے (جس میں کچھ حصہ مشرقی یروشلم کا بھی تھا) اور اس کے بدلے اتنی ہی زمین دے دے۔

زمین کے تبادلے کے اصول پر بھی اختلاف نہیں رہا۔ اب مسئلہ تفصیل کا ہے کہ کتنی اور کونسی زمین دی جائے۔ رائٹ ونگ اسرائیلی وہ زمین دینے کے حق میں ہیں جہاں اسرائیلی عرب آباد ہیں۔ فلسطینی (اور اسرائیلی عرب) اس کے مخالف ہیں اور ان کا مطالبہ خالی زمین

دینے کا ہے۔ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح وقت گزرتا جاتا ہے، آبادی بڑھتی جاتی ہے، خالی زمین کے قطعات کم ہوتے جا رہے ہیں

اور یہ تبادلہ مشکل ہوتا جائے گا۔

سب سے متنازعہ آبادی اسرائیلی آبادکاروں کی ایریل کی بستی ہے جہاں بڑی یونیورسٹی ہے اور بیس ہزار کی آبادی ہے۔ یہ مغربی کنارے کے گیارہ میل اندر ہے۔ اسرائیل اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے اور اس کو رکھنے کا مطلب بڑا علاقہ دینا ہے۔ جبکہ اس کو چھوڑنے کا مطلب بڑی اور اہم بستی مسمار کرنا ہو گا۔

فلسطینی جوابی پیشکش اس پر یہ ہے کہ آبادی کو یہاں پر ویسے ہی رہنے دیا جائے اور خالی نہ کیا جائے۔ یہاں رہنے والوں کو فلسطینی شہریت دی جائے گی اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری فلسطینی سیکورٹی فورس کی ہو گی۔

سیکورٹی

اسرائیل کی طرف سے فلسطینی ریاست کے انکار کی سب سے بڑی وجہ سیکورٹی اسٹیبلشمنٹ رہی۔ اس کے مطابق اگر مستقبل میں فلسطین ریاست اپنی زمین پر کسی حریف بیرونی فوج کو آنے دیتی ہے یا پھر یہ اہلیت نہیں رکھتی کہ بیرونی مداخلت روک سکے، تو اسرائیل کے چھوٹے سائز اور "پتلی کمر" کی وجہ سے اس کے خلاف دفاع بہت مشکل ہو گا۔ مغربی کنارے سے بحیرہ روم کا فاصلہ تنگ مقام پر صرف نو میل کا ہے۔ ایسی جارحیت کا دفاع کرنا ناممکن ہو گا۔

اسرائیل کی خطے میں عسکری بالادستی کا ایک مطلب یہ ہے کہ اب دوسرے ممالک کی طرف سیکورٹی خدشات زیادہ سنگین نہیں رہے اور کئی ریٹائرڈ فوجی جنرل اور دیگر افسران فلسطین کی ریاست کے حق میں ہیں۔ ان کے خیال میں اگر فلسطین سیکورٹی کا بندوبست خود کر سکتا ہے تو اسرائیلی فوج کو اس سے فائدہ ہی ہو گا۔

اب "سیکورٹی خدشات" سے مراد اسرائیلی شہریوں اور خاص طور پر آبادکاروں کی سیکورٹی کو لیا جاتا ہے۔

ایک خدشہ جس کا اظہار کیا جاتا ہے، وہ حماس ہے۔ لبنان کو اسرائیلی فوج نے 2000 میں خالی کیا اور غزہ کو 2005 میں۔ غزہ سے اسرائیلی آبادکار بستیاں بھی خالی کر دی گئیں۔ لیکن جلد ہی یہ جگہیں وہ مقامات بن گئے، جہاں سے اسرائیل پر حملے ہوتے ہیں۔ اس نے اسرائیلی عوام کو اس بات پر قائل کر لیا ہے کہ مغربی کنارے کو اس طرح خالی نہیں کیا جانا چاہیے۔ حماس مغربی کنارے میں نہیں، لیکن اگر اس علاقے میں کوئی بھی تنظیم پاور میں آ جاتی ہے جو سرحدی علاقوں پر راکٹ استعمال کرے تو غزہ کے مقابلے میں یہ بڑا مسئلہ ہے۔ دوسرا خدشہ یہ ہے کہ مستقبل کی فلسطینی ریاست خود افراتفری اور خانہ جنگی کا شکار ہو سکتی ہے جیسے لیبیا اور یمن میں ہوا۔ اور فلسطین کے ساتھ ساتھ یہ اسرائیل کے لئے بری خبر ہو گی کیونکہ ان حالات میں ایسی جگہوں پر کنٹرول مشکل ہوتا ہے۔

مذاکرات میں جو شرائط اس حوالے سے پیش کی جاتی ہیں، اس میں فلسطینی ریاست کے غیر عسکری ہونے کی شرط کے علاوہ کسی بیرونی فوج کو اسرائیل کی اجازت کے بغیر جگہ نہ دینے کی شرط ہے۔ درآمدات کے معائنے کے حق کی شرط ہے تاکہ ہتھیار نہ آسکیں۔ فضائی سپیس اور الیکٹرومیگنٹک سپیکٹرم تک رسائی کی شرط ہے۔

اگرچہ یہ کڑی شرائط ہیں لیکن فلسطینیوں نے اس بارے میں خاصی لچک دکھائی ہے۔ اولمرٹ کے ساتھ مذاکرات میں بڑی حد تک محمود عباس نے ان سے اتفاق کر لیا تھا۔ جو بڑا اختلاف ہے، وہ اردن کی وادی میں اردن کی سرحد پر اسرائیلی چیک پوسٹ برقرار رکھنے پر ہے۔ اس پر فلسطین نے محدود فورس کو پانچ سال تک برقرار رکھنے کی پیشکش کی تھی جبکہ اسرائیل کا مطالبہ غیر معینہ مدت تک انہیں برقرار رکھنے کا ہے۔

اس پر ایک مصالحتی پیشکش یہ کی گئی تھی کہ ابتدائی برسوں میں اسرائیلی فوج ہو اور بعد میں اس کی جگہ انٹرنیشنل فوج لے لے۔ فلسطین کی طرف سے اس پر اتفاق کر لیا گیا۔ اسرائیل نے اس سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ان کے تجربے کے مطابق لبنان میں اقوامِ متحدہ کی فورس بے کار رہی تھی۔ وہ اپنی سیکورٹی کا معاملہ ان کے حوالے کرنے کو تیار نہیں۔

مختصراً، چار بڑے مسائل (یروشلم، مہاجرین، سرحدیں، سیکورٹی) پر فریقین کی یہ پوزیشن ہے۔

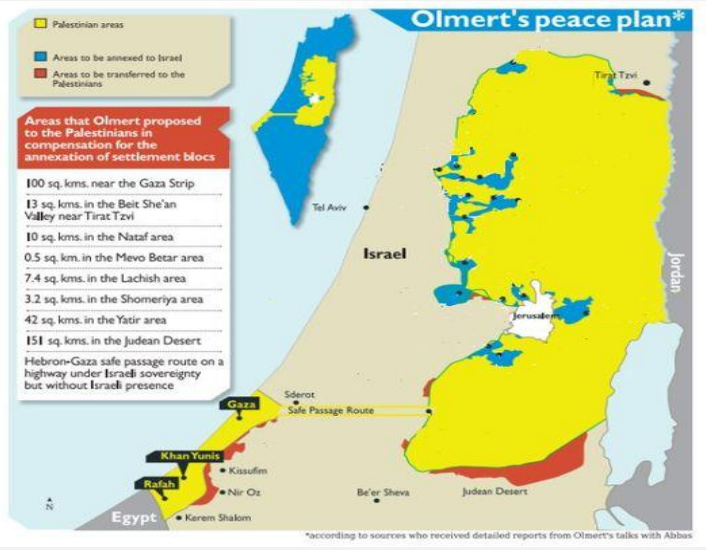

یہاں پر یہ نوٹ کرنے کی ایک اور چیز یہ ہے کہ کسی بھی فریق کی پوزیشن پتھر پر لکیر نہیں۔ وقت اور حالات کے حساب سے ان میں تبدیلی آتی رہی ہے اور دوسرا یہ کہ پبلک پوزیشن اور مذاکرات میں پوزیشن ایک نہیں ہوتی۔

لیکن، کوئی نیا بریک تھرو ہونے کے امکانات اب تاریک لگ رہے ہیں۔ بڑے پیمانے پر یاسیت پائی جاتی ہے۔ اسرائیلی اور فلسطینی ایک دوسرے سے بہت اختلاف رکھتے ہیں لیکن اس بات پر اب اتفاق ہے کہ قیامِ امن کا جلد ہونا اب ناممکن ہے۔

لیکن کم از کم اب بڑے مسائل اور دونوں اطراف کی پوزیشن سب پر واضح ہے۔ آخری مذاکرات، جو 2007 اور 2008 میں اولمرٹ اور محمود عباس کے درمیان ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قیامِ امن خاصا مشکل ہے، لیکن ایسا بھی نہیں کہ یہ ناممکن ہے۔

ساتھ لگے نقشے میں اولمرٹ کے امن پلان میں تجویز کردہ سرحدیں۔ اس میں نیلے رنگ میں وہ علاقہ تھا جس پر فلسطین کا دعویٰ ہے اور یہ اسرائیل کے پاس چلا جاتا۔ سرخ میں وہ علاقہ تھا جو اسرائیل کے پاس ہے اور یہ فلسطین کے پاس آجاتا جبکہ غزہ اور مغربی کنارے کے درمیان محفوظ سڑک فلسطینیوں کے استعمال میں رہتی۔

سوالات وجوابات

SaleemJamali

غزہ اور مغربی کنارہ کتنے کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں

WaharaUmbakar

قریب ترین مقام سے 40 کلومیٹر کا فاصلہ ہے

SaleemJamali

غزہ کے قریب اسرائیل کی طرف علاقے آبادی کے ہیں یا صرف وہاں اسرائیلی فوج موجود ہوتی ہے

WaharaUmbakar

شمال کی طرف سدیروت کی بستی غزہ سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (غزہ سے آنے والے راکٹوں کا سب سے بڑا نشانہ یہ بنتا ہے)۔ مشرق کی طرف کی زمین پر کاشتکاری کی جاتی ہے۔ یہ زمین نقشے میں سرخ رنگ میں دکھائی ہے۔ اولمرٹ پلان میں سو مربع کلومیٹر کا یہ علاقہ فلسطین کو دینے کی پیشکش کی گئی تھی۔

SaleemJamali

غزہ کی طرف سے حالیہ راکٹ فائر کا نشانہ سدیروت علاقہ بنا؟

WaharaUmbakar

غزہ سے جو راکٹ فائر کئے جاتے ہیں، ان میں کسی نشانے پر جانے کی صلاحیت نہیں، ان کو بس پھینک دیا جاتا ہے۔ ان میں پانچ سے دس فیصد کے درمیان راکٹ غزہ کے اندر ہی گر جاتے ہیں اور ہلاکتوں کا سبب بنتے ہیں۔ سدیروٹ تک راکٹ پندرہ سیکنڈ میں پہنچ جاتے ہیں اور وارننگ کا اچھا طریقہ نہیں۔ جب تک آئرن ڈوم نہیں تھا تو یہاں پر نقصان زیادہ ہوا کرتا تھا۔ اب بھی یہ آبادی باقی علاقے کے مقابلے میں زیادہ خطرے میں رہتی ہے، اگرچہ کہ دفاعی نظام آجانے کی وجہ سے نقصان اب کم ہوتا ہے۔

FaisalMehmood

Sir ap ki achi effort hai authentic info convey krny ki

But aerial sheron ka as pm tenure ap ne touch ni kia ksi episode me???

WaharaUmbakar

شیرون کا ذکر بطور وزیرِدفاع لبنان کی جنگ میں آیا تھا۔ صابرا اور شتیلا پر آیا تھا۔ اس سے اگلی قسط دوسرے انتفاضہ پر ہے، جس کے شروع ہونے میں ان کے ایک دورے کا ہاتھ تھا، اس میں آئے گا۔ غزہ سے انہوں نے اسرائیلی بستیاں خالی کیں۔ وہاں پر آئے گا۔ امن مذاکرات میں ان کا حصہ نہیں، اس لئے وہاں پر ان کا ذکر نہیں۔ چونکہ یہ سیریز فلسطین پر ہے، اس لئے اسرائیل کی سیاست کی کرونولوجی اس میں اتنی ہی ہے جتنا کسی کردار کا اس میں حصہ ہے۔

M.Umar

سر اسرائیل کیا مذہبی ریاست ہے یا سیکولر؟ مطلب کوئی غیر یہودی ادھر وزیراعظم بن سکتا ہے؟

WaharaUmbakar

آئینی طور پر اسرائیل کا کوئی سرکاری مذہب نہیں۔ وزیرِاعظم یا کسی بھی اور عہدے کے لئے یہودی ہونے کی شرط نہیں۔ یہودی کون ہے؟ اس پر بھی کوئی اتفاق نہیں۔ مثال کے طور پر، قدامت پسند یہودیوں کے مطابق یہودی ہونے کے لئے ماں کا یہودی ہونا شرط ہے۔ روس اور یورپ سے آنے والے ایسے لوگ جن کے باپ یہودی تھے اور ماں نہیں، اس تعریف کے مطابق غیر یہودی ہوئے۔ (ایسے سوا تین لاکھ لوگ ہیں)۔ جدت پسند فرقے یا reformist اس تشریح سے اتفاق نہیں کرتے

لیکن امریکہ یا ترکی یا جاپان یا آسٹریلیا وغیرہ کے برعکس اسرائیل میں ریاست اور مذہب کے درمیان کی علیحدگی اتنی سخت نہیں۔ مثال کے طور پر، تمام سرکاری دفاتر اور افواج میں دئے گئے کھانے کا کوشر ہونا لازم ہے۔ یا یہودیوں کو شادی اور طلاق کے لئے ربی کے پاس جانا پڑتا ہے۔۔۔

YameenKhan

Sir ya right or left hand parties ka kia matlab hy??

ShafiqAhmad

کیا اسرائیل پھر سیکولر ٹھہرا یا مذہبی؟

WaharaUmbakar

اس کا انحصار اس پر ہے کہ سیکولر یا مذہبی کی تعریف کیا کی جاتی ہے

YameenKhan

Sir kia Israel my Muslims govt my hy??

WaharaUmbakar

اسرائیلی پارلیمان میں مسلمان ممبران منتخب ہوتے ہیں۔عام طور پر حکومت کا حصہ نہیں بنتے۔ایہود باراک کی حکومت کو عرب ممبران نے سپورٹ کیا تھا۔

ShafiqAhmad

معلوماتی!جناب!کیا یہ سارا کچھ اس شرط پر کہ فلسطین اپنی فوج نہیں رکھ سکتا!؟

WaharaUmbakar

اگر فلسطین کی ریاست بنی تو اس کے پاس فوج نہیں ہوگی۔اس شرط پر پی ایل او کو اعتراض کبھی نہیں رہا۔

ShafiqAhmad

اس پر انہیں اعتراض نا ہونے کی وجہ کیا ہے؟

WaharaUmbakar

اس پر اعتراض کئے جانے کی کوئی وجہ نہیں۔

ShafiqAhmad

محترم!اصل میں ملکی سلامتی، ریاستی بالادستی وغیرہ دفاع، فوج سے متعلق ہوتی ہے، تو ایسے میں آزادی کیا ہوئی؟کیا فلسطین اسرائیلی کالونی ہوگا؟اس پر کچھ بتائیے گا،کیوں کہ تب اور اب میں پھر کیا فرق ہوگا؟

WaharaUmbakar

ایسا کہہ لیں کہ فلسطینیوں کے مطالبات کی فہرست میں فوج رکھنے کا حق کبھی رہا نہیں۔ایسا کیوں؟فلسطینی بہتر بتا سکتے ہوں گے۔ایک اندازہ یہ لگایا جا سکتا ہے کہ اہم تصفیہ طلب معاملات کی زیادہ ترجیح ہوگی۔(دنیا میں کئی آزاد خود مختار ممالک ہیں جن کے پاس فوج نہیں ہے)۔

معاہدے کے فلسطین سیکورٹی سروسز میں چھ شاخیں ہوں گے۔سول پولیس، صدارتی سیکورٹی، پبلک سیکورٹی، انٹیلی جنس، سول ڈیفنس، ریسکیو سروس۔

WaharaUmbakar

معاہدے کے آرٹیکل کے مطابق جب بھی فلسطین کا قیام ہوا تو دونوں ریاستوں کے لئے بیرونی خطرات سے نمٹنے اور سرحدی دفاع کی ذمہ داری اسرائیلی فوج کی ہوگی۔ جبکہ فلسطینی علاقوں میں سیکورٹی کی ذمہ داری صرف فلسطینی سیکورٹی فورس اور پولیس کے پاس ہوگی۔ اس کا اصل متن جس پر 1993 میں اتفاق ہو گیا تھا (اور اس کے نتیجے میں فلسطینی پولیس فورس کا قیام عمل میں آیا تھا)۔

In order to guarantee public order and internal security for the Palestinians of the West Bank and the Gaza Strip, the [Palestinian] Council shall establish a strong police force as set out in Article XIV below. Israel shall continue to carry the responsibility for defense against external threats, including the responsibility for protecting the Egyptian and Jordanian borders, and for defense against external threats from the sea and from the air, as well as the responsibility for overall security of Israelis and Settlements, for the purpose of safeguarding their internal security and public order, and will have all the powers to take the steps necessary to meet this responsibility.

The Palestinian Police is the only Palestinian security authority.

ShafiqAhmad

مغربی کنارے میں یہودی بستیاں بسانا ہی کیا غلط نا تھا؟

WaharaUmbakar

میرے نکتہ نظر سے غلط تھا۔ لیکن اس سے زمینی صورتحال پر فرق نہیں پڑتا۔

ShafiqAhmad

اسرائیل کی کمر اگر صرف نو میل رہ جاتی ہے تو فلسطین کی بھی تو چند کلو میٹر چوڑی کمر رہ جاتی ہے؟ فلسطین کے لیے وہ اصول کیوں نہیں؟

WaharaUmbakar

مذاکرات میں اصول نہیں، فریقین کی پوزیشنز ہوتی ہیں۔

انتفاضہ الاقصیٰ

اوسلو معاہدوں کے دستخط کے بعد فلسطین میں جشن منائے گئے تھے لیکن اس میں بہت زیادہ وقت نہیں لگا جب اس کی جگہ گہری مایوسی نے لے لی۔

چند لوگوں کے لئے (جو فلسطینی اتھارٹی سے وابستہ تھے) حالات بہتر ہوئے۔ زیادہ تر کے لئے نہیں۔ معاہدوں کے ردِعمل میں یہ عمل روکنے کے لئے کچھ فلسطینی گروپ اسرائیل پر حملہ آور ہوتے رہے۔ اس کے نتیجے میں دیواریں، ناکے اور پرمٹوں کے سسٹم آنے لگے۔ غزہ کا تعلق مغربی کنارے سے توڑ دیا گیا۔ مغربی کنارے کا یروشلم سے۔ غربت میں اضافہ ہوا۔

سیاسی قیادت اور فلسطینی اتھارٹی کے سرکاری اہلکاروں کے پاس VIP پاس تھے جن کی مدد سے وہ کہیں بھی جا سکتے تھے لیکن عام شہریوں کے لئے فلسطین میں سفر کرنا دوبھر ہو گیا۔ 1991 تک فلسطینیوں کی بڑی تعداد اسرائیل میں ملازمت کرتی تھی اور انہیں کسی خاص پرمٹ کی ضرورت نہیں تھی۔ مغربی کنارے اور غزہ کی نمبر پلیٹ والی گاڑی اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں میں کہیں بھی جا سکتی تھی۔

پابندیاں آتی گئیں۔ پرمٹ کی ضرورت پڑنے لگی اور پرمٹ کا حصول مشکل تھا۔ فلسطینیوں کے لئے سڑکیں الگ کر دی گئیں جن میں جابجا چیک پوائنٹ تھے۔ بہترین ہائی وے کے نیٹورک مقبوضہ حصوں میں بنائے گئے جس پر صرف اسرائیلی سفر کر سکتے تھے۔

غزہ سے نکلنا اور داخل ہونا سب سے دشوار تھا۔ زیادہ تر غزہ والوں کا انحصار اسرائیل میں ملازمت یا دوسرے علاقوں میں سامان فروخت کرنے پر تھا۔ ان پر لگنے والی پابندیوں کی وجہ سے معاشی زندگی دشوار ہو گئی۔

یہ سب میڈیا کی خبر نہیں بنا۔

ان حالات میں پہلے انتفاضہ کے وقت بننے والی جماعت حماس واپس منظرِ عام پر آ گئی۔ حماس نے عسکری مزاحمت ترک کرنے پر پی ایل او کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ مذاکرات کے عمل کی مخالفت کی تھی۔ یہ ردِعمل کی تحریک تھی۔ جب امن پراسس میں پیشرفت ہو رہی تھی تو یہ پس منظر میں چلی گئی تھی، لیکن بعد میں کئے جانے والے اسرائیلی اقدامات اس کی سیاسی واپسی کا باعث بنے۔

جب عرفات اور باراک کے مذاکرات ناکام ہوئے تو اسرائیل کی طرف سے اس کا فائدہ لیکود پارٹی اور ایریل شیرون کو ہوا جبکہ فلسطین کی طرف سے حماس کو۔ پہلی بار فلسطین میں پی ایل او کو سنجیدہ سیاسی مقابلے کا سامنا ہوا۔

باراک اور عرفات کے مذاکرات کی ناکامی کے بعد سیاسی طور پر بہت تناؤ کا وقت تھا۔ اور اس پس منظر میں صورتحال کو بھڑکنے کے لئے ماچس کی ایک تیلی درکار تھی۔ یہ تیلی پھینکنے والے ایریل شیرون تھے۔ 28 ستمبر 2000 میں وہ سینکڑوں مسلح گارڈز کے ساتھ حرم الشریف گئے۔ مذاکرات ناکام ہونے کے ساتھ ہی اس حساس جگہ پر جا کر تقریر کرنے کا مقصد ری ایکشن لینا تھا۔ "یہ ہمارے قبضے میں ہے اور ہمارے قبضے میں ہی رہے گا"۔ ان کی تقریر اشتعال دلانے کے لئے تھی۔ مطلوبہ ردِعمل مل گیا۔ اگلے روز نمازِ جمعہ کے بعد مظاہرے پھوٹ پڑے۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا انتفاضہ 29 ستمبر 2000 کو شروع ہو گیا۔ چند ماہ بعد باراک حکومت گر گئی۔ شیرون انتخاب میں باراک کو بھاری شکست دے کر 6 فروری 2001 میں وزیرِاعظم تھے۔

مقبوضہ علاقوں میں 1967 کے بعد بدترین حالات سامنے آئے۔ جبکہ اسرائیل میں خودکش دھماکوں کی لہر آئی۔ پہلے انتفاضہ میں سالانہ مرنے والوں کی اوسط سالانہ تعداد 177 رہی تھی (جس میں بارہ فیصد اسرائیلی تھے)۔ انتفاضہ ختم ہونے کے بعد تعداد کم ہو کر سالانہ 20 تک رہ گئی تھی۔ دوسرے انتفاضہ (جو الاقصیٰ انتفاضہ کہلایا) کے آٹھ برسوں میں یہ اوسط 825 سالانہ تھی جس میں سترہ فیصد اسرائیلی تھے۔

ہیبرون کی مسجد میں 1994 میں ایک اسرائیلی دہشتگرد نے فائرنگ کر کے 29 لوگوں کو مارا تھا۔ خودکش حملے کے حربے کا استعمال اس کے بعد پہلی بار شروع ہوا تھا۔ حماس اور اس کی جونیئر پارٹنر اسلامی جہاد کا طریقہ کار خودکش حملوں کا رہا جو عام شہریوں پر کئے جاتے تھے۔ بس، بازار اور کیفے نشانہ بنتے تھے۔ شروع میں اسرائیل کے پاس اس حربے کا دفاع نہیں تھا۔ 2001 میں فتح نے بھی یہ طریقہ شروع کر دیا۔ یہ مقابلے کی دوڑ تھی۔ ایک سٹڈی کے مطابق چالیس فیصد خودکش حملے حماس نے کئے، چھبیس فیصد اسلامی جہاد نے، چھبیس فیصد الفتح نے اور باقی فتح کے ساتھی چھوٹے گروپس نے۔

پہلا انتفاضہ فلسطین کاز کے لئے بے حد کامیاب رہا تھا۔ دوسرا اس کے بالکل برعکس۔ یہ فلسطینیوں کے لئے تباہ کن رہا۔ اسرائیلی آرمی نے 2002 میں ان تمام علاقوں پر واپس قبضہ کر لیا جو انہوں نے معاہدوں کے بعد خالی کئے تھے۔ یاسر عرفات کو ان کے ہیڈکوارٹر میں نظر بند کر دیا گیا۔

امن کی کوئی بھی توقع ختم ہو گئی۔

ایک اور بڑا نتیجہ یہ رہا کہ فلسطینیوں کا پہلے انتفاضہ اور امن مذاکرات کی وجہ سے دنیا میں جو مثبت تاثر بنا تھا، وہ ختم ہو گیا۔ بسوں اور بازاروں میں خودکش حملوں کے مناظر نے ایک بار پھر اسرائیل کو مظلوم بنا دیا۔ اسرائیل میں رائے عامہ واضح طور پر فلسطینوں کے خلاف ہو گئی۔ کسی اسرائیلی سیاست دان کے لئے امن کی بات کرنا سیاسی طور پر ناممکن ہو گیا۔ ہر نئے حملے نے اسرائیلی قوم کو اختلافات بھلا کر، سیکورٹی کے معاملے میں سخت گیر لیڈر شیرون کے ساتھ کر دیا۔

نصف صدی تک فلسطینوں کی قیادت کرنے والے یاسر عرفات نومبر 2004 میں پیرس کے ہسپتال میں چل بسے۔

یاسر عرفات کی جگہ محمود عباس نے لی جو 2005 میں چار سال کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ محمود عباس اس کے بعد سے بغیر انتخاب کے صدر چلے آ رہے ہیں۔ جب تک ان کی مدتِ انتخاب ختم ہوئی، فلسطینی ریاست ایک خانہ جنگی کے بعد دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ 2006 کے پارلیمانی انتخابات کے بعد سے فلسطینی اتھارٹی صدارتی یا پارلیمانی انتخابات منعقد کروانے میں ناکام رہی ہے۔

ساتھ لگی تصویر رام اللہ میں یاسر عرفات کے مقبرے کی ہے۔

سوالات و جوابات

WaheedUrRehman

انتفاضہ کا معنی ہلچل اور اٹھ کھڑے ہونا ہے جب کہ سرزمین فلسطین کے تناظر میں یہ ایک ایسی تحریک کا نام ہے جو 3 دہائیاں پہلے جدید ترین اسلحہ سے لیس اور ٹیکنالوجی سے بہرہ مند ممالک کی حمایت یافتہ ناجائز ریاست اسرائیل کے خلاف نہتے فلسطینیوں نے غلیلوں اور پتھروں سے شروع کی تھی

WaharaUmbakar

انتفاضہ فلسطین کی طرف سے اسرائیل کے خلاف مزاحمت کے سلسلے کو کہا گیا ہے۔

پہلا انتفاضہ دسمبر 1987 سے ستمبر 1993 تک رہا جبکہ دوسرا انتفاضہ ستمبر 2000 سے فروری 2005 تک

دیوار

اسرائیلی حکومت 2003 سے مغربی کنارے میں ایک رکاوٹ تعمیر کر رہی ہے۔ اس کو مختلف نام دئے جاتے ہیں۔ اسرائیلیوں میں زیادہ مقبول security fence ہے جبکہ فلسطینیوں میں apartheid wall۔ اسرائیلیوں کے لئے یہ ان کی حفاظت کے لئے ناگزیر ہے۔ فلسطینیوں کے لئے یہ قبضے کی علامت ہے۔

سب سے پہلے یہ کہ کیا یہ دیوار ہے یا جنگلا؟ یہ دونوں ہے۔ شہروں اور ہائی وے کے قریب کا حصہ کنکریٹ کی دیوار ہے جو چھبیس فٹ تک اونچی ہے۔ یہ اس کا دس فیصد حصہ ہے۔ باقی کا نوے فیصد حصہ ساڑھے چھ فٹ اونچے جنگلے پر مشتمل ہے جس پر برقی سینسر لگے ہیں جو اس کے قریب حرکت ڈیٹکٹ کر لیتے ہیں۔ اس کی ایک طرف خندق ہے جس پر کانٹے دار تار ہے جبکہ دوسری طرف مٹی کی سڑک تا کہ پہرہ داری کرنے والوں کو قدموں کے نشان نظر آ جائیں۔ مکمل ہونے پر یہ سات سو کلومیٹر لمبی ہو گی۔ اس کا دو تہائی سے زیادہ مکمل ہو چکا ہے۔ اس کی تعمیری لاگت دو ملین ڈالر فی کلومیٹر کی ہے اور ابھی تک مکمل ہونے پر 2.6 ارب ڈالر خرچ کئے جا چکے ہیں۔ یہ اسرائیل کی تاریخ کا سب سے بڑا انفراسٹرکچر پراجیکٹ ہے۔

اتنا مہنگا اور متنازعہ پراجیکٹ بنایا کیوں گیا ہے؟

اسرائیل نے غزہ کی سرحد پر 1994 میں برقی باڑ بنائی تھی۔ یہ اتنا بڑا علاقہ نہیں تھا۔ جب دوسرا انتفاضہ شروع ہوا تو مغربی کنارے پر ایسا پراجیکٹ بنانے کا آئیڈیا اسرائیلی عوام میں مقبول ہوا اور اس کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ پہلا انتفاضہ پرتشدد نہیں تھا اور اس میں فلسطینی خواتین اور بچوں کی بڑی تعداد میں شرکت تھی۔ دوسرا انتفاضہ ستمبر 2000 میں شروع ہوا اور جلد ہی اس میں خودکش حملے ہونے لگے تھے۔ بسیں، شاپنگ مال، سپرمارکیٹ، منڈیاں، ریسٹورنٹ اور کلب وغیرہ نشانہ بننے لگے۔ زیادہ تر ان کو مغربی کنارے سے کیا جاتا۔ سب سے خونی سال 2002 تھا جب 53 خودکش حملے ہوئے۔

اس تناظر میں حکمران لیکود پارٹی نے 2002 میں دو بڑے فیصلے لئے۔ ایک تو یہ کہ اوسلو مذاکرات کے نتیجے میں جو علاقہ خالی کیا تھا، مغربی کنارے کے شہروں پر دوبارہ عسکری قبضہ کر لیا جائے۔ دوسرا فیصلہ فلسطینی اور اسرائیلی آبادی کے درمیان دیوار بنانے کا تھا۔ جون

2002 میں کابینہ نے اس کی منظوری دے دی۔ اسرائیلی فوج واپس مغربی کنارے میں داخل ہوگئی۔ اور دیوار کی تعمیر اس سے اگلے سال شروع ہوگئی۔

دیوار بننے کے ساتھ ساتھ خودکش حملے کم ہوتے گئے۔ 2009 میں ان کی تعداد صفر ہو چکی تھی۔ اسرائیلی حکومت کا دعویٰ ہے کہ یہ دیوار کی وجہ سے ہونے والی کامیابی ہے اور یہ سینکڑوں حملے روک چکی ہے۔ زیادہ تر تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ اس کے پیچھے صرف یہی ایک چیز نہیں، کئی دوسرے عوامل بھی ہیں۔ ایک فیکٹر مغربی کنارے پر کیا گیا دوبارہ قبضہ ہے۔ دوسرا فلسطینی اتھارٹی کے ساتھ سیکورٹی معاملات پر تعاون ہے۔ لیکن اس دیوار نے بھی اس میں کردار ادا کیا ہے۔ اور اس وجہ سے اسرائیل میں یہ بہت مقبول ہے۔ تقریباً تمام اسرائیلی اس کو برقرار رکھنے کے حق میں ہیں۔ اگرچہ یہ بہت مہنگا پراجیکٹ ہے لیکن کسی طرف سے اس کی فنڈنگ کی مخالفت نہیں کی گئی۔

دوسری طرف، فلسطینی اس کی موجودگی کے شدید مخالف ہیں۔ کئی جگہوں پر اس دیوار نے ان کی زمین پر قبضہ کیا ہے اور کئی جگہ پر انہیں روزگار کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ چونکہ اسرائیلیوں کی ترجیح سیکورٹی تھی نہ کہ اس کی وجہ سے پیش آنے والے مسائل۔۔۔ اس لئے خاص توجہ نہیں دی گئی کہ اس کے راستے کی وجہ سے کیا مسائل پیش آسکتے ہیں۔

اس کو گرین لائن (1949 کی جنگ بندی کی لکیر) پر نہیں بنایا گیا بلکہ 85 فیصد حصہ مغربی کنارے میں ہے۔ اس کے راستے میں اسرائیلی آبادیوں کو بچانے کے لئے جو راستہ چنا گیا ہے، وہ کئی جگہ پر فلسطینی زمینوں پر قبضہ کرتا ہے۔ اگر یہ مکمل ہو جاتی ہے تو مغربی کنارے کی دس فیصد زمین اسرائیل کی سائیڈ پر ہوگی۔ اس زمین کو اسرائیلی seam zone کہتے ہیں۔ اس میں 71 اسرائیلی آبادیاں اور 32 فلسطینی دیہات ہیں۔

اسرائیل کا یہ دعویٰ کہ اس کا راستہ صرف سیکورٹی کو مدِ نظر رکھ کر بنایا گیا ہے، اسرائیلی ہائی کورٹ کئی درخواستوں میں مسترد کر چکی ہے۔ کورٹ کیسز کی وجہ سے کئی جگہ پر اسرائیل کو راستہ تبدیل کرنا پڑا ہے۔ (مثلاً، ایک جگہ پر یہ ایک گاؤں کو دو میں تقسیم کر رہی تھی، جسے اسرائیلی عدالت نے ہٹوایا)۔

دیوار نے اس کے قریب رہنے والے فلسطینیوں کی زندگی کی مشکلات میں اضافہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر کسانوں کو اپنے کھیتوں میں کام کرنے کے لئے خاص اجازت ناموں کی ضرورت ہے۔ اور یہ اجازت دن کے چند گھنٹوں یا سال کے کچھ حصے کے لئے ملتی ہے جیسا کہ زیتون اتارنے کے موسم میں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسان ہر قسم کی فصل نہیں اگا سکتے۔

وہ دیہات جو seam زون میں ہیں، وہاں کے فلسطینی رہائشی پھنس گئے ہیں اور انہیں دوسری سائیڈ پر اپنے رشتہ داروں یا دوستوں سے ملنے میں دشواری کا سامنا ہے جنہیں اس کے لئے پرمٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔(جو ہمیشہ نہیں ملتا)۔

قلقلیہ شہر کی پچاس ہزار کی آبادی ہے جس کے تین طرف بیریئر ہے اور اس شہر میں داخلہ اب صرف ایک ملٹری چیک پوسٹ پار کر کے آتا ہے۔

مشرقی یروشلم کو باقی مغربی کنارے سے کاٹ دیا گیا ہے۔ مشرقی یروشلم میں میونسپل سروسز کا فقدان ہے۔ چونکہ اسرائیلی پولیس یہاں داخل نہیں ہوتی، اس لئے جرائم کی شرح بہت زیادہ ہے۔

جولائی 2004 میں عالمی عدالتِ انصاف نے اس دیوار کے بارے میں اپنی مشاورتی رائے دی تھی کہ اگرچہ اسے اسرائیل کے سیکورٹی خدشات کا احساس ہے لیکن اس کو مغربی کنارے میں بنانا عالمی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ اسرائیل دیوار کی تعمیر بند کرے، بنائی گئی دیوار کو گرائے اور متاثر ہونے والے فلسطینیوں کو معاوضہ ادا کرے۔ یہ فلسطینیوں کے لئے قانونی اور سفارتی کامیابی تھی لیکن اس سے سترہ سال کے بعد بھی دیوار وہیں ہے۔

اگرچہ اسرائیل کا اصرار ہے کہ یہ عارضی دیوار ہے اور صرف اس وقت تک ہے جب تک پرتشدد کارروائیوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ اب لگتا ایسا ہے کہ یہ طویل عرصے تک یہیں رہے گی۔

دیوار کی موجودگی کا ایک اور نتیجہ بھی نکلا ہے کہ فلسطینی اسرائیلیوں کی نظر سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ آبادی کے بڑے حصے کی نظر میں فلسطین کا مسئلہ ختم ہو گیا ہے۔ کسی وقت میں یہ اسرائیل کی سیاست میں اہمیت رکھا کرتا تھا، اب ایسا نہیں رہا۔ یہ سیاسی ترجیحات میں نیچے جا چکا ہے۔

سوالات و جوابات

ZakirModest

جہاں تک مجھے سمجھ ہے اس وقت بھی اور صدیوں پہلے بھی ایک ہی اصول دنیا میں کارگر رہا ہے کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس"

WaharaUmbakar

"جس کی لاٹھی، اس کی بھینس"۔ یہ دنیا کا ڈیفالٹ اصول ہے۔ کہیں ہم ضابطے، قوانین، اصول بنا لیتے ہیں۔ ان پر عمل درآمد کے طریقے ڈھونڈ لیتے ہیں۔ معاشرہ ان کے مطابق چلتا رہتا ہے۔ ہم ریزن استعمال کر لیتے ہیں۔ دلیل، عقل اور امن کا راستہ بھی اپنا لیتے ہیں۔ لیکن جہاں ان کی ناکامی ہو جائے، جہاں انارکی پھیل جائے، وہاں پر حالات پھر ڈیفالٹ کی طرف جانے لگتے ہیں۔

Ass'adMalik

مغربی کنارے میں اس وقت فلسطینیوں کے پاس کتنے فیصد رقبہ ھے ؟

WaharaUmbakar

یہاں کے شہر ایریا اے میں ہیں۔ یہاں پر فلسطینی اتھارٹی کا مکمل کنٹرول ہے۔ دیہات ایریا بی میں، یہاں سول کنٹرول فلسطین اتھارٹی کا ہے، سیکورٹی کنٹرول اسرائیل کا۔ شاہراہیں، پبلک زمین، سرحدی علاقہ، اسرائیلی بستیاں ایریا سی ہے، یہ مکمل طور پر اسرائیل کے پاس ہیں۔

Ass'adMalik

لیکن مغربی کنارے میں عملاً کتنے فیصد ایریا فلسطینیوں کے پاس ھے ؟

WaharaUmbakar

ساتھ لگے نقشے میں ایریا اے، بی اور سی دکھائے گئے ہیں۔

Ass'adMalik

Sir, I just searched myself this percentage area myth and in an article depicted in Wikipedia found

Area A = 18٪

Area B = 22٪

Area C = 60٪

But as data in Wikipedia is mostly always remain controversial. So if you get time then do plz confirm these numbers.

WaharaUmbakar

کچھ آگے پیچھے ہو سکتے ہیں لیکن نقشہ کے حساب سے ٹھیک ہی لگتے ہیں۔

حماس

حماس 1987 میں قائم ہوئی تھی اور اس نے شہرت نوے کی دہائی میں اسرائیل کے شہروں پر کئے گئے خودکش حملوں سے پائی۔ جو فتح کی الاقصٰی بریگیڈ اور اسلامی جہاد سے زیادہ تھے۔ اگرچہ اس کی شہرت اس وجہ سے ہے لیکن یہ تنظیم بہت کچھ اور بھی کرتی ہے۔

حماس سوشل سروس مہیا کرنے والی اور فلاحی تنظیم بھی ہے۔ مقامی آبادی کو میڈیکل، تعلیمی اور خیراتی خدمات دی ہیں۔ حماس نے لنگر خانے، یتیم خانے، طبی مراکز، ڈینٹل کلینک، سکول، ڈے کیئر سنٹر، یوتھ کلب اور سپورٹس کلب فنڈ کئے ہیں اور چلا رہی ہے۔ اس کی مدد ایران اور عرب ممالک سے سرکاری اور نجی ذرائع اور بیرونِ ملک مقیم فلسطینی کرتے رہے ہیں۔ اس کا عسکری ونگ "کتائب الشہید عزالدین القسام" ہے۔ خدمات کا ونگ "دعوہ" ہے اور ایک سیاسی جماعت ہے۔

سیاست میں اس کا مقابلہ فتح سے ہے جو یاسر عرفات کی قائم کردہ پارٹی تھی۔ ان دونوں کا آپس میں بڑا عسکری مقابلہ 2007 میں ہونے والی "غزہ کی جنگ" میں ہوا۔

غزہ کی سرحد مصر کے ساتھ لگتی ہے اور مصر کی اخوان المسلمین کا اس علاقے پر کچھ اثر تھا۔ حماس اسی سے نکلی۔ اخوان نے اس کو سپورٹ کیا۔

جب غزہ کا علاقہ مصر کے پاس تھا تو مصر کی حکومت نے اسلامی گروہوں کی سرگرمیوں کو سختی سے دبایا تھا۔ 1967 میں جب یہ اسرائیل کے پاس آ گیا تو اس نے یہ پابندیاں ہٹا دیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسرائیل کی توجہ پی ایل او اور فتح کی طرف تھی جو سیکولر نیشنلسٹ تھی (جس سے یاسر عرفات تعلق رکھتے تھے) یا پھر پاپولر فرنٹ کی طرف جو کمیونسٹ تھی (جس کی مشہور شخصیات میں جارج حبش اور لیلیٰ خالد ہیں)۔ اسرائیل کے خیال میں اسلامسٹ اس کا زور توڑ سکتے تھے۔

شیخ یاسین غزہ میں مجامع الاسلامیہ کے نام سے خیراتی ادارہ چلاتے تھے جو 1973 میں قائم ہوا تھا۔ یہ مہاجرین کو بیرونِ ملک پڑھنے کے لئے تعلیمی سکالرشپ، کلینک، لنگر، ورزش کے کلب سمیت کئی ادارے چلاتا تھا۔ اس نے مساجد، کلب، سکولوں کے علاوہ لائبریری بھی تعمیر کروائی۔ 1978 میں غزہ اسلامک یونیورسٹی کے بانیوں میں بھی اس تنظیم نے کردار ادا کیا، جہاں پر میڈیکل، انجینیرنگ، کامرس سمیت دس شعبے ہیں اور انیس ہزار طلبا زیرِ تعلیم ہیں۔

اسرائیل کی طرف سے غزہ کے گورنر اسحاق سجیو تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ خیراتی ادارہ مفید ہے۔ اس کے اسرائیل کے خلاف عزائم نہیں ہیں۔ علاقے میں فلسطینیوں کو ضروری سہولیات کے لئے ضروری ہے اور ایسا کرنا فلسطینیوں کو فتح میں جانے سے روکنے میں مددگار بھی رہے گا۔ اس وقت بھی اسلامسٹ اور سیکولر فلسطینیوں کے آپس میں مسلح تصادم ہوا کرتے تھے۔ ان میں اسرائیل کا جھکاؤ اسلامسٹ گروہوں کی طرف تھا۔ جب شیخ یاسین کی تنظیم کے اسلحے کا بڑا مرکز پکڑا گیا تھا تو یاسین نے یہ کہا تھا کہ یہ سیکولر گروپس کے خلاف لڑنے کے لئے اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس پر انہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسرائیل نے اس تنظیم کی براہِ راست مدد نہیں کی (اگرچہ شیخ یاسین اور اسرائیلی حکام کے براہِ راست روابط تھے) لیکن مصری قبضے کے وقت کی پالیسی کے برعکس غزہ کے علاقے میں اس کو کام کرنے کے لئے محفوظ جگہ دی گئی۔

آٹھ دسمبر 1987 کو غزہ کے علاقے میں ایک ٹرک کی ٹکر دو گاڑیوں سے ہوئی۔ اس میں جبالیا مہاجر کیمپ سے تعلق رکھنے والے چار فلسطینی مزدور ہلاک ہو گئے۔ ٹرک ڈرائیور اسرائیلی تھا۔ اس واقعے کے بعد غزہ میں احتجاج شروع ہو گئے۔

فتح کی قیادت جلاوطن تھی۔ یہ وہ موقع تھا جب حماس کا نام پہلی بار سامنے آیا۔ ابتدائی برسوں میں اس کا تاثر امن پسند مزاحمتی جماعت کا رہا۔ حماس نے اسرائیل کے خلاف پہلی عسکری کارروائی 1989 میں کی جب دو فوجیوں کو اغوا کر کے قتل کر دیا۔ اس نے باقاعدہ عسکری ونگ پہلی بار 1991 میں قائم کیا۔

حماس نے فلسطین میں منعقد ہونے والے پہلے صدارتی اور پارلیمانی انتخابات میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اس وقت یہ اتنی مقبول نہیں تھی کہ انتخاب میں فتح کا دوبدو مقابلہ کر سکے۔ 2004 میں ہونے والے لوکل انتخابات میں پہلی بار انتخابی سیاست میں آئی۔ جب تک یاسر عرفات تھے، فلسطین میں کسی اور تنظیم کے لئے زیادہ اثر حاصل کرنا مشکل تھا۔ ان کے انتقال کے بعد سیاسی خلا پیدا ہوا تھا، جس میں یہ جگہ بنا سکتی تھی۔ دسمبر 2004 میں ہونے والے انتخابات فتح نے جیت لئے لیکن حماس نے اچھی کارکردگی دکھائی۔

جنوری 2006 کے الیکشن میں حماس نے 74 سیٹیں جیت کر پارلیمان میں اکثریت حاصل کر لی۔

اور یہاں پر ایک مضحکہ خیز صورتحال پیدا ہوگئی۔ ان انتخابات کو منعقد کروانے کے لئے سب سے زیادہ زور امریکہ نے لگایا تھا۔ اس وقت جارج بش کی انتظامیہ مشرقِ وسطی میں جمہوریت پھیلانے کے مشن پر تھی۔ اور اسی انتظامیہ کے لئے یہ جماعت دہشتگرد جماعتوں کی فہرست پر تھی۔

عالمی مبصرین کے لئے انتخابی کامیابی غیر متوقع تھی۔ یہ نتیجہ فلسطینی اتھارٹی کی کرپشن، نااہلی اور اقربا پروری کے خلاف غصہ تھا۔

حماس نے انتخاب اسلامی نظام پر نہیں بلکہ دیانتدار قیادت کے نعرے پر لڑا تھا۔ اس کے نعروں میں صحت اور صفائی کے پروگرام، تعلیم اور رہائشی منصوبے، غربت اور کرپشن کا خاتمہ تھے۔ ایگزٹ پول کے مطابق حماس کی کامیابی کی بڑی وجہ تبدیلی کی خواہش تھی۔ فلسطین کی کرسچن آبادی نے بھی بڑی تعداد میں حماس کو ووٹ ڈالے تھے۔

عالمی کمیونیٹی نے حماس سے تسلیم کئے جانے اور مالیاتی امداد کے عوض تین شرائط قبول کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبات "کوارٹٹ" کی طرف سے کئے گئے تھے۔ (جس میں امریکہ، روس، یورپی یونین اور اقوامِ متحدہ تھے)۔ ان میں اسرائیل کو تسلیم کرنا، تشدد کا راستہ چھوڑنا اور پی ایل او کے کئے گئے معاہدوں کو تسلیم کرنا تھا۔

حماس نے ان کو مسترد کر دیا۔ اور فتح سے ملکر حکومت بنانے کی کوشش کی جس کو فتح نے مسترد کر دیا۔

حماس نے مارچ 2006 میں خود اپنی حکومت بنالی جس میں اسماعیل ھنیہ وزیرِاعظم بنے۔ اس کے جواب میں اسرائیل نے فلسطین کو ملنے والا کسٹم کا محصول روک لیا جو پانچ کروڑ ڈالر ماہانہ کی رقم تھی۔

حماس اور فتح میں اختیار کے لئے لڑائی چھڑ گئی کہ پولیس کس کے کنٹرول میں ہوگی۔ ایک طرف فتح کے صدر تھے، دوسری طرف حماس کے وزیرِاعظم۔ جس طرح اس کشیدگی کی شدت میں اضافہ ہوا، ساتھ ہی ایک دوسرے پر برسنے والی گولیاں بھی بڑھنے لگیں۔ آپس کے مذاکرات ناکام رہے۔ سعودی عرب نے مصالحت کروائی اور فروری 2007 میں مکہ معاہدہ ہوا۔ اس کے تحت مارچ میں قومی حکومت قائم ہوئی لیکن جماعتوں کے درمیان آپس میں کشیدگی مزید بڑھتی گئی۔ جون 2007 میں غزہ کی جنگ چھڑ گئی جس میں دونوں اطراف سے درجنوں ہلاکتیں ہوئی اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ حماس نے ایک ہفتے میں ہی فلسطینی سیکورٹی فورسز کو شکست دے دی اور غزہ کا مکمل کنٹرول سنبھال لیا۔

حماس کا غزہ کا کنٹرول لے لینے کے بعد صدر محمود عباس نے قومی حکومت برخواست کر دی اور وزیرِاعظم اسماعیل ھنیہ کو برطرف کر دیا۔ نئے وزیرِاعظم سلام فیاض بنے۔ ان کی حکومت کو فوری طور پر تسلیم کر لیا گیا۔ فلسطین اتھارٹی پر لگائی پابندیاں ہٹا دی گئیں اور اسے ٹیکس اور محصول دوبارہ ملنا شروع ہو گیا۔

فلسطین دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ غزہ میں حماس کی ڈی فیکٹو حکومت بن گئی۔ اس کا بائیکاٹ جاری رہا۔ اسرائیل نے غزہ کا ستمبر 2007 میں محاصرہ کر لیا، جو تاحال جاری ہے۔

ساتھ لگی تصویر اسلامک یونیورسٹی آف غزہ کی ہے۔

ناکہ بندی

غزہ خود سمندر کے کنارے ایک چھوٹا علاقہ ہے جسے عالمی توجہ ملی ہے اور خاص طور پر انسانی حقوق کی عالمی تنظیمیں یہاں کے رہائشیوں کے حق میں آواز بلند کرتی رہیں ہیں۔ "آزادی غزہ تحریک" کے تحت دنیا بھر کے کئی شہروں میں مظاہرے ہوتے رہے ہیں۔ غزہ نے حالیہ برسوں میں مغربی کنارے سے زیادہ توجہ لی ہے۔ مغربی کنارہ زیادہ بڑی اور امیر جگہ ہے اور تاریخ طور پر زیادہ اہم رہا ہے۔

غزہ کے رہائشیوں نے پچھلے چودہ برس میں اقتصادی بدحالی دیکھی ہے۔ غزہ عملی طور پر قید خانہ ہے جس سے پرمٹ لے کر باہر نکلا جا سکتا ہے۔ پچیس میل لمبی اور چھ میل چوڑی اس پٹی پر انیس لاکھ لوگ آباد ہیں۔ آبادی نوجوان ہے۔ اوسط عمر صرف سولہ برس ہے۔ بہت سے لوگ اپنی پوری زندگی اس علاقے سے باہر نہیں نکلے۔

غزہ ہمیشہ سے اس قدر بدحال علاقہ نہیں تھا جتنا کہ آج ہے۔ 1994 میں یہاں غربت کی شرح سولہ فیصد تھی (امریکہ میں یہ شرح ساڑھے چودہ فیصد ہے)۔ لیکن نوے کی دہائی میں یہاں غربت اور بے روزگاری میں اضافہ ہوا۔ دوسرے انتفاضہ کے بعد سیاحت اور بیرونی سرمایہ کاری ختم ہو گئی۔

جب تک حماس نے علاقے کا سیاسی کنٹرول سنبھالا، حالات اچھے نہیں رہے تھے اور یہ مزید بگڑ گئے۔ اسرائیل نے یہاں سے 2005 میں جب انخلا کیا تو فی کس آمدنی 1375 ڈالر تھی جو 2015 میں 970 ڈالر

رہ چکی تھی۔ یہ ان دس برسوں میں پرفارم کرنے والی دنیا کی بدترین اکانومی تھی۔ بے روزگاری کی شرح 30 فیصد تھی جو بڑھ کر اب پچاس فیصد تک جا چکی ہے۔

اس کی سب سے بڑی وجہ اسرائیل کی ناکہ بندی ہے۔

ترکی سے "آزادی غزہ تحریک" کی طرف سے چھ جہازوں کا قافلہ امدادی سامان لے کر اسرائیلی ناکہ بندی کو توڑنے غزہ کی طرف روانہ ہوا۔ اکتیس مئی 2010 کو اسرائیلی کمانڈوز اسے روکنے کے لئے آئے اور نتیجے میں دس ترک ہلاک ہو گئے۔ ترکی نے اسرائیل سے تعلقات توڑ لئے۔ ان کی بحالی اس وقت ہوئی جب اسرائیل نے اس پر معافی مانگی، ہلاک ہونے والوں کو معاوضہ دیا اور غزہ پر سے پابندیاں نرم کیں۔

اس ناکہ بندی کے ابتدائی برسوں میں مصر کے ساتھ تجارت زیرِزمین سرنگوں کی مدد سے جاری رہی۔ حسنی مبارک اور محمد مرسی کے دور میں یہ چلتی رہی۔ ان سے ہر قسم کی اشیا کی تجارت، حتیٰ کہ گاڑیوں کی بھی ہوتی رہی۔ ایک اندازے کے مطابق غزہ کی اسی فیصد اکانومی اس طریقے سے چل رہی تھی۔ مصر میں فوجی حکومت 2013 میں آئی جبکہ جنرل سیسی نے 2015 میں ان سرنگوں کو بند کروا دیا۔

اس وقت غزہ میں غربت کی شرح پچاس فیصد سے زائد ہے۔ ایندھن کی کمی کی وجہ سے بجلی دن میں چند گھنٹے ہی آتے ہے۔ نکاسی آب اور پانی کی فراہمی کے مسائل ہیں۔ اقوامِ متحدہ دس لاکھ فلسطینیوں کی غذائی امداد کرتا ہے۔

فلسطینی اتھارٹی سے حماس کے تعلقات اچھے نہیں۔ اپنے زیرِ انتظام علاقوں میں حماس اور فتح دوسری پارٹی سے تعلق یا ہمدردی رکھنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک روا نہیں رکھتے۔ مخالف کو قید کئے جانا، تشدد کیے جانا یا اس سے بدتر عام ہے۔ فتح نے مغربی کنارے میں حماس کو کچلنے کی کوشش کی ہے جبکہ حماس نے فتح کے ساتھ غزہ میں ایسا کیا ہے۔

طرزِ حکومت میں حماس اور فتح میں زیادہ فرق نہیں۔ ان میں جبر کا عنصر نمایاں رہا ہے۔ اگرچہ حماس کو اسلامی بنیاد پرست جماعت سمجھا جاتا ہے تاہم گورننس کے حساب سے، چند بار علامتی اقدامات لینے کے سوا، اس نے ایسا کوئی خاص قدم نہیں لیا۔ ساتھ لگی تصویر غزہ میں ساحلِ سمندر کی۔

سوالات و جوابات

SyédTáqîHàssãnNaqvī سر حزب اللہ کا اس میں کیا کردار رہا؟

WaharaUmbakar

کچھ نہیں۔ حزب اللہ لبنان میں ہے جو اسرائیل کی شمال پر ہے۔ غزہ اسرائیل کے جنوب میں ہے۔

SaleemJamali

غزہ کی سمندری حدود پر بھی اسرائیل کو کنٹرول حاصل ہے ؟

WaharaUmbakar

غزہ سے مچھیروں کی کشتیاں چھ سمندری میل تک جا سکتی ہیں۔ اسرائیلی ساحل سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر رہ سکتی ہیں۔ اس وقت اسرائیل ایک سمندری دیوار کی تعمیر کر رہا ہے جس کے بننے کے بعد غزہ سے اسرائیلی ساحل کی رسائی ختم ہو جائے گی۔
غزہ تک بحری تجارت کی ناکہ بندی ہے۔ تجارتی جہاز اس بندرگاہ پر نہیں آ سکتے۔ مصر اور اسرائیل اس کی پہرہ داری کرتے ہیں۔ فلسطین اتھارٹی اس بحری ناکہ بندی کے حق میں ہے۔

SaleemJamali

ناکہ بندی ہتھیاروں کی وجہ سے کرتے ہیں۔

WaharaUmbakar

راکٹ حملوں کی وجہ سے۔ موقف یہ ہے کہ ہتھیار سمگل نہ ہوں۔ جبکہ فلسطینی اتھارٹی کا کہنا ہے کہ یہاں پر غیر قانونی حکومت ہے اور یہ پابندیاں ضروری ہیں۔

SaleemJamali

اسرائیل فلسطین کی حمایت حاصل کر کے غزہ میں آپریشن نہیں کر سکتا۔

WaharaUmbakar

اسرائیل کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔ فلسطین اتھارٹی کا (غلط) الزام ہے کہ اسرائیل جان بوجھ کر حماس کی حکومت کو مضبوط کرتا ہے تا کہ فلسطین کا دولخت ہونا مستقل ہو سکے۔

حماس حکومت غزہ میں نظم ونسق رکھتی ہے۔ اور زیادہ انتہا پسند گروہوں کو قابو میں رکھتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو یہ اسرائیل کو کرنا پڑے گا۔ اس وجہ سے اس نے یہاں کی حکومت گرانے کی کبھی کوشش نہیں کی۔

FaisalMehmood

Sir 1948 UN partition plan me to ghaza ka area kafi zyada tha.1967 tk zyada area israel ne occupy kr lia

WaharaUmbakar

جی، اقوامِ متحدہ کے پلان میں یہ زیادہ تھا۔ جب 1948 میں جنگ بندی ہوئی (جسے اب گرین لائن کہا جاتا ہے) تو اس وقت غزہ کا علاقہ یہی تھا جو اب ہے۔

AnjumGillani

سر 1948 میں UN نے partion plan دیا 1948 میں ہی جنگ ہوئی 1948 میں ہی جنگ بندی ہوئی.... یہ کیا ہے..... 1967 میں بھی اسراہیل نے قبضہ کر کے علاقہ بڑھایا لیکن آپ کہتے ہیں اب جو غزہ ہے یہ وہی ہے جس کی حدود کا تعین 1948 میں ہوا..... تھوڑا ابہام ہے مجھے!.....

WaharaUmbakar

اقوامِ متحدہ کا پلان نومبر 1947 میں منظور ہوا تھا جس میں 1948 میں برطانیہ کا انخلا اور دو ریاستی قیام تھا۔ علاقے میں فلسطینی اور اسرائیلی جنگ 1947 سے جاری تھی۔ چودہ مئی 1948 کو اسرائیل کی ریاست قائم ہوگئی۔ اسی روز مصر نے اس پر حملہ کر دیا اور یہ عرب اسرائیل جنگ بن گئی۔ جب یہ جنگ بند ہوئی تو جو علاقہ اسرائیلی ڈیفنس فورس کے پاس تھا، یہ اسرائیل کہلایا۔ جو مصر کے پاس، یہ غزہ کا علاقہ ہے اور جو اردن کے پاس، یہ مغربی کنارہ ہے۔ ان کی حد پہلی عرب اسرائیل جنگ کی جنگ بندی کی ہے۔

FaisalMehmood

Zyada tr log objection krty hn k hmas k pass jb defence ni hai to phr rockt fire kr k q israel ko retaliation pr mjbor krty hai

Jb k asal masla yeh strick blocked hai,jis ne ghaza ki population ko jail jesay mahol me rehny pr mjbor kia howa,to hmas dunia ki tawjjo apnay halat ki trf krany k lye rocket fire krty hai

WaharaUmbakar

جب تک ناکہ بندی ہے، راکٹ پھینکے جاتے رہیں گے۔ جب تک راکٹ پھینکے جاتے رہیں گے، جوابی حملے ہوتے رہیں گے۔ جب تک جوابی حملے جاری رہیں گے، حماس کی حکومت مضبوط رہے گی۔ اور ناکہ بندی جاری رہے گی۔
حماس اور اسرائیل، دونوں کو ایک دوسری کی ضرورت ہے۔ (اسرائیل نے کبھی حماس کو ہٹانے کی کوشش نہیں کی اور نہ کرے گا۔ اس کا انحصار اس تنظیم پر ہے)۔ اس علاقے کی اس سیاہ کامیڈی کی تفصیل اگلی قسط میں۔۔۔

راکٹ

برٹش دور میں غزہ ایک پسماندہ علاقہ تھا۔ یہاں پر عرب اور یہودی تنازعہ باقی علاقوں کے مقابلے میں کم رہا تھا۔ 1949 کی جنگ بندی کے بعد یہ علاقہ مصر کے پاس چلا گیا اور اس کی اٹھارہ سالہ حکومت میں یہ فلسطینی نیشلزم کا گڑھ بن گیا، جہاں سے اسرائیل میں گوریلا حملے کئے جاتے تھے۔ 1967 سے 2005 کے اسرائیلی قبضے میں یہاں کے گنجان آباد اور غربت سے بھرے مہاجر کیمپ اسرائیل کے خلاف مزاحمت کا مرکز بنے۔ پہلا انتفاضہ دسمبر 1987 کو یہاں کے ایک کیمپ سے ہی شروع ہوا لیکن اسرائیل کے لئے مغربی کنارہ زیادہ دلچسپی کی جگہ تھی۔ غزہ کی کوئی خاص نظریاتی یا سٹریٹجک اہمیت نہیں تھی۔ اسرائیلی وزیرِاعظم اسحاق رابین نے 1992 میں فقرہ کہا تھا کہ ان کی طرف سے غزہ چاہے "سمندر میں غرق ہو جائے"۔

جب اوسلو میں امن مذاکرات ہوئے تو اسرائیل نے غزہ کو 1994 میں بڑی خوشی سے فلسطین اتھارٹی کے حوالے کر دیا تھا۔ اس سے گیارہ سال بعد 2005 میں امن پراسس ختم ہو چکا تھا اور دوسرا انتفاضہ بھی تو اسرائیل نے یہاں سے اپنی آبادیاں بھی خالی کر دیں اور فوج کو بھی واپس بلا لیا۔

غزہ کی موجودہ حکمران تنظیم کے 2007 میں اقتدار میں آنے کے بعد صورتحال تبدیل ہوئی۔ اسرائیل نے یہاں پر 2008 اور 2009 میں اور پھر 2012 اور پھر 2014 میں اور اب حالیہ 2021 میں حملے کئے۔

غزہ کی طرف سے ہونے والے حملوں میں راکٹ اور گولے فائر ہونا، اسرائیلی فوجیوں اور کھیتوں میں کام کرنے والوں پر فائرنگ، لگائے گئے جنگلے کے ساتھ دھماکہ خیز مواد پھوڑنا شامل رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں مغربی کنارے سے ہونے والے حملے بہت کم ہوئے ہیں۔

زیادہ مشہور واقعہ پچیس جون 2006 کو پیش آیا جب ایک کارپورل گلاد شالیت کو پکڑ لیا تھا اور پانچ سال قید میں رکھا۔ شالیت کو ایک ہزار فلسطینی قیدیوں کے تبادلے میں رہا کیا گیا۔ اس کے علاوہ آتش گیر مادے والے پتنگیں یا غبارے بھیج کر فصلوں میں آگ لگانا ایک اور حربہ رہا ہے۔

سب سے زیادہ توجہ راکٹ برسانے نے لی ہے۔ نہ صرف یہ تعداد میں زیادہ ہوئے ہیں بلکہ زیادہ دور تک پھینکے جانے والے اور زیادہ طاقتور بھی۔ اور دور کے شہروں تک جا سکتے ہیں۔

اگرچہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ان کی وجہ سے کوئی ہلاک ہو۔ ان سے حفاظت کے لئے پناہ گاہیں، محفوظ کمرے، وارننگ سسٹم اور 2011 میں نصب ہونے والا آئرن ڈوم سسٹم ہے جس کی وجہ سے اسرائیلی ہلاکتیں بہت محدود رہی ہیں۔ لیکن خاص طور پر غزہ کے قریب کے چھوٹے شہر سدیروت کو ان سے زیادہ دشواری ہے کیونکہ راکٹ یہاں پندرہ سیکنڈ میں پہنچ جاتا ہے۔

یہاں پر رک کر یہ دیکھنا ہو گا کہ آخر یہ تنظیم راکٹ کیوں پھینکتی ہے؟ کیونکہ میڈیا کوریج میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کی جاتی۔ (یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ تمام راکٹ اور گولے غزہ کی حکمران جماعت کی طرف سے ہی فائر نہیں کئے جاتے۔ دوسری چھوٹی تنظیمیں بھی ایسا کرتی ہیں)۔

میڈیا میں ایسا تاثر دیا جاتا ہے جیسے غزہ کی حکمران تنظیم نفرت کی آگ میں جلنے والی تنظیم ہے جو اسرائیل کو نیست و نابود کرنا چاہتی ہے۔ لیکن یہ کوئی بیماری یا غصہ کی آگ نہیں بلکہ حکمتِ عملی ہے۔

اس تنظیم کا ملٹری ونگ 1991 میں قائم ہوا اور اس نے تشدد کو مختصر مدت اور طویل مدت مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔
اس تنظیم کی نظر میں یہ قومی آزادی اور کالونیل طاقت کو گزند پہنچانے کا معاملہ ہے۔ اور اس کے لئے مسلح مزاحمت ایک نفسیاتی حربہ ہے۔
یہ اسرائیلی سوسائٹی کے مورال پر فرق ڈالتا ہے اور طویل مدت میں اس کے لئے یہ اسرائیل کے لئے قبضہ برقرار رکھنا مہنگا بنا دیتا ہے۔
یہ طویل جنگ کا حربہ ہے۔
نوے کی دہائی میں شروع ہونے والا اس تنظیم کا طریقہ خودکش حملوں کا رہا جو بیس سال تک جاری رہا۔ اسرائیل نے جب دیوار بنالی تو یہ طریقہ ممکن نہیں رہا۔ اس کو راکٹ اور گولوں پر شفٹ ہونا پڑا۔ (اس کی ایک اور وجہ حزب اللہ کی طرف سے 2006 کی جنگ میں ان کا کامیاب استعمال بھی تھا)۔

راکٹ حملوں کی ایک اور کیلکولیشن بھی ہے۔ ان میں اضافہ یا کمی یا کچھ دیر کے لئے بالکل ختم کر دینا حالات کے حساب سے کیا جاتا ہے۔
کیونکہ یہاں ایک اور تاریک ستم ظریفی ہے۔ اس علاقے کو عالمی توجہ اس وقت ملتی ہے جب کوئی واقعہ ہو۔ اور اس وقت اسرائیل پر سفارتی دباؤ میں اضافہ ہوتا ہے۔ راکٹ حملوں سے اسرائیل ردِعمل بھی آتا ہے اور ساتھ عالمی توجہ بھی۔ اور غزہ کے شہریوں کے لئے عالمی امداد بھی۔
ان کا ایک اور مقصد تنظیم کے لیڈروں کو قتل کرنے کا بدلہ لینا ہے۔ جب اسرائیل ایسا کرتا ہے تو اس کو سزا کے طور پر جواب دینے کے لئے راکٹ پھینکے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد بھی یہ ہے کہ اسرائیل کے ایکشنز پر اس کے لئے قیمت اونچی کر دی جائے تاکہ وہ انہیں دہراتے وقت زیادہ احتیاط کرے۔
ایک اور مقصد یہ دکھانا بھی ہے کہ یہ تنظیم مسلح جدوجہد پر یقین رکھتی ہے۔ اس کی بھی ایک اور تاریک وجہ ہے۔ اس تنظیم کو غزہ میں دوسرے عسکری گروپس سے مقابلہ ہے۔ ان میں کئی دوسری عسکری تنظیمیں ہیں جو اس تنظیم پر الزام لگاتی ہیں کہ وہ اسرائیل سے لڑنے کو تیار نہیں۔ اور ان گروپس کو اسرائیل پر راکٹ پھینکنے سے روکتی ہے (اور یہ درست ہے)۔ ایک اور الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ یہ تنظیم غزہ پر اسلامی شریعت کا نفاذ نہیں کر رہی۔ (اور یہ بھی درست ہے)۔

ان الزامات کا مقابلہ کرنے کے لئے، مزاحمت کی تنظیم کے طور پر شہرت برقرار رکھنا بیرونی ملک سے آنے والی مدد اور ممبران کی وفاداری کے لئے یہ ضروری ہے، جس میں یہ حملے مدد کرتے ہیں۔

اسرائیل کی طرف سے تباہ کن طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد اس تنظیم کو کوئی رعایت دئے بغیر راکٹ حملوں کا استعمال اس کے لئے مہنگا کرنا ہے۔ اسرائیل کو معلوم نہیں ہوتا کہ راکٹ کس نے فائر کئے، اس لئے وہ اسی تنظیم کو ہی ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور تباہی پھیلانا اس کے لئے حربہ ہے کہ ان سے باز رہا جائے۔ بڑے آپریشن کے بعد حملوں کی تعداد میں کمی آجاتی ہے۔ آہستہ آہستہ یہ آپریشن بحال کر لیا جاتا ہے اور یہ چکر جاری رہتا ہے۔

پہلی غزہ جنگ میں 1300 فلسطینی اور 23 اسرائیلی ہلاکتیں ہوئی۔ دوسری غزہ جنگ پچاس روز تک جاری رہی، اس میں 2250 فلسطینی ہلاکتیں ہوئیں اور ایک لاکھ لوگوں کے گھروں کو شدید نقصان پہنچا۔ غزہ کی ایک چوتھائی آبادی بے گھر ہوئی۔ اسرائیل کی طرف سے 72 ہلاکتیں ہوئیں۔

اس نے تنظیم کی عسکری صلاحیت کمزور کر دی، سیاسی اثر مضبوط کر دیا۔ یہاں پر یہ یاد رہے کہ اسرائیل کو غزہ پر اس تنظیم کا کنٹرول سوٹ کرتا ہے۔ کسی بھی حملے میں اس گروپ کو تباہ کرنے یا اسے پاور سے ہٹانے کا ارادہ نہیں رہا۔ اسے کمزور کرنا مقصد تھا لیکن اتنا نہیں کہ یہ علاقے کا کنٹرول برقرار نہ رکھ سکے۔ کیونکہ اسرائیل واپس غزہ میں فوج نہیں بھیجنا چاہتا اور غزہ کی گورننس کے لئے اس کا انحصار اسی تنظیم پر ہے جو علاقے کا نظم ونسق بھی چلاتی ہے اور زیادہ ریڈیکل گروہوں کو کنٹرول بھی کرتی ہے۔ اسرائیلی پالیسی میں اس کی حکومت کا جاری رہنا "بری آپشنز میں سے بہترین" ہے۔

غزہ کی جنگیں اسرائیل اور غزہ کی حکمران تنظیم کے مختصر مدت مقاصد پورا کر دیتی ہیں لیکن غزہ کے شہریوں نے ان کی بھاری قیمت ادا کی ہے۔ مرنے والوں کے اعداد ایک طرف، لاکھوں شہری نفسیاتی صدمات کا شکار ہیں۔

اسرائیل کی طرف سے یہاں پر کی جانے والی بھاری طاقت کا استعمال اس کے لئے عالمی تنقید میں اضافے کا باعث بن رہا ہے۔ خاص طور پر یورپی ممالک کی طرف سے۔

نومبر 2018 میں نوبت تیسری غزہ جنگ تک آنے لگی تھی لیکن مصر اور اقوامِ متحدہ کی کوششوں سے جنگ بندی ہو گئی۔ یہاں پر جنگ بندی ہمیشہ نازک رہی ہے اور کوئی توقع نہیں رکھتا کہ کوئی جنگ بندی زیادہ عرصہ رہے گی۔

کیا طویل مدت کا امن قائم ہو سکتا ہے؟ اس کا انحصار اس پر ہے کہ کیا اسرائیل اور یہ تنظیم کسی معاہدے تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ معاہدہ بالواسطہ ذرائع سے کئے گئے مذاکرات سے ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے فلسطین کی طرف سے غزہ کی معاشی مدد اور انفراسٹرکچر کی تعمیرِ نو کا مطالبہ ہے جبکہ تنظیم کی طرف سے قیدیوں کو آزاد کروانے کا بھی ہے۔

بدقسمتی سے ایسے معاہدے تک پہنچے کا امکان کم ہے۔ اگرچہ یہ امکان پھر بھی اسرائیل اور پی ایل او کے درمیان ہونے والے امن معاہدے سے بہتر ہے۔

سوالات و جوابات

JavedGondalJaved

محترم!

مجھے تو یوں لگا جیسے اپ نے یہ ساری مشقت اور اتنی اقساط محض "یہ تنظیم. یہ تنظیم "یعنی حماس جسے آپ یہ تنظیم تنظیم کہہ کر مخاطب ہیں اس (حماس) کو کٹہرے میں کھڑا کرنے اور اسرائیل کو قدرے فری ہینڈ دینے اور فلسطین کے لئے تڑپتے جزبوں کو ماند کرنے اور اسرائیل کے لئے سافٹ امیج پیدا کرنے کے لکھی ہیں.

آپ کی تحاریر سے تو یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ تنظیم کے بانی شیخ احمد یاسین نے حماس کو قائم ہی صرف اقوام متحدہ سے چندہ کھانے کے لئے کیا تھا. جس کے بدلے وہ وقتاً فوقتاً اسرائیل سے چھیڑ چھاڑ کر لیتی ہے. اور فلسطینی جو کیمرے کے سامنے اور کیمرے کی غیر موجودگی میں مارے گئے اور مارے جا رہے ہیں یہ محض ہالی وڈ کی کسی ڈروانی فلم کا حصہ ہیں.

حماس نے نہتے فلسطینیوں کے دلوں سے قابض اسرائیلیوں کا ڈر اور خوف ختم کیا ہے اور وہ دشمن کی ظاہری برتری کے باوجود مزاحمت کے لئے اسکی انکھوں میں انکھیں ڈالے کھڑے ہیں. اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس تنازعے کے دیگر عرب ممالک غلام اور صرف غزہ آزاد ہے.

اس جدو جہد اور حالیہ جنگ سے پہلی بار حماس نے اسرائیل کے کاروبار زندگی کو مفلوج اور اسرائیلی عوام کو جنگ کی اس ہولناک تباہی کا احساس دلایا جو کئی عشروں سے فلسطینیوں پہ مسلط رہی ہے. ظالم اس وقت ظلم سے باز اتا ہے جب مظلوم کے ہاتھ اس کے گریبان تک

پہنچنے لگتے ہیں. حالیہ جنگ کے خاتمے پہ ایک فلسطینی نے کہا تھا کہ اسرائیل غزہ کو تباہ کر سکتا ہے مگر مزاحمت کے ہمارے جزبے کو شکست نہیں دے سکتا۔

اس حالیہ جنگ میں فلسطینیوں کی ایک اور کامیابی بھی نوٹ فرمالیں کہ اس بار پہلی دفعہ امریکہ میں نوجوانوں کی اکثریت 56٪ کی ہمدردی فلسطین کے ساتھ ہوئی ہے اور دہائیوں پہ محیط سامری کا سحر ٹوٹا ہے. اور امریکہ میں اسرائیل کی بے جا حمایت پہ سوال اٹھ رہے ہیں.

یہ اور اس طرح کے وہ دیگر فوائد جو اس جنگ میں فلسطینیوں کو پہلی بار حاصل ہوئے ہیں ان کا تذکرہ آپ کی آنکھ سے کیسے اوجھل رہا جبکہ آپ کا سارا زور حماس کا وجود اسرائیل کے مرہون منت بیان کرنے پہ ہے.

ممکن ہے کہ اپ کو محسوس نہ ہوا مگر آپ کی یہ اقساط توازن قائم نہیں رکھ سکیں. اور ان میں جانبدارانہ بو آتی ہے جسے اپ تاریخ کا جبر کہہ کر اپنے قاری کے ذہن پہ مسلط کر رہے ہیں.

ایک قاری کی حیثیت سے نشاندھی کر رہا ہوں. تاریخ کے جبر کے نام سے مظلوم کو ظالم اور ظالم کو مظلوم ثابت کرنے کی کوششیں عرصہ سے جاری ہیں مگر بالآخر سچ سامنے آ ہی جاتا ہے.

واضح طور پہ اپ کی معلومات کا مآخذ یک طرفہ ہے. بہتر ہوتا اگر ہر قسط کے آخر میں کتب کے حوالہ جات بھی دے دیتے.

WaharaUmbakar

"یہ تنظیم "مجبوراً اس لئے لکھنا پڑا کہ فیس بک نے پچھلی قسط وارننگ دے کر سنسر کر دی تھی، ورنہ ظاہر ہے کہ اس تنظیم سے مراد حماس ہی ہے۔

کتب کے حوالہ جات پہلی قسط کے آخر میں دئے گئے ہیں۔ یہ والی قسط ایک فلسطینی "راشد الخالدی" کی کتاب سے ہے جو ایک فلسطینی ایکٹویسٹ ہیں اور اسرائیل کی جیل میں رہ چکے ہیں۔ اس میں لکھی جس بھی چیز کے بارے میں سوال ہو، وہ پوچھ لیجئے۔

JavedGondalJaved

آپ شاید رشید خالدی Rashid Khalidi . رشید اِسماعیل خالدی کا زکر کر رہے ہیں. جو امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی میں ماڈرن عرب اسٹڈیز کے پروفیسر ہیں.

مجھے یہ جان کر افسوس ہوا کہ فیس بک انتظامیہ کی طرف سے پابندی کی وجہ سے آپ کو مشکل ہوئی ایسی صورت میں آپ اصل صورتحال لکھ کر اپنی تحریر درست پس منظر میں لکھ دیتے اور نتیجہ اللہ پہ چھوڑ دیتے.

ہم سب ان پابندیوں سے بارہا گزرے ہیں. اس لئے میرا ایک ادنی سا مشورہ ہے کہ بعین فیس بک کے پیج کی طرح ایک بلاگ بھی بنالیں جہاں آپ اپنی تحاریر اور دیگر کام محفوظ کرتے جائیں اور ناگہانی صورت میں وہاں کے لنکس شئیر کر دیں.

اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو.

WaharaUmbakar

جی، اور اگلی تین اقساط ڈیوڈ ووکسمین کی کتاب سے ہوں گی۔

فیس بک سے تحریریں ہٹائے جانے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ایک بلاگ میں بھی تمام تحریریں موجود ہیں۔

بلاگ کا لنک دینا فیس بک پر ممنوع ہے لیکن سرچ کر کے اس تک پہنچا جا سکتا ہے۔

دو ریاستی حل

مسئلہ فلسطین کا حل کیا ہے؟ اس کا پیشکر دہ ایک حل دو ریاستوں کا قیام ہے۔ فلسطین اور اسرائیل۔ اور یہ حل بہت پرانا ہے۔ اقوامِ متحدہ کی 1947 میں منظور کردہ قرارداد 181 یہی حل پیش کرتی ہے۔ اگرچہ یہودیوں نے اپنی ریاست حاصل کر لی لیکن فلسطینیوں نے نہیں۔ ان کو گھروں سے اور زمین سے محروم ہونا پڑا اور پچھلی پانچ دہائیوں سے اسرائیل کے قبضے میں رہنا پڑا ہے۔ فلسطینی ریاست کی تخلیق کو

مسئلے کا بہترین حل سمجھا جاتا رہا ہے۔ اور 1990 کی دہائی میں اس حل تک پہنچنے کی امید بلند تھی۔ اسحاق رابین کے قتل، امن مذاکرات ختم ہو جانے اور پھر دوسرے انتفاضہ کے بعد اب ایسا نہیں۔ اس کی امید وقت کے ساتھ ماند پڑتی گئی ہے۔
اب، کم لوگ ہی ایسا سمجھتے ہیں کہ دو ریاستی حل نکل آئے گا۔ کسی وقت جو ناگزیر لگتا تھا، اب ناممکن سا لگتا ہے۔

اسرائیلی اور فلسطینی سیاست بھی یہی بتاتی ہے کہ دو ریاستی حل مشکل میں ہے۔ اگرچہ اس کو اصولی طور پر دونوں فریقین نے قبول کر لیا تھا لیکن اب اس سے پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں۔ اس قدر طویل کوششوں کے بارآور نہ ہونے کے بعد اس کی امید باقی نہیں رہی۔ اور دونوں اطراف کا کہنا ہے کہ امن قائم کرنے کے لئے دوسری طرف کوئی ساتھی نہیں ہے۔ ایک حالیہ سروے کے مطابق اس حل کی حمایت اسرائیل میں 48 فیصد ہے (اسرائیلی یہودیوں میں یہ 39 فیصد ہے، جبکہ عربوں میں بلند ہے) جبکہ فلسطین میں 37 فیصد ہے۔ کسی وقت میں دونوں اطراف میں اسے بہت سپورٹ حاصل تھی۔

اس بارے میں یاسیت بلاوجہ نہیں، اچھی بنیاد پر ہے۔ اس حل کو کام کرنے کے لئے تین مراحل ہیں۔ پہلا یہ کہ فریقین کے نمائندگان کا مذاکرات میں حل پر متفق ہونا، دوسرا مرحلہ آپس میں طے کردہ شرائط کو اعلانیہ تسلیم کرنا اور اپنے لوگوں سے اس کو منوانا اور تیسرا مرحلہ اس پر کامیابی سے عملدرآمد کروانے کا ہے۔ ان تینوں مراحل میں سے ہر ایک بہت مشکل کام ہے۔ اگرچہ سیاسی ارادہ ہو تو یہ سب بھی ہو سکتا ہے لیکن اس وقت یہ ارادہ موجود نہیں۔

پہلا چیلنج امن مذاکرات کی بحالی ہے کیونکہ اس کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ریاستِ فلسطین موجود ہے، دنیا کے اکثر ممالک اسے تسلیم کرتے ہیں اور یہ اقوامِ متحدہ میں مبصر کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس کا وجود حقیقت سے زیادہ کاغذ پر ہے۔ اسے حقیقت بنانے کے لئے اور فلسطینیوں کو خودمختاری دینے کے لئے اسرائیل کو مغربی کنارے، مشرقی یروشلم اور غزہ پر سے اپنا براہِ راست یا بالواسطہ کنٹرول ختم کرنا ہو گا۔ یہاں پر ایک پہلو یہ ہے کہ اسرائیل کی عسکری اور معاشی طاقت کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اسے
زبردستی نہیں کروایا جا سکتا۔ اور عالمی دباؤ عام طور پر قوم کو دباؤ کے مخالف پوزیشن پر متحد کر دیتا ہے۔
مفاہمت کے ذریعے امن معاہدے تک پہنچنا طویل مدت امن کے قیام کی اچھی آپشن معلوم ہوتی ہے لیکن یہ ناکام رہی ہے۔ دونوں طرف کے زیادہ تر شہری اب اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ بات چیت کسی چیز کا حل نہیں۔ مذاکرات کا آخری راؤنڈ کیمپ ڈیوڈ میں اور طابا میں اولمرٹ اور محمود عباس کے درمیان 2013 اور 2014 میں ہوا تھا۔

نیتن یاہو کو قیامِ امن میں دلچسپی نہیں تھی۔ان کے لئے سیکورٹی بڑی ترجیح تھی اور ان کا کہنا تھا کہ وہ فلسطین کو مکمل ریاست دے ہی نہیں سکتے۔ایک نیم خود مختار ریاست فلسطینیوں کو قابلِ قبول نہیں ہوگی۔مذاکرات ناکام ہی ہوں گے۔ان کا فائدہ نہیں۔

نیتن یاہو 2015 کے انتخاب میں فلسطینی ریاست کا قیام روکنے کے وعدے پر آئے تھے۔اس لئے انہیں کوئی امن مذاکرات شروع کرنے میں اندرونی دباؤ بھی نہیں تھا۔اسرائیل میں رائے عامہ کے لئے فلسطین تنازعہ طے کرنا اب ویسے بھی اہم سیاسی ایشو نہیں رہا۔اس کی ترجیحات سیکورٹی، معیشت، تعلیم، روزگار وغیرہ ہیں۔

نیتن یاہو کا اپنا سیاسی فائدہ مذاکرات نہ کرنے میں رہا۔ان کی کابینہ کے رائٹ ونگ وزراء دو ریاستی حل کے مخالف تھے۔اور نازک مخلوط حکومت میں اس لائن سے ہٹ کر کوئی بھی قدم لینا حکومت خطرے میں ڈالنے والی بات تھی۔

فلسطین اتھارٹی کے صدر محمود عباس دو ریاستی حل کے حق میں ہیں۔اور امن پراسس کے حامی رہے ہیں لیکن لگتا ہے کہ وہ تھک چکے ہیں۔ان کی عمر 85 سال ہے اور صحت بہت اچھی نہیں۔ان کی توجہ اقتدار میں رہنے پر اور سیاسی مخالفین سے نپٹنے پر زیادہ رہی ہے۔اور ان پر بھی مذاکرات کے لئے کوئی اندرونی دباؤ نہیں۔

محمود عباس کا سیاسی مفاد بھی مذاکرات نہ کرنے میں ہے۔پی ایل او کی سینئیر قیادت اس کے حق میں نہیں اور فلسطینی سیاست میں ان کی حریف جماعت "ح" بھی اس کے خلاف ہے۔

اور اگر محمود عباس واپس مذاکرات کی میز پر آتے ہیں تو ان کے پاس پاپولر مینڈیٹ نہیں۔ان کا عہدہ ختم ہونے کی معیاد 2009 تھی لیکن دوبارہ انتخاب نہیں ہوئے۔عوامی سروے کے مطابق وہ پبلک سپورٹ کھو چکے ہیں اور زیادہ تر لوگ ان سے استعفے کی توقع رکھتے ہیں۔چونکہ وہ فلسطینیوں کی نمائندگی نہیں کرتے اس لئے امن مذاکرات میں کچھ بھی طے کرنے کا فائدہ نہیں ہوگا۔

ان وجوہات کی بنا پر اس بات کا بہت کم امکان ہے کہ جلد امن مذاکرات بحال ہوں۔

فلسطین کا ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ نئی نسل نہ ہی پی ایل او اور نہ ہی "ح" پر بھروسہ کرتی ہے۔ان کو مفاد پرست اور کرپٹ قیادت سمجھا جاتا ہے۔دوسرا یہ کہ یہ دونوں جماعتیں آپس میں شدید اختلافات رکھتی ہیں۔دونوں الگ حصوں پر حکمران ہیں اور یہ حصے آپس میں منقطع ہیں۔اس صورتحال میں یہ بھی طے نہیں کہ فلسطینی نمائندگی کا مطلب کیا ہوگا۔

اور اگر مذاکرات کسی طرح سے شروع ہو جاتے ہیں تو یہ ایسی کوئی وجہ نہیں کہ یہ توقع رکھی جائے کہ نتیجہ پہلے سے مختلف ہو گا۔ مرکزی مسائل ۔۔۔ یروشلم، مہاجرین، سرحدیں اور سیکورٹی ۔۔۔ ویسے ہی حل طلب ہیں۔ وقت کے ساتھ اگرچہ ان میں حل کی امید نظر آئی تھی اور دونوں اطراف کے اختلافات میں کمی ہوئی تھی لیکن اختلافات صرف برقرار ہیں۔

اور ان کو پُر کرنے کے لئے جذباتی طور پر تکلیف دہ اور سیاسی طور پر غیر مقبول سمجھوتے کرنے پڑیں گے۔ اور کوئی بھی کمزور قیادت رائے عامہ سے ہٹ کر جراتمندانہ فیصلے نہیں کر سکتی۔

دو ریاستی حل پر اتفاق کرنا ایک بڑا چیلنج ہے لیکن اس کا عملی نفاذ اس سے بھی بڑا۔ امن کے معاہدے کی اپنی عوام سے قبولیت لینا پڑی گی جو یقینی نہیں۔ تاریخی طور پر ایسے واقعات ہو چکے ہیں کہ مشکل سے طے کردہ امن ڈیل کو ووٹروں نے مسترد کر دیا (قبرص میں 2004 میں اور کولمبیا میں 2016 میں)۔

ایک طرف تو دو ریاستی حل کی عوامی مقبولیت کم ہو رہی ہے لیکن اس تک پہنچنے کی جزئیات پر حمایت حاصل کرنا اصل بڑا مسئلہ ہے۔ مہاجرین کے مسئلے پر اتفاق کا کیا مطلب ہو گا؟ یروشلم پر کس کا کنٹرول ہو گا؟ یہ بڑے حل طلب مسائل ہیں۔

لیکن رائے عامہ جامد نہیں ہوتی۔ ٹھیک سیاسی ماحول ہو تو اس کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اگر کسی حل تک پہنچ سکا جائے تو دونوں طرف سے لوگوں کی بڑی تعداد اسے مسترد کر دے گی۔ یہ تعجب کی بات نہیں، ایسا ہی ہوتا ہے۔ صرف یہ کہ یہ مخالفت کس قدر شدت سے کی جائے گی۔

جب اسرائیل نے فیصلہ لیا تھا کہ اس نے غزہ کی بستیاں چھوڑ دینی ہیں تو اسرائیلی ڈیفنس فورس نے صرف پانچ روز میں آٹھ ہزار اسرائیلیوں سے اکیس بستیوں کو کامیابی سے خالی کروا لیا تھا۔ زیادہ تر آبادکاروں نے انہیں خالی کرنے سے انکار کر دیا تھا اور سختی سے ڈٹے رہے تھے لیکن انہیں طاقت استعمال کر کے سے گھروں سے نکال دیا گیا تھا۔ ان کی حمایت کرنے مغربی کنارے سے بھی آبادکار آئے تھے۔ خدشہ تھا کہ مزاحمت مسلح تصادم کی طرف جا سکتی ہے لیکن بغیر جانی نقصان کے ہو گیا تھا۔ صرف یہ کہ چیختے چلاتے لوگوں کو کھینچ کر اور گھسیٹ کر گھروں سے نکالنا پڑا تھا۔ لیکن کوئی گولی چلائے بغیر اسرائیلی آرمی نے یہ کام کر لیا تھا جو اپنے عوام میں غیر مقبول تھا۔

یہ دکھاتا ہے کہ آبادیاں خالی کی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ امن کی صورت میں اس سے کئی گنا زیادہ آبادیاں خالی کرنا پڑیں گی لیکن اسرائیلی

حکومت ایسا کرنے کی اہل ہے، اگرچہ کہ یہ بہت مہنگا سودا ہو گا۔

اگر اسرائیل کے لئے معاہدے پر عملدرآمد مشکل ہو گا تو فلسطینی اتھارٹی کے لئے مشکلات زیادہ ہیں۔ خاص طور پر مخالف سیاسی جماعت کے ہارڈلائنرز سے۔

یہاں پر یہ نوٹ کرنے کی ضرورت بھی ہے کہ ح م اس کو انتہا پسند گروپ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے لیکن یہ تاثر اس تنظیم کی ٹھیک عکاسی نہیں کرتا۔ اس نے بہت سے معاملات پر معتدل پوزیشن لی ہے۔ اسکی طرف سے دو ریاستی حل کی حمایت کی ضرورت نہیں، صرف یہ کہ کسی بھی معاہدے کے عملدرآمد میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اس کی پوزیشن یہ ہے کہ اگر کوئی بھی معاہدہ ہوا جس کو ریفرنڈم میں لوگوں نے قبول کر لیا تو وہ اس کا احترام کرے گی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ پی ایل او یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ اپنی مخالف تنظیم سے زبردستی کچھ بھی منوا سکے۔

دوسرا یہ کہ اگر "ح" مغربی کنارے میں بھی حکومت میں آ جاتی ہے تو پھر دو ریاستی حل کا امکان بالکل ہی ختم ہو جائے گا، کیونکہ یہ فلسطینی اتھارٹی کا کیا گیا کوئی معاہدہ تسلیم نہیں کرتی۔

کئی ماہرین کا خیال ہے کہ دو ریاستی حل تک پہنچنے کے لئے وقت نکلا جا رہا ہے۔ موقع کی کھڑکی بند ہو رہی ہے۔ کئی دوسرے ماہرین کا خیال ہے کہ یہ وقت نکل چکا ہے۔ اس لئے ہم کچھ دوسرے تجویز کردہ اور ممکنہ حل بھی دیکھتے ہیں۔

سوالات و جوابات

SaleemJamali

سر اسرائیل کے اس نقشے کو اکثر پیش کیا جاتا ہے یہ تاثر دینے کیلیے کہ اسرائیل نے اس فلسطین پر وقت گزرتے گزرتے کس طرح قبضہ کر لیا ہے۔ یہ نقشہ جو آپ نے لگایا ہے یہ اقوام متحدہ نے منظور کیا تھا اسرائیلی ریاست کیلیے ؟

WaharaUmbakar

ایک نقشہ وہ تھا جو اقوامِ متحدہ کی قرارداد کا حصہ بنا تھا۔ اس کے مطابق یہاں کی پوری زمین کا پچپن فیصد اسرائیل کے پاس جانا تھا۔

پہلی اسرائیل عرب جنگ کے بعد جب 1949 میں سرحدیں بنیں تو اسرائیل کے پاس تجویز کردہ رقبے سے زیادہ کا علاقہ تھا۔ باقی اردن اور مصر کے پاس چلا گیا۔

یہ سرحدیں اٹھارہ سال تک ویسی ہی رہیں۔ جب عرب اسرائیل جنگ ہوئی تو اسرائیل نے اس علاقے کے علاوہ بہت سا اور علاقہ بھی پڑوسی ممالک سے حاصل کر لیا۔ اگلے برسوں میں دوسرے ممالک کے علاقے پر (گولان کے علاوہ) تصفیہ ہو گیا۔ مغربی کنارہ اور غزہ تب سے اسرائیل کے پاس ہی ہے۔

مذاکرات میں فلسطینی پوزیشن یہ ہے کہ 1949 کی جنگ بندی والی سرحدوں پر اسے خود مختاری دی جائے۔ یہ والا نقشہ فلسطینی مطالبے والی پوزیشن ہے۔ اقوامِ متحدہ کی قرارداد والی نہیں۔

اس وقت اس کا اصل کنٹرول اسرائیل کے پاس ہے۔ کچھ شہر اور علاقے اوسلو معاہدے کے تحت فلسطین کو دئے گئے تھے لیکن یہ رک گیا۔ مغربی کنارے میں ایریا سی کے علاقے اسرائیل کے پاس ہی ہیں۔ نقشوں میں آج کے نقشے میں ایریا سی کے علاقوں کو اسرائیل کا حصہ دکھایا جاتا ہے۔

SaleemJamali

اقوام متحدہ کی طرف سے کوئی حد بندی (نقشہ) تیار کی گئی تھی یا صرف پچپن فیصد اسرائیل کو دینے کی بات ہوئی؟

WaharaUmbakar

اقوامِ متحدہ کی قرارداد کے ساتھ یہ نقشہ تھا۔

ShafiqAhmad

ح ماس الگ لکھنے کی وجہ کیا ہے بھلا؟

WaharaUmbakar

اس سیریز کی ایک قسط فیس بک کی طرف سے ہٹا دی گئی اور وارننگ دے دی گئی۔ ٹھیک وجہ معلوم نہیں، اس لئے احتیاطاً اس پوسٹ میں ایسا کیا ہے۔(اس سے پچھلی پوسٹ میں "یہ تنظیم" لکھا تھا جس سے شاید غلط تاثر گیا)۔

ShafiqAhmad

قبرص و کولمبیا کا تھوڑا بتا دیجیے

WaharaUmbakar

کولمبیا کی حکومت اور باغی گوریلا کے درمیان 57 سال سے جنگ جاری ہے۔اس پر امن معاہدہ ہوا جس کی عوامی ریفرنڈم میں توثیق کی جانی تھی۔50.2 فیصد لوگوں نے اس کے خلاف ووٹ دیا، 49.8 فیصد نے حق میں۔یہ مسترد ہو گیا۔

https://en.wikipedia.org/.../2016_Colombian_peace...

قبرص کو یکجا کرنے پر طویل عرصے کے مذاکرات کے بعد ہونے والے معاہدے کو ریفرنڈم میں مسترد کر دیا گیا۔

https://en.wikipedia.org/.../2004_Cypriot_Annan_Plan...

MuhammadShahbaz

سر۔۔یعنی پھر امن کے بارے میں نا ہی سمجھیں۔۔۔۔۔؟؟

WaharaUmbakar

بہت مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں

ایک ریاستی حل

دو ریاستی حل کی امید ماند پڑ جانے سے ایک ریاستی حل میں دلچسپی میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ بھی بہت پرانا آئیڈیا ہے۔ جب فلسطینی اور صیہونی نیشنلسٹ کے درمیان مسلح ٹکراؤ شروع ہوا تھا تو برٹش انتظامیہ نے ایک ریاستی حل تجویز کیا تھا (جو ناکام رہا تھا)۔ اس کے مطابق ایک ہی ریاست میں عرب اور یہودی اقتدار میں شرکت کریں۔ یہودی دانشوروں نے ایک گروپ بنایا تھا جس میں فلسفی مارٹن بوبر بھی تھے۔ برٹ شالوم (امن کا اتحاد) نامی اس گروپ کا منشور یہودی اور عرب مشترک ریاست کا قیام تھا۔ سوشلسٹ صیہونی تنظیم ہاشومر ہاتزیر (نوجوان سپاہی) نے بھی اس کی حمایت کی تھی۔ کسی وقت میں صیہونی لیڈر بن گوریان بھی اس کی حمایت میں رہے تھے۔ اسرائیل کے قیام کے بعد اسرائیل میں اس کی حمایت بہت کم رہ گئی۔

فلسطین کی طرف سے اس بارے میں رائے تبدیل ہوتی رہی ہے۔ جب 1965 میں پی ایل او قائم ہوئی تھی تو اس کا اصل منشور ایک متحد ریاست بنانا تھا جو جمہوری اور سیکولر ہو۔ پی ایل او نے اپنے موقف کو 1988 میں ترک کر دیا اور دو ریاستی حل کو تسلیم کر لیا۔

غزہ اور مغربی کنارے کے زیادہ تر فلسطینیوں نے بھی اوسلو معاہدے کے بعد دو ریاستی حل کو تسلیم کر لیا۔ اس توقع میں کہ یہ ریاست جلد قائم ہو جائے گی۔ لیکن جب ان میں ناکامی ہوئی اور اسرائیلی آبادیاں پھیلتی گئیں تو واپس ایک ریاستی حل کی بات ہونے لگی۔

اس کی ایک وجہ مہاجرین کی واپسی کا مسئلہ ہے جو دو ریاستی حل میں ممکن نہیں۔

ایک ریاستی حل کو فلسطین میں توجہ مل رہی ہے۔ اس کی بڑی اپیل یہ ہے کہ ایک ریاست تو پہلے سے موجود ہے۔ اسرائیل عملی طور پر بحیرہ روم سے دریائے اردن کے درمیان کی تمام زمین پر کنٹرول رکھتا ہے۔ اس موجود حقیقت کو تبدیل کرنے کی کوشش کے بجائے کیوں نہ اسرائیل میں ضم ہو جایا جائے۔ اس طرح یہاں رہنے والوں کو اسرائیلی شہریوں والے حقوق حاصل ہو جائیں گے۔

اسرائیلی حکمرانی میں برابر کے حقوق ہوں تو پھر امن مذاکرات کی ضرورت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یروشلم کی تقسیم اور کنٹرول کی بات بے معنی ہو جاتی ہے۔ کئی پیچیدہ ایشو خود بخود غائب ہو جاتے ہیں۔

اس کے حامی تجویز کرتے ہیں کہ فلسطینی سول رائٹس تحریک چلائیں جیسا کہ امریکہ میں کیا گیا تھا۔ ایک ریاست میں "ایک شخص، ایک ووٹ" تمام مسائل کا حل ہے۔ اس سے دنیا میں حمایت بھی آسانی سے مل جائے گی۔

اس حل کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بھی اس کے حق میں نہیں۔ زیادہ تر اسرائیلی اور فلسطینی ایک دوسرے کے ساتھ ایک ریاست میں نہیں رہنا چاہتے۔ یہ حل دانشوروں میں مقبول رہا ہے لیکن اسرائیلی یہودی اور فلسطینی عوام میں نہیں۔ اسرائیلی یہودیوں کے لئے اس کا مطلب اسرائیل کے تصور کا خاتمہ ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہودی خود اکثریت نہیں ہوں گے۔ ایسی جمہوریت قبول کرنا قومی خودکشی ہو گی۔

جس قسم کا ایک ریاستی حل اسرائیلی پالیسی سازوں کو قابلِ قبول ہو سکتا ہے، وہ ہے جس میں فلسطینیوں کو مکمل شہریت نہ ہو اور برابر کا حق نہ ہو۔

حالیہ برسوں میں اسرائیل کے رائٹ ونگ گروپ کے کچھ ممبران نے کئی طرح کے ایک ریاستی حل تجویز کئے ہیں۔ جیوش ہوم پارٹی (جس سے اسرائیل کے موجودہ وزیرِاعظم نفتالی بینیٹ کا تعلق ہے) نے یہ تجویز کیا ہے کہ اسرائیل تمام فلسطینی علاقے کو ضم کر کے فلسطینیوں کو اسرائیلی شہریت دے دے لیکن قومی اسمبلی کے انتخاب میں ووٹ کا حق کبھی نہ دیا جائے۔ انہیں صرف مقامی انتخابات میں ووٹ کا حق ہو۔

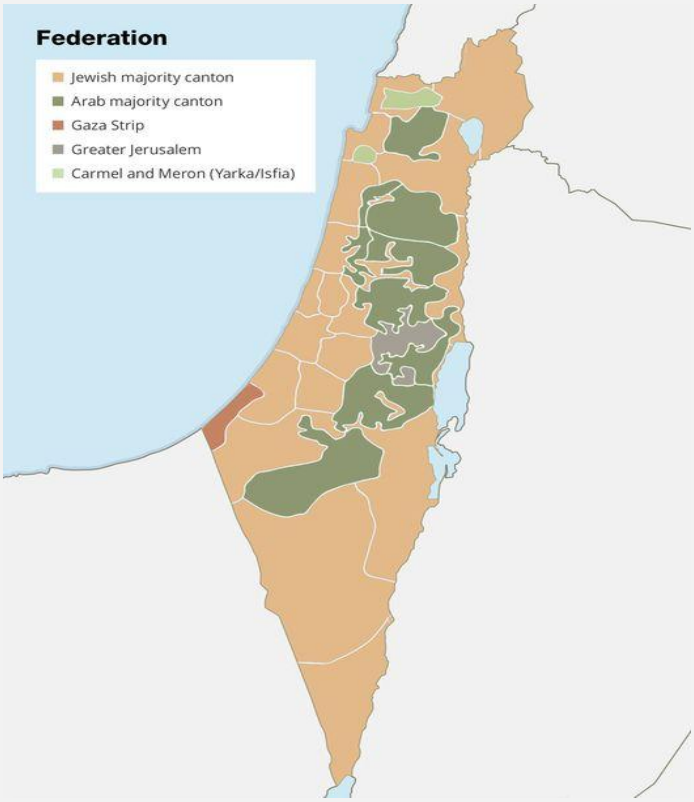

اس کے مخالفین کی طرف سے عام طور پر لبنان، سیریا، عراق، یمن اور اس سے پہلے بوسنیا اور کوسووو کی مثال دی جاتی ہے کہ الگ قوموں کا ایک ملک میں اکٹھے رہنا پر خطر کام ہے۔

فلسطینیوں اور اسرائیلیوں میں اس وقت بہت بڑا معاشی گیپ ہے۔ اسرائیل کا جی ڈی پی فی کس 37000 ڈالر ہے جبکہ غزہ اور مغربی کنارے کا 3000 ڈالر سے کم۔ ایک ریاست میں یہ الگ معاشی طبقات بن جائیں گے۔

عام طور پر ایک ریاستی حل کو لبرل یوٹوپیا سمجھا جاتا ہے یا پھر تنازعے کے دونوں طرف کے انتہاپسند اس کے حق میں رہے ہیں۔

موجودہ صورتحال "ایک ریاستی حالت" کی طرف جا رہی ہے لیکن "ایک ریاستی حل" کی طرف نہیں۔

سوالات و جوابات

AzharNazir

یہ یک ریاستی حل دونوں طرف سے دیوانے کے خواب کی طرح بار بار اچھلتا کودتا رھا. کوئی فلسطینی کبھی نہیں چاھے گا کہ یہودی / زائیونسٹ کو اس جیسا "اسرائیلی "شہری بنا دیا جائے..

اور کوئی زائیونسٹ کبھی نہیں چاھے گا کہ "فلسطینی عرب "کو ان حقوق کا عشر عشیر بھی ملے جو اس زائیونسٹ کو موجودہ اسرائیل میں حاصل ھیں...

WaharaUmbakar

امن کا مطلب ہی یہ ہے کہ جو آج ہونا ممکن نظر نہیں آتا، وہ ہو جائے۔

AzharNazir

بات آپکی میں وزن ھے مگر.. اتنے نفرت انگیز ماحول میں یک ریاستی یا یک قومی نظریہ--

Its a very utopian concept..

WaharaUmbakar

آپکی بات بالکل درست ہے۔اس وقت ماحول نفرت انگیز ہے اور ان حالات میں یہ utopian کانسیپٹ ہے۔

FaisalMehmood

ویسے سر عملی طور پر سارے فلسطین پر اسرائیل کی حکومت ہے، فلسطینی بے اختیار ہیں

WaharaUmbakar

آپ کی بات درست ہے۔اسی کو بغیر کسی حل کے "ایک ریاستی حالت "لکھا ہے۔

FaisalMehmood

بنجمن نیتن یاہو اسی لیے مغربی کنارے کا باقاعدہ الحاق کرنا چاہتا تھا اسرائیل سے

WaharaUmbakar

بنجمن نیتن یاہو اور ان کے موقف کو سمجھنے کے لئے یہ ویڈیو دیکھ لیں۔ یہ 1978 کی ہے جب وہ اٹھائیس سال کے تھے۔(ان کا موقف اب کچھ بدل چکا ہے)

FaisalMehmood

WaharaUmbakar link sir??

WaharaUmbakar

لنک یہ رہا۔

https://youtu.be/g1c-DSZ_l9Q

FaisalMehmood

ایک ریاستی حل جس میں فلسطینیوں کو قومی اسمبلی کے لیے ووٹ کا حق حاصل ہو،اسرائیل کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا کیونکہ ابھی بھی کوئی 10 عرب رکن ہی اسرائیلی پارلیمنٹ کے جن کی ایک جماعت موجودہ مخلوط حکومت میں شامل ہے،اگر غزہ اور مغربی کنارہ بھی ضم ہو جائے اسرائیل میں تو فلسطینی اسرائیل میں اکثریت میں ہو جائیں گے

WaharaUmbakar

ایسا ہی ہے۔شہریت کے ساتھ ون مین،ون ووٹ دینا اسرائیل کے لئے قابلِ عمل نہیں۔

SaleemJamali

CarmelandMeron

یہ کونسے علاقے ہیں اور ان میں آبادی کس کی زیادہ ہے

WaharaUmbakar

یہاں پر دروز آبادی زیادہ ہے۔

SaleemJamali

دروز الگ مذہب ہے؟

WaharaUmbakar

جی۔اور اسرائیلی دروز اپنی الگ شناخت رکھتے ہیں۔اس سلسلے میں دیکھنے کے لئے یہ ایک دلچسپ ویڈیو ہو گی۔

https://youtu.be/A_Bh2KRDAv4

ShafiqAhmad

معلوماتی!تقریبا چار ارب انسانوں کا فلسطین سے ایک جذباتی تعلق ہے۔اور وہ چند مقدس علاقے ہیں،ان کے انتظام و انصرام اور تولیت پر کچھ بتائیے!اگر دو ریاستی حل ہو تو؟اور یک ریاستی حل ہو تو؟

WaharaUmbakar

ایک ریاستی حل کی صورت میں تو یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ ریاست کے خدوخال جیسے بھی ہوں، اس سب کا انتظام اس ایک ریاست کے پاس ہو گا۔ دو ریاستی حل کی صورت میں یہ سب کچھ مذاکرات میں طے ہونا ہے۔

ShafiqAhmad

ایک سابقہ قسط سے متعلقہ سوال: مسجد اقصی میں یہودیوں کے داخلہ پر پابندی ہے؟ وضاحت سے کہئے!

WaharaUmbakar

اس پر کچھ پابندیاں ہیں۔

حرم الشریف کا انتظام 1967 تک اردن کے پاس تھا۔ جب اسرائیل نے اس علاقے کو اردن سے چھینا تو یہاں کے انتظام میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس کا انتظام جس ادارے کے پاس ہے، یہ اردن کا ہی ہے۔ اسرائیل نے اس کو تبدیل نہیں کیا۔ تاہم امن و امان کی ذمہ داری اسرائیل کے پاس ہے۔

یہاں کے بارہ دروازوں میں سے گیارہ صرف مسلمان استعمال کر سکتے ہیں۔ ایک دروازہ ہے جو سب کے لئے کھلا ہے۔ یہودی یا مسیحی آ سکتے ہیں لیکن ہفتے کے پانچ دن، زیادہ سے زیادہ چار گھنٹے کے لئے، سیاح کے طور پر اور کوئی گروپ پچاس سے زیادہ بڑا نہیں ہو سکتا۔ یہودی یا مسیحی اس علاقے میں عبادت نہیں کر سکتے۔

جب حالات کشیدہ ہوتے ہیں تو اسرائیل مسلمانوں پر بھی پابندی عائد کرتا ہے۔ مثلاً، کچھ عرصے کے لئے پینتالیس سال سے کم عمر کے مردوں اور پینتیس سال سے کم عمر کی خواتین کے داخلے پر پابندی رہی۔ اس وقت یہاں دس ہزار سے زائد لوگوں کا اکٹھا ہونا منع ہے۔

اس جگہ پر اسرائیل کا جھنڈا لہرائے جانا خلافِ قانون ہے۔

ShafiqAhmad

اس میں تبدیلی اسرائیلی خواہش ہے؟

WaharaUmbakar

نہیں۔ کچھ یہودی مذہبی گروپس کا اس صورتحال کو تبدیل کرنے کا مطالبہ رہا ہے اور وہ اس کے انتظام کو اردن کے پاس رہنے دینے پر اپنی حکومت پر تنقید کرتے رہے ہیں۔ لیکن اسرائیلی حکومت نے ایسا کرنے میں کبھی دلچسپی نہیں دکھائی۔

اختتام

اس وقت فلسطین کے مسئلے کے حل کے بارے میں یاسیت پائی جاتی ہے۔ کسی کو اس کے حل ہونے کی توقع نہیں رہی۔ دو ریاستی حل سے امید ختم ہو رہی ہے اور ایک ریاستی حل قابلِ قبول نہیں لگتا۔ لیکن یہ مسئلہ ناقابلِ حل نہیں ہے۔ حالیہ برسوں میں کئی نئے اچھوتے حل بھی پیش کئے گئے ہیں۔ مثلاً، ایک ریاستی اور دو ریاستی حل کے بیچ کا ایک راستہ ہے۔ اس کے مطابق اسرائیل اور فلسطین الگ ریاستیں ہوں جو ایک کنفڈریشن کی طرز کے اتحاد میں ہوں (جیسا کہ یورپی یونین ہے)۔ کچھ معاملات میں مشترک گورننس ہو، جیسا کہ ماحول یا پانی جیسے قدرتی وسائل کے استعمال پر۔ ایک عبوری مدت کے بعد سرحد کو کھول دیا جائے جہاں آزادی سے نقل و حرکت ہو سکے۔ یروشلم منقسم نہ ہو۔ اس کی میونسپل ذمہ داری اسرائیلی اور فلسطینی اتھارٹی کے مشترک کنٹرول میں ہو۔ مقاماتِ مقدسہ تک ہر ایک کو آزادانہ رسائی ہو (اقوامِ متحدہ کا 1947 کا یروشلم کا یہی پلان تھا)۔ دونوں ممالک کی اپنی شہریت ہو لیکن رہائش کہیں بھی رکھی جا سکے۔

اس پر 2018 میں سروے ہوا جس میں ایک تہائی اسرائیلی اور ایک تہائی فلسطینیوں نے ایسے پلان کی حمایت کی۔ اس پر گراس روٹ تحریک "Two states, one homeland" کی ہے۔ سابق اسرائیلی صدر روبی ریولین سمیت امن مذاکرات میں شرکت کرنے والے دونوں اطراف کے کئی لوگ اس حل کے حامی ہیں۔

لیکن ایسے یا کسی بھی اور حل پر عملی پیشرفت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک باہمی خوف اور شک موجود ہے۔ مختصر مدت میں یہ کہیں جانے والا نہیں۔ اس کے لئے طویل المدت کوشش کی ضرورت ہو گی۔ اس کا پہلا قدم آپس میں لوگوں کے رابطوں سے ہو گا اور اس کی کامیاب مثالیں موجود ہیں۔

جب آئرش نے برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بغاوت کی تھی تو برٹش فوج نے اس کو بے مثال بے رحمی سے کچلا تھا۔ ایسا کسی اور برٹش کالونی کے ساتھ نہیں کیا گیا تھا۔ لڑنے کے لئے گرفتار کئے گئے آئرش باغیوں کو ٹینکوں اور فوجی گاڑیوں کے گرد باندھ دیا جاتا تھا تاکہ لڑنے والے باغی اپنے ساتھیوں کی وجہ سے حملہ نہ کر سکیں۔ یہ بہت تلخ مذہبی لڑائی بھی تھی۔ اس مسئلے کے حل پر دہائیاں لگیں، لیکن امن آ گیا۔

شمالی آئرلینڈ میں امن کا عمل کامیاب ہونے کی ایک وجہ امن قائم کرنے کے طویل مدت پراجیکٹ تھے جنہوں نے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کمیونیٹی کو اکٹھا کیا تھا۔ اس محنت پر بہت وقت لگا تھا اور بالآخر 1998 میں گڈ فرائی ڈے معاہدہ ہوا تھا۔

انتفاضہ الاقصیٰ کو شروع ہوئے دو دہائیاں بیت گئیں۔ تب سے، کسی بھی طرح کا اسرائیلی اور فلسطینی میل ملاپ ختم ہو چکا ہے۔

اسرائیلیوں نے فلسطینی دیکھے ہی نہیں۔ فلسطینیوں نے صرف چیک پوسٹوں پر بندوق والے اسرائیلی فوجی دیکھے ہیں۔ اس صورتحال میں کسی کے پاس کوئی جادو نہیں جو امن قائم کر سکے۔ ایسی صورت میں دوسرے فریق کو بطور انسان سمجھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

اسرائیل علاقے کی بڑی عسکری طاقت ہے۔اس کا مغربی کنارے پر قبضہ ہے۔اس نے غزہ کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔کھیل کے پتے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ فلسطینیوں کے پتھر اور راکٹ یہ احساس دلا سکتے ہیں کہ "ہم بھی ہیں"، اس سے زیادہ نہیں۔ امن کی بڑی ذمہ داری اسرائیل کی ہے۔ فیصلے اسے لینے ہیں اور ایسے کئی اقدامات ہیں جو کئے جا سکتے ہیں۔

اسرائیل میں سیاسی جماعتیں ہیں جو مذاکرات کا انتظار کئے بغیر مغربی کنارے کی کئی آبادیاں یکطرفہ طور پر خالی کر دینے کے حق میں ہیں۔ کئی مغربی کنارے کو چھوڑ دینے کے حق میں ہیں۔

آبادیوں کی توسیع روکی جا سکتی ہے۔ فلسطینی اتھارٹی کو زیادہ زمین دی جا سکتی ہے۔ فلسطین کو، بطور ریاست، تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

غزہ کا محاصرہ آسان کیا جا سکتا ہے۔ چودہ سال سے جاری اس ناکہ بندی نے یہاں کی حکومتی تنظیم کو نہیں، عام لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ غربت اور مایوسی کم نہ ہونے کا مطلب مسلسل جاری خونریزی کی صورت میں ہے۔ بحری ناکہ بندی ختم کی جا سکتی ہے۔ یہاں عالمی سرکایہ کاری کو لایا جا سکتا ہے۔ گیس پائپ لائن، پانی صاف کرنے کے پلانٹ لگائے جا سکتے ہیں۔

موجودہ اسرائیلی سیاست میں فلسطین تنازعہ پر زیادہ بات نہیں ہوتی۔ امن کی خواہش پہلے کے مقابلے میں اب بہت کم ہے۔ جوں کے توں رہنے کی اس حالت کا بڑا نقصان فلسطینیوں کو ہے۔ لیکن اسرائیلیوں کو بھی ہے۔ اسرائیل فخر سے دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خطے کی واحد جمہوریت ہے لیکن اس کی طرف سے کی جانے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں اور عسکری قبضہ اس دعوے کے برعکس ہیں۔

اس کا رویہ نہ صرف اس کی اپنی عالمی ساکھ کو مجروح کرتا ہے بلکہ خود ملک میں نسلی تعصب اور illiberalism کو ہوا دیتا ہے۔ سیاسی طور پر، طویل مدت میں یہ ایسے ہی جاری نہیں سکتا۔

اگرچہ بڑی ذمہ داری اسرائیل کی طرف ہے لیکن فلسطینی سائیڈ پر بھی ذمہ داری ہے۔ سب سے پہلا اور بڑا مسئلہ آپس کا انتشار ہے۔ فلسطین کی دونوں بڑی متحارب سیاسی جماعتوں کے تعلقات بہت تلخ ہیں۔ ان کے درمیان صلح کروانے کے لئے بہت کوششیں کی جا چکی ہیں۔ عرب ممالک ثالثی کروانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس پر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ عملی طور پر فلسطین دو ریاستوں میں بٹا ہوا ہے۔ انتخابات نہیں ہوئے۔ مخالف سیاسی آواز دبا دی جاتی ہے۔ کرپشن بہت زیادہ ہے۔ جن علاقوں میں یہ دونوں پارٹیاں حکومت کر رہی ہیں، وہاں پر ان کی عوامی حمایت متاثر ہوئی ہے۔ جب آپس میں امن نہ ہو تو ایسی صورتحال میں کسی دوسرے سے امن کی بات کرنا بھی ناممکن ہے۔ مذاکرات نہیں کئے جا سکتے۔

فلسطینی قیادت کو سب سے پہلے اپنا گھر ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے تاکہ فسلطینی آزادی اور ترقی کے دن دیکھ سکیں۔ اور تبھی یہ تنازعہ حل کی طرف جاسکتا ہے۔

تنازعے کے حل میں امریکہ کا تاریخی کردار زیادہ مواقع پر مثبت نہیں رہا۔ (جب امریکی صدر ٹرمپ نے ڈیل آف دی سنچری کے پلان کا اعلان کیا تو سابق اسرائیلی وزیرِاعظم اولمرٹ، جن کا تعلق ایریل شیرون کی بنائی گئی پارٹی سے ہے اور شیرون کے نائب وزیرِاعظم تھے، نے فلسطینی صدر کے ساتھ مشترکہ بیان جاری کیا اور امریکہ کو باز رہنے کو کہا)۔ لیکن امریکہ کا اس پورے خطے میں کردار کم ہو رہا ہے۔ حالیہ لیبیا، سیریا، یمن تنازعوں میں امریکہ کا کردار نہیں۔ مشرقِ وسطی میں چین، روس اور دوسری طاقتوں کا اثر بڑھا ہے اور ایسا ہی جاری رہنے کی توقع ہے۔ خود امریکہ میں سیاستدانوں کی نئ جنریشن میں اسرائیل کی غیر مشروط حمایت کے حق پر اتفاق نہیں۔

فلسطین کی طرف سے ایک اور ضروری (لیکن بھلایا ہوا) عنصر اسرائیل کے اندر کام کرنا ہے۔ اسرائیلی عوام کو قائل کرنا ہے کہ دیگر متبادل بھی ہیں۔ یہ طویل مدت کا کام ہے۔ ویت نام اور الجیریا نے ایسا فرانس اور امریکہ میں کیا تھا۔ خود پر قابض ملک کے لوگوں میں اپنی کاز کی حمایت حاصل کی تھی اور تنازعہ ختم ہونے میں اسی سے فائدہ ہوا تھا۔

دنیا بدل رہی ہے کیونکہ یہ بدلتی ہی رہتی ہے۔ اکیسویں صدی کا مشرقِ وسطیٰ بھی اس سے مختلف نہیں۔ لیکن فلسطین میں امن بڑی طویل مدت کا پراجیکٹ ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اسرائیلی اور فلسطینی اپنا گھر ٹھیک کر سکیں، ملکر کام کر سکیں اور یہاں پر امن اور استحکام آ سکے۔ اور انصاف پر مبنی نئے راستے تلاش کر سکیں۔

یہ ایک امرِ حقیقت ہے کہ اسرائیلی اور فلسطینی اطراف میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو دوسرے فریق کے ہونے کے حق کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے لئے فریقین کی طرف سے اپنی مرضی کی پرانی تاریخ کو دلیل بنایا جاتا ہے۔ یہ رویہ قیامِ امن میں بڑی رکاوٹ رہا ہے۔ امن ممکن ہے، خواہ اس کی امید کم ہو۔ لیکن حقیقت پسند تجزیہ یہ بتاتا ہے کہ اگرچہ یہ افسوسناک ہے لیکن لگتا یوں ہے کہ تنازعہ، قبضہ اور خونریزی جاری رہے گی۔ امن، اگر کہیں ہے، تو ابھی بہت دور ہے۔

ایک صدی سے جاری اس طویل جنگ کا خاتمہ اور ایک دیرپا امن، اگر قائم ہوا، تو دنیا کے لئے اس صدی کی بہترین خبروں میں سے ہو گا۔

کیا یہاں کی اگلی نسل ایک بہتر مستقبل دیکھے گی؟ امید کم ہی سہی، لیکن ابھی باقی ہے۔

اس سیریز کو لکھنے میں زیادہ مدد ان کتابوں سے لی گئی

TheIsraeli-PalestinianConflict:Whatyouneedtoknow:DovWaxman

TheHundredYears'WaronPalestine:RashidAlkhalidi

TheIsrael-PalistineConflict:AHistory:James.LGelvin

سوالات و جوابات

SaleemJamali

سر یہ دیوار سرحدی دیوار ہے

WaharaUmbakar

یہ دیوار یروشلم کے بیچ میں سے نہیں گزرتی تو غالباً نہیں۔

SaleemJamali

تصویر میں نظر آنے والی یہ جگہ اسرائیلی آبادیاں ہیں

WaharaUmbakar

یہ پرانا شہر ہے جو مشرقی یروشلم میں ہے۔ یہاں مسلمان آبادی زیادہ ہے۔